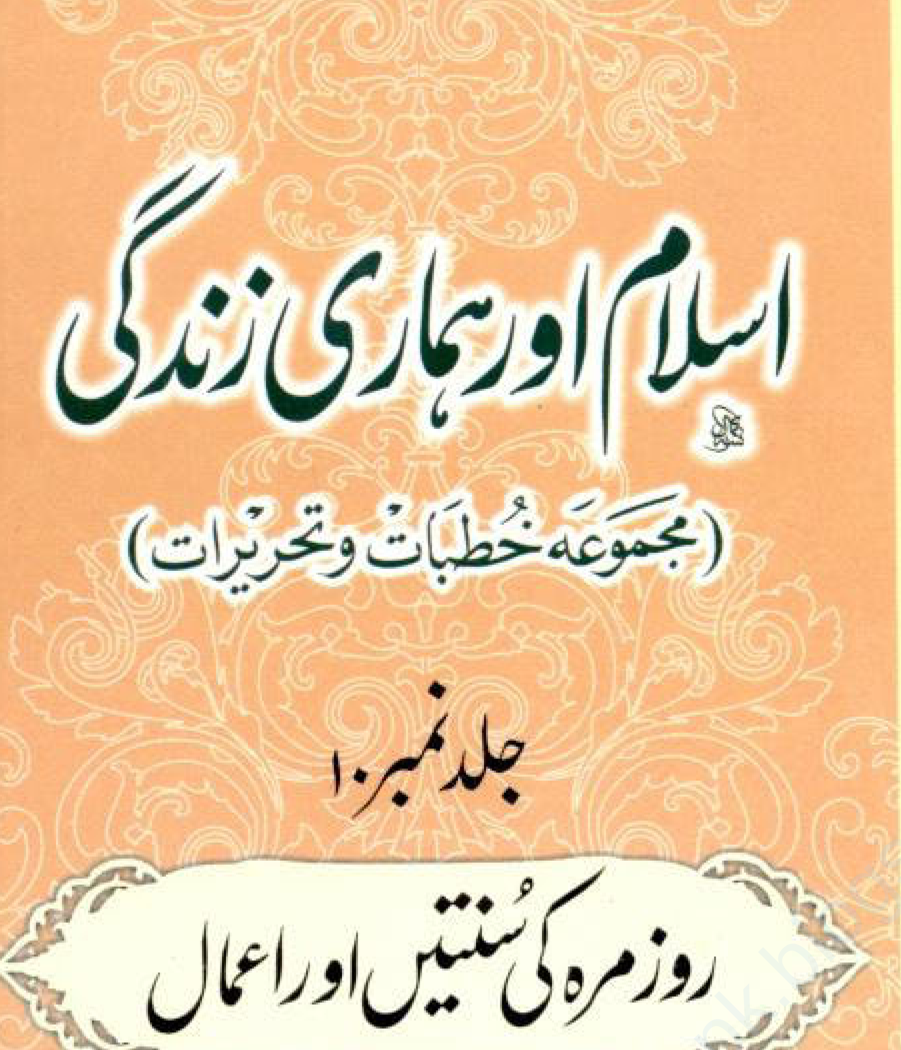




شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم



ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے ہم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین ودنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ''اسلام اور ہماری زندگی'' انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔





اسلام اور ہماری زندگی

روزمرہ کی سنتیں اور اعمال

جلد ۱۰


اردو کتب خانہ
URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

ہماری روزمرہ زندگی اور اس میں اُلجھنوں اور پریشانیوں کا حل قرآن وسنت میں پوشیدہ ہے۔ ہم افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اسلام کی بیش بہا تعلیمات کے مطابق کس طرح اعتدال کی راہ اختیار کر سکتے ہیں؟ کس طرح ایک خوشگوار زندگی گزار سکتے ہیں جس میں دین ودنیا کی راحتیں میسر ہوں اور دل کا سکون نصیب ہو؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جواب ہر مسلمان ڈھونڈ رہا ہے۔ ''اسلام اور ہماری زندگی'' انہی سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خُطبات وتحریرات

جلد ۱۰

روزمرہ کی سُنتیں اور اعمال

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا مُحمّد تقی عثمانی دامت برکاتہم

مرتّب

مولانا محمد اویس سرور صاحب

اِدارہ اِسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ۱۴ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور
فون ۳۷۳۲۴۴۱۲ ۳۷۳۲۳۷۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۷۳۲۴۴۱۲

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۳۷۲۲۳۹۹۱ ۳۷۳۵۳۲۵۵

★ موہن روڈ چوک اُردو بازار، کراچی
فون ۳۲۷۲۲۴۰۱

نام کتاب

اسلام اور ہماری زندگی

مجموعہ خطبات وتحریرات

جلد ۱۰

روزمرہ کی سنتیں اور اعمال

اشاعت اول

جمادی الثانی ۱۴۳۱ھ — جون ۲۰۱۰ء

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۴- دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور فون ۳۷۳۵۳۲۵۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۷۳۲۴۷۸۵+

۱۹۰- انارکلی، لاہور- پاکستان ـــــ فون ۳۷۲۴۳۹۹۱-۳۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی- پاکستان ـــــ فون ۳۲۷۲۲۴۰۱

www.idaraeislamiat.com

E-mail:idara.e.islamiat@gmail.com

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

مکتبہ دار العلوم، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ اردو بازار، کراچی

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور

فہرست مضامین

مسنون دعائیں

ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ'' ۳۱

مسنون دعائیں

کثرتِ ذکر اللہ کا بہترین طریقہ ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

گذشتہ دو روز سے یہ بات چل رہی تھی کہ سارے طریقت، تصوف اور سلوک کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی محبت دل میں جاگزیں ہو جائے، اور اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق اتنا مضبوط ہو جائے کہ ہر وقت اللہ جل شانہ کا دھیان رہے۔ اگر یہ چیز حاصل ہو جائے تو دین کے سارے احکام پر عمل آسان ہو جائے۔

اصطلاحات کی فکر میں مت پڑو

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اصطلاحات کی فکر میں مت پڑو، چنانچہ تصوف میں بہت سی اصطلاحات ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس درجہ کا تعلق قائم ہو جائے تو اس کا یہ نام ہے، اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا یہ نام ہے، سب سے آخری اور انتہائی درجہ کو ''ملکۂ یادداشت'' کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت دل میں اللہ جل شانہ کا دھیان رہے۔ لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اصطلاحات کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، بہت سے لوگ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت میں جس حالت سے گزر رہا ہوں، یہ حالت کس قسم کی ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟ حضرت والا فرماتے تھے کہ تمہیں آم کھانے کی فکر

☆ اصلاحی مجالس (۶/ ۱۱۲ تا ۱۲۹)، بعد از نماز ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دارالعلوم، کراچی

ہونی چاہئے، پیڑ گننے سے کیا مطلب؟ اگر تمہیں وہ چیز حاصل ہورہی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ جیسے ایک آدمی ریل گاڑی کے ذریعے لاہور جارہا ہے، اب سفر کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر اسٹیشن کا نام یاد کرے کہ فلاں فلاں اسٹیشن راستے میں آئے، فلاں فلاں اسٹیشن پر گاڑی رکی، اور ایک طریقہ یہ ہے کہ پڑا سوتا رہے، صبح جب بیدار ہوگا تو انشاء اللہ لاہور پہنچ جائے گا۔ اگر اس سے پوچھا جائے کہ راستے میں کون کون سے اسٹیشن آئے تو وہ ان کے نام تو نہیں بتا سکتا، لیکن لاہور پہنچ گیا۔

اصل مقصد اللہ کی یاد کا دل میں بس جانا ہے

اسی طرح تصوف وسلوک کی اصطلاحات کی فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، لیکن تصوف کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں بس جائے، اللہ جل شانہ کی محبت دل میں قائم ہو جائے، اور تعلق مضبوط ہو جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کے اسباب بتلا رہے تھے، پہلا سبب بیان فرمایا ''کثرتِ ذکر اللہ'' یعنی اللہ جل شانہ کے ذکر کی کثرت، اس کا بیان گذشتہ کل شروع کیا تھا۔

مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں

کثرتِ ''ذکر اللہ'' کا مقصد جن طریقوں سے حاصل ہوتا ہے، ان میں سے ایک طریقہ ''ادعیۂ ماثورہ'' کا اہتمام ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عجیب طریقہ تلقین فرمایا، وہ یہ کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں ہم جن مراحل سے گزرتے ہیں، ان میں سے ہر ہر مرحلے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تجویز فرمادی کہ جب صبح کو سو کر بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب غسل خانے میں داخل ہونے لگو تو یہ دعا پڑھو اور جب باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب وضو کرنا شروع کرو تو یہ دعا پڑھو، جب وضو سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا پڑھو، مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھو، مسجد سے باہر نکلتے وقت یہ دعا پڑھو، کھانا سامنے آئے تو یہ دعا پڑھو، کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو یہ دعا پڑھو، جب دسترخوان اُٹھاؤ تو یہ دعا پڑھو، وغیرہ، اس طرح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مراحل میں مختلف دعائیں تجویز فرمادیں۔

ان دعاؤں کو معمولی مت سمجھیں

لوگ ان دعاؤں کے پڑھنے کو معمولی سمجھتے ہیں کہ کسی موقع پر دعا پڑھ لی تو کیا نہیں پڑھی تو کیا! خاص طور پر مولوی صاحبان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے، اور مستحب کی تعریف یہ ہے کہ

پڑھو تو ثواب، نہ پڑھو تو کوئی گناہ نہیں۔ لہٰذا دعائیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ وہ دعائیں پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے، حالانکہ ہر موقع پر حضورِ اقدس ﷺ کی مانگی ہوئی دعا کو مانگنا اتنی عجیب و غریب چیز ہے کہ اس کے منافع اور فوائد کی کوئی حد و نہایت ہی نہیں۔

یہ الہامی دعائیں ہیں

اوّل تو ان میں سے ایک ایک دعا ایسی ہے کہ اگر ان میں سے ایک دعا بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پالے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے، اس کے علاوہ یہ کہ ان دعاؤں کے الفاظ میں نور ہے، ان کے معنی میں نور ہے، ان کے فوائد میں نور ہے، گویا کہ ان دعاؤں میں نور ہی نور بھرا ہوا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ دعائیں نبی کریم ﷺ کے ''دلائل النبوۃ'' میں سے ہیں، کسی انسان کے بس میں نہیں تھا کہ وہ ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگے جو حضور ﷺ مانگنا سکھا گئے، اور جن الفاظ سے مانگنا سکھا گئے، وہ حاجتیں جو ہمارے اور آپ کے تصور میں نہیں آسکتیں، ایسی حاجتیں سرکارِ دو عالم ﷺ مانگ گئے، دنیا و آخرت کی کوئی بہتری ایسی نہیں جو ان دعاؤں کے اندر موجود نہ ہو۔ اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ یہ دعائیں حضورِ اقدس ﷺ کے ''دلائل النبوۃ'' میں سے ہیں، کیونکہ یہ دعائیں ایسی ہیں کہ انسان وحی کی روشنی کے بغیر نہیں مانگ سکتا، ایسے ایسے جامع کلمات ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، میرا دل چاہتا تھا کہ ان دعاؤں کی شرح کی جائے، چنانچہ جامع مسجد بیت المکرّم کے جمعہ کے بیانات میں ان دعاؤں کی تشریح شروع کی ہے، اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

ہر کام کے وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق

یہ دعائیں اپنے پیچھے معنی کی بڑی کائنات رکھتی ہیں، لہٰذا ایک طرف تو یہ دعائیں بڑی مؤثر ہیں، دوسری طرف آپ ﷺ نے زندگی کے مختلف مراحل پر یہ دعائیں تجویز فرما دیں۔ اس لئے کہ اگر تم ایک مرتبہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہو گے تو کتنا ذکر کرو گے؟ ہزار مرتبہ، پانچ ہزار مرتبہ، یا زیادہ سے زیادہ دس ہزار مرتبہ کر لو گے، لیکن فارغ ہونے کے بعد پھر اپنے کاموں میں مشغول ہو کر غافل ہو جاؤ گے، ہم تمہیں ذکر کا ایسا طریقہ بتا دیتے ہیں کہ تم جس کام میں لگے ہوئے ہو، اس کام کے اندر ہی تمہارا ذکر کا مقصد حاصل ہو رہا ہے، یہاں تک کہ اگر تم بیت الخلاء جا رہے ہو، وہاں بھی ذکر کا مقصد حاصل ہو رہا ہے، اگر وہاں سے نکل رہے ہو تو بھی ذکر کا مقصد حاصل ہو رہا ہے، گویا کہ ہر کام میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت عطا کی جا رہی ہے، اور تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑا جا رہا ہے۔

خدائی ''پاور ہاؤس'' سے تعلق جڑ جائے گا

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے گھر کے اندر بجلی آرہی ہے، تم نے جیسے ہی بٹن دبایا، تمہارے گھر کا تعلق پاور ہاؤس سے جڑ گیا، اور پاور ہاؤس سے یہاں تک بجلی آنے میں بے شمار تار ہیں، بے شمار کھمبے ہیں، بے شمار ٹرانسفارمر ہیں، ان کے ذریعے سینکڑوں میل سے بجلی تمہارے گھر میں آرہی ہے، جیسے ہی تم نے سوئچ آن کیا، اس بجلی نے سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرلیا، اور تمہارا تعلق پاور ہاؤس سے جڑ گیا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ادعیۂ ماثورہ تلقین فرما کر گویا کہ یوں فرمادیا کہ بار بار اپنا سوئچ آن کرتے رہو اور جس جس وقت تم ان دعاؤں کا سوئچ آن کرو گے، تمہارا تعلق خدائی پاور ہاؤس سے جڑتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا دروازہ بار بار کھٹکھٹاؤ

دنیا کے دوسرے تعلقات کا تو یہ حال ہے کہ اگر تمہارا کسی سے تعلق ہو جائے اور تم اس کو بار بار پکارو، بار بار اس کے گھر جا کر اس کے دروازے پر دستک دو، تو وہ ایک مرتبہ برداشت کرلے گا، دو مرتبہ برداشت کرلے گا، تین مرتبہ برداشت کرلے گا، چوتھی مرتبہ دستک دینے پر پٹائی کرے گا، یا مثلاً آپ نے کسی کو ایک مرتبہ ٹیلیفون کیا، تھوڑی دیر بعد دوبارہ ٹیلیفون کیا، تو وہ اس سے ناراض اور غصہ ہو جائے گا کہ بار بار مجھے فون پر پریشان کررہا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جتنی مرتبہ چاہو، تعلق قائم کرلو، اور جس وقت چاہو، جس لمحے چاہو، جس کام کے لئے چاہو، تعلق قائم کرلو، میرے پاس آجاؤ، میرا دروازہ کھٹکھٹاؤ، اور مجھ سے تعلق قائم کرنے کے لئے سوئچ آن کرتے رہو۔ یہ ادعیۂ ماثورہ دراصل اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق جوڑ رہی ہیں، اور جتنی مرتبہ دعا کرو گے، اتنا ہی اس تعلق میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، اتنی ہی اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھے گی، لہٰذا یہ ادعیۂ ماثورہ معمولی چیز نہیں، ان کو خوب یاد کرو، اور ہر وقت ان دعاؤں کے پڑھنے کی عادت ڈالو۔

زندگی کے ہر موڑ کے لئے دعائیں موجود ہیں

مسنون دعاؤں کی بے شمار کتابیں چھپی ہوئی ہیں، مناجات مقبول ہے، حصن حصین ہے، میں نے بھی ایک رسالہ ''پُرنور دعائیں'' کے نام سے لکھا ہے، جس میں ساری دعائیں جمع کردی ہیں، ان کتابوں کو پڑھو، اور دیکھو کہ کہاں کہاں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دعائیں مانگی ہیں، اگر کوئی شخص ان دعاؤں کے پڑھنے کی پابندی کرلے تو صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کا کوئی موڑ ایسا نہیں ہے جس

میں وہ اپنے اللہ سے رجوع نہ کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا ایک نایاب طریقہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ہمیں تلقین فرما دیا۔

زبان بھی ذاکر اور تعلق بھی قائم

تجربہ یہ ہے کہ جو شخص ان دعاؤں کے پڑھنے کا عادی بن جاتا ہے، اس کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے، البتہ بعد میں ایسا لگتا ہے کہ چونکہ الفاظ یاد ہو گئے ہیں اور پڑھنے کی عادت ہو گئی ہے، اس لئے اس دعا کو پڑھتے وقت معنی اور مفہوم کی طرف دھیان نہیں رہتا۔ اس وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح دعا پڑھنے سے کیا فائدہ؟ آٹو میٹک مشین چل پڑی، اور زبان سے خود بخود الفاظ ادا ہو گئے، حالانکہ دل کہیں ہے، اور دماغ کہیں ہے، اس لئے اس طرح دعا پڑھنا بے فائدہ ہے۔ یہ خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح دعا پڑھنا بھی فائدہ سے خالی نہیں، کم از کم تمہاری زبان تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہے، تمہارا ایک عضو تو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگا ہوا ہے، اس لئے یہ بھی کوئی کم نعمت نہیں، لیکن اگر ان دعاؤں کو ان کے معنی کی طرف دھیان کر کے توجہ سے پڑھو گے تو اس کے نتیجے میں جو فائدہ ہوگا، اور جو تعلق مع اللہ حاصل ہوگا، وہ عظیم الشان ہے۔ بہر حال، یہ ادعیۂ ماثورہ کا پڑھنا کثرتِ ذکر اللہ کا دوسرا طریقہ ہے۔

ہر وقت مانگتے رہو

کثرتِ ذکر اللہ کا تیسرا طریقہ ''کثرتِ دعا'' ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی کثرت، کثرتِ دعا کی اتنی مشق کی جائے کہ ہر وقت تمہارا دل اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگ رہا ہو، چاہے زبان پر دعا ہو یا نہ ہو، لیکن دل میں اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگ رہا ہو، مثلاً چلتے، پھرتے، اُٹھتے، بیٹھتے کام میں لگے ہوئے مانگتے رہو، اب سوال یہ ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کیا چیز مانگیں؟

انسان حاجتوں کا پُتلا ہے

اگر غور کر کے دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ انسان حاجتوں کا پُتلا ہے، ہر لمحہ اس کو کوئی نہ کوئی حاجت اور ضرورت ہے، کوئی لمحہ اس کا احتیاج سے خالی نہیں، مثلاً اس وقت ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، بظاہر تو کوئی حاجت نہیں، لیکن بے شمار حاجتیں اس وقت بھی ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، مثلاً اگر گرمی لگ رہی ہے تو پنکھے اور ہوا کی حاجت ہے، اگر دھوپ آرہی ہے تو سائے کی حاجت ہے، اگر سردی زیادہ لگ رہی ہے تو گرمائش کی حاجت ہے، کیونکہ انسان کو کسی ایک حال پر قرار نہیں، ذرا سی

ٹھنڈ زیادہ ہوجائے تو پریشان ہوجاتا ہے، اگر گرمی زیادہ ہوجائے تو پریشان ہوجاتا ہے۔ لہٰذا ہر وقت اس کو کوئی نہ کوئی حاجت ہے، لہٰذا ہر ہر لمحے جو حاجتیں تم کو پیش آرہی ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو۔

اس طرح مانگو

مثلاً اگر گرمی لگ رہی ہے تو یہ کہو: یا اللہ! گرمی دور فرمادیجئے۔

اگر سردی لگ رہی ہے تو کہو: یا اللہ! یہ سردی دور فرمادیجئے۔

کسی آدمی کی تلاش ہے، دعا کرو: یا اللہ! فلاں آدمی سے ملاقات ہوجائے۔

کہیں جانا ہے، اور بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑے ہو، کہو: یا اللہ! آسانی سے بس مل جائے۔

ٹیکسی کی تلاش ہے، کہو: یا اللہ! آسانی سے ٹیکسی مل جائے۔

جب سواری میں بیٹھ گئے، کہو: یا اللہ! سگنل کھلا مل جائے، یا اللہ! ٹریفک جام نہ ہو۔

لہٰذا جو حاجت جس وقت پیش آرہی ہے، اسی وقت وہ حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو۔

نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔(۱)

یقینی طور پر حاصل ہونے والی چیز بھی اللہ سے مانگو

ایک اور باریک بات جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی، وہ یہ کہ جو چیز آنکھوں سے نظر آرہی ہے کہ یہ چیز یقینی طور پر ابھی مجھے حاصل ہونے والی ہے، وہ بھی اللہ سے مانگو۔ مثلاً آپ روزہ افطار کرنے بیٹھے، سامنے دسترخوان پر افطاری کا سامان موجود ہے، اب بظاہر یہ بات یقینی ہے کہ ہاتھ بڑھا کر افطاری کھالیں گے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس وقت بھی اللہ سے مانگو: یا اللہ! مجھے یہ چیز کھانی نصیب ہوجائے، اور اس چیز کی لذت مجھے عطا فرمادیجئے، اس کے ذریعے مجھے طاقت اور صحت عطا فرمادیجئے، اور اس کے ذریعے مجھے بدہضمی نہ ہو، میرا پیٹ خراب نہ ہو، بلکہ صحت و عافیت کے ساتھ مجھے کھلادیجئے۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب لیسأل الحاجۃ مہما صغرت، رقم: ۳۵۳۶

اعلیٰ درجہ کا ''توکل'' یہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو عجیب علوم عطا فرمائے تھے، انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے، فرماتے ہیں کہ جہاں آدمی کے سامنے اسباب موجود نہیں ہیں، اگر اس جگہ پر ''توکل'' کیا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، کیونکہ وہاں اسباب موجود ہی نہیں، اور ''توکل'' کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ ''توکل'' کا مزہ تو اس جگہ پر ہے جہاں اسباب سو فیصد موجود ہیں، جیسے ابھی میں نے مثال دی کہ کھانا سامنے موجود ہے، کھانے کے لئے صرف ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے، اس موقع پر بھی نظر ان اسباب پر نہ ہو، بلکہ اس وقت بھی نظر مسبب الاسباب پر ہو، اور اس وقت یہ کہو: اے اللہ! یہ کھانا سامنے موجود تو ہے، لیکن تیری توفیق کے بغیر نہ میں کھا سکتا ہوں اور نہ ہی اس کھانے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہوں، یہ ''توکل'' اعلیٰ درجے کا ہے، کیونکہ سو فیصد اسباب موجود ہونے کے باوجود نگاہ ان اسباب کی طرف نہیں ہے۔ اس ''توکل'' کی بھی مشق کرنی چاہئے۔

اسباب کی موجودگی میں ''توکل'' کی ضرورت کیوں؟

تمام اسباب موجود ہونے کے موقع پر ''توکل'' کی ضرورت اس لئے ہے کہ بے شمار واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ سو فیصد اسباب موجود ہونے کے باوجود اور کھانا سامنے ہونے کے باوجود وہ کھانا منہ تک نہیں پہنچ سکا، مثلاً یہ کہ عین اس وقت کسی بیماری کا حملہ ہو گیا، فالج ہو گیا، موت واقع ہو گئی، بیہوشی طاری ہو گئی، تو اب وہ کھانا تو سامنے موجود ہے، لیکن کھانے کی توفیق نہیں ہوئی۔

کھانا الگ نعمت، کھلانا الگ نعمت

کھانے کے بعد جو دعا حضورِ اقدس ﷺ نے تلقین فرمائی ہے، اس کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنَا وَأَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ))(۱)

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس میں دو الفاظ الگ الگ ارشاد فرمائے ہیں، ایک ''رَزَقَنَا'' اور دوسرا ''أَطْعَمَنَا'' یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں غذا عطا فرمائی، ہمیں رزق

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما یقول إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۳۷۹، سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب ما یقول الرجل إذا طعم، رقم: ۳۳۵۲، سنن ابن ماجه، کتاب الأطعمة، باب ما یقال إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۲۷٤، مسند أحمد، رقم: ۱۰۸٤٦

دیا، اور ہمیں کھلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رزق دینا الگ نعمت ہے اور رزق کھلانا الگ نعمت ہے، کیونکہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ رزق کی نعمت تو موجود ہوتی، لیکن معدہ خراب ہوتا، بدہضمی ہورہی ہوتی، تو اس صورت میں "رَزَقَنَا" تو ہے، لیکن "أَطْعَمَنَا" نہیں ہے، کیونکہ کھلانے کی نعمت حاصل نہیں ہوئی۔ ایسے واقعات زندگی میں بہت پیش آتے ہیں کہ چیز تو موجود ہے، لیکن اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ یہ موقع اللہ تعالیٰ پر "توکل" اور بھروسہ کرنے کا ہے کہ اے اللہ! آپ کی مشیت پر اس سے فائدہ اُٹھانا موقوف ہے، آپ کی مشیت ہوگی تو میں اس سے فائدہ اُٹھاؤں گا، آپ کی مشیت نہیں ہوگی تو فائدہ نہیں اُٹھا سکوں گا، لہٰذا میں آپ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ مجھے یہ چیز کھلا بھی دیجئے، اور اس کا نفع بھی پہنچا دیجئے۔

مانگنے سے محبوب بن جاؤ گے

بہر حال، انسان حاجتوں کا پُتلا ہے، جو بھی حاجت پیش آئے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔ اور دعا کی قبولیت کے جو اوقات ہیں، نمازوں کے بعد اور دوسرے اوقات میں، ان اوقات میں ذرا اہتمام کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگ لو۔ دنیا کے اندر تو یہ معاملہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی سخی داتا ہو، اگر تم اس کے پاس جا کر ایک مرتبہ مانگو گے، دیدے گا، دوسری مرتبہ بھی دیدے گا، تیسری مرتبہ بھی دیدے گا، اس کے بعد مانگو گے تو اس شخص کو تمہارے چہرے سے نفرت ہو جائے گی کہ یہ شخص اب مانگنے کے لئے پھر آ گیا ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصول یہ ہے:

((مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ))(۱)

"جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سے جب چاہو، مانگو، جتنا چاہو، مانگو، جتنی مرتبہ چاہو، مانگو، اور تم جتنا زیادہ مانگو گے، اتنا ہی تم ہمارے یہاں محبوب ہو گے، اگر نہیں مانگو گے تو ہم ناراض ہوں گے کہ تم نے کیوں نہیں مانگا۔ لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہو، منگتے بنے رہو، یہ ایسا دربار ہے تو اس دربار سے فائدہ اُٹھاؤ، اور مانگو، اور دعا کرو۔ اس دعا کی کثرت کا فائدہ یہ ہو رہا ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو رہا ہے، اور کثرتِ ذکر کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب منہ، رقم: ۳۲۹۵، سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب فضل الدعاء، رقم: ۳۸۱۷

عجیب و غریب دعا

بہرحال، کثرتِ ذکر کے تین طریقے ہوئے، ایک یہ کہ ان چار اعمال کا اہتمام کرنا (جن کا بیان گذشتہ مجلس میں تفصیل سے ہو چکا) دوسرے یہ کہ ''ادعیۂ ماثورہ'' پڑھنے کا اہتمام کرنا، تیسرے یہ کہ ''دعا کی کثرت'' کرنا۔ یہاں تک کہ جب حضور ﷺ نے ساری دعائیں کرلیں، اور دنیا و آخرت کی کوئی حاجت نہیں چھوڑی تو آخر میں پھر ایک عجیب و غریب دعا فرمائی، وہ یہ ہے:

((أَيُّمَا عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ مِنْ أَهْلِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَقَبَّلْتَ دَعْوَتَهُمْ وَاسْتَجَبْتَ دُعَائَهُمْ، فَإِنَّا نَسْئَلُكَ أَنْ تُشْرِكَنَا فِيْ صَالِحِ مَا يَدْعُوْنَكَ فِيْهِ، وَأَنْ تُشْرِكَهُمْ فِيْ صَالِحِ مَا نَدْعُوْكَ فِيْهِ وَأَنْ تُعَافِيَنَا وَإِيَّاهُمْ وَأَنْ تَجَاوَزَ عَنَّا وَعَنْهُمْ))(۱)

''اے اللہ! خشکی اور سمندر میں آپ کے کسی بندے نے اور کسی بندی نے ساری زندگی میں جو بھی دعا مانگی ہو، اے اللہ! ہمیں بھی اس دعا میں شامل کرلیجئے، اور اُن کو ہماری دعاؤں میں شامل کرلیجئے، اور اُن کی مغفرت فرما دیجئے، اور ہماری بھی مغفرت فرما دیجئے''

یہ ایسی عجیب دعا ہے کہ کسی دوسرے انسان کے تصور میں بھی یہ الفاظ نہیں آسکتے۔

دل دل میں مانگ لو

اور صرف زبان سے نہیں، بلکہ دل دل میں ذکر کرتے رہو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الحمدللہ، کبھی اس سے تخلف نہیں ہوتا کہ ایک شخص آیا، اور اس نے کہا کہ حضرت! ایک مسئلہ پوچھنا ہے، اسی وقت فوراً اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلیتا ہوں کہ یا اللہ! یہ شخص پتہ نہیں کیا سوال کرے گا، اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے، اس طرح دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے۔ لہٰذا جو آدمی ماضی پر استغفار کر رہا ہے، حال میں صبر کر رہا ہے یا شکر کر رہا ہے، اور مستقبل کے لئے استعاذہ کر رہا ہے، اور مختلف مراحلِ زندگی میں ادعیۂ ماثورہ کا پابند ہے، اور اس کا دل ہر وقت اللہ تعالیٰ سے کچھ نہ کچھ مانگ رہا ہے، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ضرور قائم ہو جائے گا، لہٰذا کثرتِ ذکر اللہ، اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق قائم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

---

(۱) الدر المنثور (۲/۲۲۴)، کنز العمال، رقم: ۴۹۷۷ (۲/۶۴۴)، جامع الأحادیث، رقم: ۴۱۸۰۲ (۳۸/۴۳۰)

ان تسبیحات کا معمول بنالو

پھر ہمارے بزرگوں نے یہ بھی فرمادیا کہ چوبیس گھنٹوں میں سے تھوڑا وقت ایسا مخصوص کرلو جس میں ذکر ہی مقصود ہو، اور بہتر یہ ہے کہ فجر سے پہلے کا وقت یا فجر کے بعد کا متصل وقت اس کے لئے مخصوص کرلو، لیکن اگر اس وقت عذر ہو تو دوسرے اوقات میں کوئی وقت ذکر کے لئے مختص کرلو، اور اس وقت میں یکسوئی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، تلاوت کرو، تسبیحات پڑھو، مثلاً "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" ایک تسبیح، "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" کی ایک تسبیح اور استغفار کی ایک تسبیح، درود شریف کی ایک تسبیح، اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کی ایک تسبیح، اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کی ایک تسبیح۔ ان اذکار کے پڑھنے کا اہتمام کرو، ان سب اذکار کی ایک ایک تسبیح پڑھنے کا معمول بنالو، اگر زیادہ وقت نہیں تو ایک تہائی تسبیح کا معمول بنالو، اور ۳۳۔۳۳ مرتبہ تمام اذکار پڑھ لیا کرو، لیکن جب ذکر کے لئے وقت مقرر کرلو تو پھر اس وقت کو اسی کام میں صرف کرو، اور پہلے یہ دیکھو کہ میں چوبیس گھنٹے میں سے کتنا وقت اس کام کے لئے نکال سکتا ہوں، پھر اس کے حساب سے معمولات مقرر کرلو، چاہے آدھا گھنٹہ ہو یا پندرہ منٹ ہوں، یا دس منٹ ہوں، لیکن پھر اس کی پابندی کرو، اور اس وقت کے اعتبار سے اذکار کی تعداد میں کمی کرلو، اگر اس وقت میں سو کی تعداد پوری نہیں ہوتی تو ۶۶ کی تعداد مقرر کرلو، ۶۶ کی تعداد پوری نہیں ہوتی تو ۳۳ کی تعداد مقرر کرلو، ۳۳ کی تعداد پوری نہیں ہوتی تو گیارہ کی تعداد مقرر کرلو۔

پابندی والا عمل پسندیدہ ہے

لیکن جو مقرر کرو پھر اس کی پابندی بھی کرو۔ ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

((قَلِيْلٌ تَدُوْمُ عَلَيْهِ أَرْجٰى مِنْ كَثِيْرٍ مَمْلُوْلٍ))(۱)

"وہ تھوڑا سا عمل جس پر تم مداومت کرو، اس میں اللہ تعالیٰ یہاں اجر و ثواب اور قبولیت کی زیادہ اُمید ہے بنسبت اس کثیر عمل کے جس کو آج کیا اور کل چھوڑ دیا"

ایک اور حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) یہ جملہ احادیثِ نبویہ میں تو نہیں مل سکا البتہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اقوال میں ملتا ہے۔ التذکرۃ الحمدونیۃ (۱/۱۲۹) نہج البلاغۃ، ص: ۲۷۸

((أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ))(۱)

''بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اگر چہ وہ تھوڑا ہو''

مداومت کے اندر برکت ہوتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اذکار کا وقت بھی مقرر ہو، اور جگہ بھی مقرر ہو، اور تعداد بھی مقرر ہو، کیونکہ ایک جگہ پر بیٹھ کر جب آدمی ذکر کرتا ہے تو اس کا فائدہ بھی زیادہ ہوتا ہے، بنسبت اس کے کہ آدمی چلتے پھرتے ذکر کرے، جگہ اور وقت مقرر کرنے میں زیادہ فائدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس ذکر کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس زمان و مکان کو ذکر اللہ کے نور سے منور کر دیتے ہیں۔

کائنات کی ہر چیز کا ذکر کرنا

قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ﴾(۲)

یعنی جب حضرت داؤد علیہ السلام ذکر کرتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ بھی ذکر کرتے تھے، اور پرندے بھی ذکر کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو انعام کے طور پر ذکر فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر ہمارا یہ انعام تھا جب وہ ذکر کرتے تو ان کے ساتھ پہاڑ بھی ذکر و تسبیح کیا کرتے تھے۔

ذکر میں دلجمعی پیدا ہوتی ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر پہاڑ ذکر و تسبیح کرتے تھے تو حضرت داؤد علیہ السلام پر کیا احسان اور انعام ہوا؟ اگر وہ تسبیح کر رہے ہیں تو کرنے دو، ان کا حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا تعلق؟ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ پہاڑوں کا ذکر کرنا حضرت داؤد علیہ السلام پر انعام اس طرح ہے کہ جب ذاکر ذکر کرتا ہے، اور اس کے ساتھ کائنات کے دوسرے عناصر بھی ذکر کرنے میں مشغول ہوتے ہیں تو اس کے ذکر میں دلجمعی اور لطف زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، رقم: ۵۹۸۳، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، رقم: ۱۳۰۵، سنن النسائي، كتاب القبلة، باب المصلي يكون بينه وبين الإمام سترة، رقم: ۷۵۴، مسند أحمد، رقم: ۲۴۱۵۳

(۲) ص: ۱۸

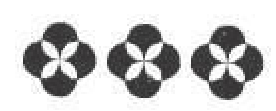
ذکر کے وقت یہ تصور کیا کرو

اسی وجہ سے صوفیاء کرام نے ذکر کا ایک طریقہ ایسا تجویز فرمایا ہے جس میں ذاکر ذکر کرتے وقت یہ تصور کرتا ہے کہ میرے ساتھ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے، یہ چاند بھی ذکر کر رہا ہے، یہ سوج بھی ذکر کر رہا ہے، یہ آسمان بھی ذکر کر رہا ہے، یہ پہاڑ وغیرہ سب میرے ساتھ ذکر کر رہے ہیں، اس تصور کا بڑا عظیم فائدہ خود ذاکر کو محسوس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جب آدمی ذکر کے لئے کوئی جگہ اور وقت مقرر کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذکر سے اس جگہ اور وقت کو منور فرما دیتے ہیں، اور اب وہ وقت اور جگہ بھی اس کے ساتھ ذکر میں شریک ہو جاتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے ذکر کی برکت کا انعکاس ایک دوسرے پر ہوتا ہے، اس لئے ایک جگہ اور ایک وقت مقرر کر کے ذکر کرنے میں زیادہ فائدہ ہے، اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے کرو، مگر پابندی سے کرو۔

خلاصہ

بہر حال، کثرتِ ذکر کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ تھوڑا سا وقت مقرر کر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو، اگر یہ کام کر لیا تو انشاء اللہ کثرتِ ذکر کا مقصود حاصل ہوگا، اور اس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کے ساتھ محبت پیدا ہوگی، اور تعلق مضبوط ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



ہر کام سے پہلے ''بسم اللہ'' ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((كُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا يُبْدَأُ فِيْهِ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ أَقْطَعُ))(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے جمعہ کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کے بارے میں کچھ گزارشات عرض کی تھیں۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر کوئی اہم کام جو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، وہ ادھورا اور ناقص ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ نے ہر مسلمان کو یہ تلقین فرمائی کہ اپنی زندگی کا ہر اہم کام اللہ کے نام سے شروع کرے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ایک ایسا کلمہ ہے جو ہمیں ہر کام سے پہلے پڑھنے کا حکم دیا گیا، صبح کو بستر سے بیدار ہوتے وقت، غسل خانے میں جاتے وقت، غسل خانے سے نکلتے وقت، کھانا کھانے سے پہلے، پانی پینے سے پہلے، بازار میں جانے سے پہلے، مسجد میں داخل ہونے سے پہلے، مسجد سے باہر نکلتے وقت، کپڑے پہنتے وقت، گاڑی چلاتے وقت، سوار ہوتے وقت، سواری سے اُترتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت، تمام اوقات میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا کلمہ ہم سے کہلوایا جا رہا ہے۔

ہر کام کے پیچھے نظام ربوبیت

جیسا کہ پچھلے جمعہ عرض کیا تھا کہ یہ کوئی منتر نہیں ہے جو ہم سے پڑھوایا جا رہا ہو، بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم الشان فلسفہ ہے اور ایک عظیم الشان حقیقت کی طرف اس کے ذریعہ متوجہ کیا جا رہا ہے۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/ ۸۵ تا ۱۰۰) قبل از نمازِ جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی اہمیت پر ایک اثر انگیز بیان ''اصلاحی مواعظ'' مطبوعہ بیت العلوم کی جلد سوم کے صفحہ ۲۶ تا ۴۶ پر بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کنز العمال، رقم: ۲۴۹۱

وہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا جو بھی کام انسان کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں، دیکھنے میں چاہے یہ نظر آ رہا ہو کہ جو کام میں کر رہا ہوں وہ میری کوشش اور محنت کا نتیجہ ہے، لیکن اگر انسان گہری نظر سے دیکھے تو اس کو اپنی کوشش اور محنت کا عمل دخل اس میں بہت تھوڑا نظر آئے گا اور اس کے پیچھے اللہ جل شانہ کا بنایا ہوا عظیم الشان نظامِ ربوبیت کام کرتا نظر آئے گا۔

ایک گلاس پانی پر نظامِ ربوبیت کارفرما ہے

مثال کے طور پر دیکھئے! ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب پانی پیو تو پانی پینے سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھو۔ دیکھنے میں تو یہ نظر آتا ہے کہ پانی پینا معمولی بات ہے۔ گھر میں پانی مہیا کرنے کے لئے ہم نے پائپ لائن لے رکھی ہے اور پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کولر اور فرج موجود ہے، چنانچہ آپ نے فرج سے ٹھنڈا پانی نکالا اور گلاس میں بھرا اور پی لیا۔ اب بظاہر یہ نظر آ رہا ہے کہ اس ٹھنڈے پانی کا حصول ہماری اپنی محنت اور کوشش اور پیسہ خرچ کرنے کا نتیجہ ہے، لیکن یہ خیال بہت کم لوگوں کو آتا ہے کہ یہ ایک گلاس ٹھنڈا پانی جو ہم نے ایک لمحے میں حلق سے نیچے اُتار لیا، اس پانی کو ہمارے حلق تک پہنچانے کے لئے اللہ جل شانہ کی نظامِ ربوبیت کا عظیم کارخانہ کس طرح کام کر رہا ہے۔

زندگی پانی پر موقوف ہے

دیکھئے! پانی ایسی چیز ہے کہ اس پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (۱)

یعنی ہم نے ہر جاندار کو پانی ہی سے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا پانی صرف انسان کا ہی نہیں بلکہ ہر جاندار کا اصل مبدأ بھی ہے اور اس کی زندگی کا دارومدار بھی اسی پر ہے، اسی لئے اللہ جل شانہ نے اس کائنات میں پانی اتنی وافر مقدار میں پیدا فرمایا کہ اگر اس روئے زمین پر ایک تہائی خشکی ہے تو دو تہائی سمندر کی شکل میں پانی ہے، اور اس سمندر میں بھی بے شمار مخلوقات کا جہان آباد ہے جو ہر روز پیدا ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں، اگر سمندر کا یہ پانی میٹھا ہوتا تو جو جانور اس پانی میں مر کر سڑتے ہیں، ان کی وجہ سے وہ پانی خراب ہو جاتا، اس لئے اللہ جل جلالہ کی حکمتِ بالغہ نے اس پانی کو کھارا اور نمکین بلکہ کڑوا بنایا، تاکہ اس کے نمکین اجزاء اس پانی کو خراب ہونے اور سڑنے سے محفوظ رکھیں۔

---

(۱) الأنبياء: ۳۰

پانی صرف سمندر میں ہوتا تو کیا ہوتا؟

پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرمادیتے کہ ہم نے تمہارے لئے سمندر کی شکل میں پانی پیدا کردیا ہے اور اس کو خراب ہونے اور سڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کے اندر نمکیات بھی پیدا کردی ہیں، اب تم جانو تمہارا کام جانے، تمہیں اگر پانی کی ضرورت ہو تو جا کر سمندر سے پانی بھرو اور اس کو میٹھا کرو اور پیو اور اس کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ اگر یہ حکم دیدیا جاتا تو کیا کسی انسان کے بس میں تھا کہ وہ سمندر سے پانی لے کر آئے اور اس سے اپنی ضروریات پوری کرے؟ چلیں! اگر سمندر سے پانی لے بھی آئے تو پھر اس کو میٹھا کیسے کرے؟

پانی کو میٹھا کرنے اور سپلائی کرنے کا خدائی نظام

سعودی عرب میں سمندر کے پانی کو میٹھا کرنے کے لئے ایک زبردست پلانٹ کروڑوں اور اربوں روپے کے خرچ سے نصب کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے جگہ جگہ یہ اعلان لگایا گیا ہے کہ اس پانی کو میٹھا کرنے کے لئے بہت بڑی رقم خرچ ہوئی ہے، اس لئے اس کو احتیاط سے استعمال کیا جائے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے انسان کی خاطر سمندر کا پانی میٹھا کرنے کے لئے یہ نظام بنایا کہ سمندر سے ''مون سون'' کے بادل اُٹھائے اور اس بادل میں ایسا خودکار پلانٹ نصب کردیا کہ وہ پانی جو سمندر کے اندر کڑوا اور کھارا تھا، جب وہ بادل کی شکل میں اُوپر اُٹھتا ہے تو اس کی کڑواہٹ دور ہو جاتی ہے اور وہ پانی میٹھا بن جاتا ہے، اور پھر وہ لوگ جو سمندر سے ہزاروں میل دور آباد ہیں اور ان کے لئے سمندر سے پانی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، ان لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بادلوں کی شکل میں مفت ''کارگو سروس'' مہیا فرمادی۔

بادل ''مفت کارگو سروس'' مہیا کرتے ہیں

پچھلے دنوں میں ناروے گیا، وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ چونکہ یہاں کا پانی بہت اچھا اور صحت بخش سمجھا جاتا ہے، لہٰذا بہت سے ممالک یہ پانی یہاں سے امپورٹ کرتے ہیں، چنانچہ وہ پانی بڑے بڑے کنٹینروں میں پانی کے جہازوں کے ذریعہ دوسرے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں ایک لیٹر پانی پر ایک ڈالر خرچ آتا ہے جو ہمارے حساب سے ۶۲/ روپے بنتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کے لئے، اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں، بادلوں کی شکل میں یہ کارگو سروس مفت مہیا کردی ہے، یہ بادل سمندر سے پانی اُٹھا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لے

جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنادیا کہ روئے زمین کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جو اس ''کارگو سروس'' سے فیض یاب نہ ہوتا ہو، بادل آتے ہیں، گرجتے ہیں، پانی برساتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

پانی کی ذخیرہ اندوزی ہمارے بس میں نہیں

جب بادلوں کے ذریعہ ہمارے گھر تک پانی پہنچادیا تو اب اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم نے تو تمہارے گھر تک پانی پہنچا دیا، اب تم خود ذخیرہ کرکے سال بھر کا پانی جمع کرلو اور حوض اور ٹنکیاں بنا کر اس کے اندر محفوظ رکھو، کیا انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ بارش کے موقع پر سال بھر کے لئے پانی کا ذخیرہ کرلیتا؟ کیا انسان کے پاس ایسا اسٹوریج نظام ہے کہ سال بھر کا پانی اس کے اندر جمع کرلے اور پھر پورے سال اس میں سے پانی لے لے کر استعمال کیا کرے۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ اس کمزور اور ضعیف انسان کے بس میں یہ بھی نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بارش کو جتنا تم جمع کرسکتے ہو اور استعمال کرسکتے ہو کرلو، باقی سارے سال کے لئے ذخیرہ کرنے کی ذمہ داری بھی ہم ہی لیتے ہیں۔

یہ برفانی پہاڑ کولڈ اسٹوریج ہیں

چنانچہ ان بادلوں کا پانی پہاڑوں پر برسایا اور ان پہاڑوں کو اس پانی کے لئے ''کولڈ اسٹوریج'' بنادیا اور ان پہاڑوں پر وہ پانی برف کی شکل میں محفوظ کردیا اور اتنی بلندی پر اس پانی کو محفوظ کردیا کہ کوئی خراب کرنے والا اس پانی کو خراب کرنے کے لئے وہاں تک نہ پہنچ سکے اور اتنے ٹمپریچر پر رکھا کہ وہاں سے پگھل بھی نہ سکے۔ یہ بلند پہاڑ ایک طرف انسان کو خوشنما نظارہ مہیا کررہے ہیں اور دوسری طرف انسان کے لئے زندگی بھر کے لئے پانی کے ذخیرہ کو محفوظ کررہے ہیں۔

دریاؤں اور ندیوں کے ذریعہ پانی کی فراہمی

اگر اس مرحلے پر انسان سے یہ کہہ دیا جاتا کہ ہم نے تمہارے لئے پہاڑوں پر پانی کا ذخیرہ جمع کردیا ہے، اب جس کو ضرورت ہو وہاں سے جاکر لے آیا کرے۔ کیا انسان کے لئے یہ ممکن تھا کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں سے اس برف کو پگھلا کر اس پانی کو اپنی ضرورت میں استعمال کرے؟ یہ بھی انسان کے بس میں نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ذمہ داری بھی ہم ہی پوری کرلیتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ تم اپنی کرنیں اس برف پر ڈالو اور اس برف کو پگھلاؤ، اور پھر اس پانی کے لئے دریاؤں اور ندیوں کی شکل میں راستے بھی اللہ پاک نے بنادیئے، چنانچہ وہ برف پانی کی

شکل میں پہاڑوں سے نیچے اُترتا ہے اور دریاؤں اور ندیوں کی شکل میں بہتا ہوا پوری دنیا کے اندر سپلائی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تہہ میں پانی کی سوتیں اور رگیں اس طرح بچھادیں جس طرح پائپ لائنیں بچھائی جاتی ہیں، اب تم دنیا کے جس خطے میں چاہو زمین کھودو اور پانی برآمد کرلو۔

یہ پانی اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے

بس انسان کا صرف اتنا کام ہے کہ جو پانی اللہ تعالیٰ نے سمندر سے اُٹھا کر پہاڑوں پر برسایا اور پھر پہاڑوں سے پگھلا کر زمین کے ایک ایک گوشے میں پہنچایا ہے، اس پانی کو ذرا سی محنت کر کے اپنے گھر تک لے آئے۔ لہٰذا جو پانی تم اپنے حلق سے اُتار رہے ہو، اگر غور کرو تو یہ نظر آئے گا کہ اس تھوڑے سے پانی پر کائنات کی ساری طاقتیں صرف ہوئی ہیں، تب جا کر یہ پانی تمہارے منہ تک پہنچا۔ اس لئے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ پانی پیتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھو، اس کے ذریعہ انسان کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارے حلق تک اس پانی کا پہنچنا تمہارے زورِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے جس کے ذریعہ انسان اس پانی سے سیراب ہو رہا ہے۔

جسم کے ہر ہر عضو کو پانی کی ضرورت ہے

پھر ہم نے گلاس میں پانی بھرا اور اس کو حلق سے نیچے اُتار لیا، اب آگے کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ وہ پانی کہاں جا رہا ہے اور جسم کے کس حصے کو کیا فائدہ پہنچا رہا ہے؟ اس غریب انسان کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں، بس وہ تو اتنا جانتا ہے کہ مجھے پیاس لگی تھی، پانی پیا وہ پیاس بجھ گئی، اس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ پیاس کیوں لگی تھی؟ اور پیاس لگنے کے بعد جب پانی پیا تو اس پانی کا انجام کیا ہوا؟ اس کو کچھ نہیں معلوم۔ ارے تمہیں پیاس اس لئے لگی تھی کہ تمہارے جسم کے ایک ایک عضو کو پانی کی ضرورت تھی، صرف منہ کو اور حلق کو ہی ضرورت نہیں تھی، بلکہ جسم کے تمام اعضاء کو پانی کی ضرورت تھی۔ اگر جسم میں پانی نہ ہو تو انسان کی موت واقع ہو جائے۔ ذرا کسی کو دست لگ جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں جسم کے اندر پانی کی کمی ہو جاتی ہے تو اس وقت کمزوری کی وجہ سے انسان کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ضرورت سے زائد پانی نقصان دہ ہے

لہٰذا ایک طرف تو انسان کے جسم کے ہر ہر عضو کو پانی کی ضرورت ہے، اس لئے انسان کو پیاس لگتی ہے اور وہ پانی پیتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پانی جسم کے اندر ضرورت سے زیادہ نہ ہو جائے، کیونکہ اگر ضرورت سے زیادہ پانی جسم کے اندر جمع ہو جائے تو جسم پر ورم آجاتا ہے اور سوج جاتا ہے، یا یہ پانی اگر جسم کے اندر کسی ایسی جگہ پر رک جائے جہاں رکنا نہیں چاہئے تو اس کے نتیجے میں بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً اگر وہ پانی پھیپھڑوں میں رک جائے تو انسان کو ٹی بی ہو جاتی ہے، پسلیوں میں پانی رک جائے تو دمہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر ضرورت سے زیادہ پانی جمع ہو جائے تو وہ بھی انسان کے لئے خطرہ ہے، اور اگر پانی کم ہو جائے یا ختم ہو جائے تو بھی انسان کے لئے خطرہ ہے، انسان کے جسم کے اندر پانی ایک خاص حد تک رہنا ضروری ہے۔

جسم میں خودکار میٹر نصب ہے

پانی کی وہ حد کیا ہے؟ ایک انسان جو ان پڑھ ہے، جس کو ایک حرف پڑھنا نہیں آتا، وہ کیسے پہچانے کہ کتنا پانی میرے جسم میں ہونا چاہئے اور کتنا نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے جسم میں ایک خودکار میٹر نصب کر دیا ہے۔ جس وقت انسان کے جسم کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو پیاس لگ جاتی ہے۔ پیاس کیوں لگ رہی ہے؟ اس وجہ سے نہیں لگ رہی ہے کہ حلق خشک ہے اور ہونٹ خشک ہیں، بلکہ اس وجہ سے لگ رہی ہے کہ تمہارے جسم کو پانی کی ضرورت ہے، انسان کو اس ضرورت کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیاس کو پیدا کر دیا۔ ایک بچہ جو کچھ نہیں جانتا، لیکن یہ ضرور جانتا ہے کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے، اس کو بجھانا چاہئے۔

جسم کے اندر پانی کیا کام کر رہا ہے؟

پھر جسم کے اندر پہنچنے کے بعد وہ پانی جسم کے اندر کی پائپ لائن کے ذریعہ ان تمام مقامات تک پہنچ رہا ہے جہاں اس کی ضرورت ہے، اور جو پانی ضرورت سے زائد ہے، وہ جسم کی صفائی کرنے کے بعد پیشاب کے ذریعہ باہر آجاتا ہے، تاکہ وہ گندا پانی جسم کے اندر باقی نہ رہے۔

ہم اور آپ ایک لمحہ کے اندر پانی پی لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ پانی کہاں سے آیا تھا اور کس طرح ہمارے منہ تک پہنچا اور نہ یہ سوچا کہ اندر جانے کے بعد اس کا کیا انجام ہونے والا ہے اور کون اس پانی کی نگرانی کر رہا ہے؟ لہٰذا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا کلمہ درحقیقت ہمیں ان سارے

حقائق کی طرف متوجہ کر رہا ہے۔

ہارون رشید کا ایک واقعہ

ہارون رشید ایک مرتبہ اپنے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، پینے کے لئے پانی منگوایا، قریب میں مجذوب صفت بزرگ حضرت بہلول رحمۃ اللہ بیٹھے ہوئے تھے، جب ہارون رشید پانی پینے لگے تو انہوں نے ہارون رشید سے کہا کہ امیر المؤمنین! ذرا ایک منٹ کے لئے رک جائیں، وہ رک گئے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کو اس وقت پیاس لگ رہی ہے اور پانی کا گلاس آپ کے ہاتھ میں ہے، یہ بتائیں کہ اگر آپ کو ایسی ہی پیاس لگ رہی ہو اور آپ کسی صحراء یا جنگل میں ہوں اور وہاں پانی موجود نہ ہو اور پیاس شدت کی لگ رہی ہو، تو آپ ایک گلاس پانی حاصل کرنے کے لئے کتنی دولت خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ اگر شدید پیاس کے عالم میں پانی نہ ملے تو چونکہ پانی نہ ملنے کی صورت میں موت ہے، تو اپنی جان بچانے کے لئے میرے پاس جتنی دولت ہوگی، خرچ کر دوں گا تاکہ جان بچ جائے۔ یہ جواب سننے کے بعد حضرت بہلول مجذوب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اب آپ ''بسم اللہ'' پڑھ کر پانی پی لیجئے۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی سے بھی کم ہے

جب بادشاہ پانی پی چکے تو حضرت بہلول مجذوب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! میں ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا سوال ہے؟ بہلول مجذوب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ سوال یہ ہے کہ یہ پانی جو آپ نے ابھی پیا ہے، اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر ہی رہ جائے اور باہر نہ نکلے اور پیشاب بند ہو جائے، اب مثانے کے اندر پیشاب بھرا ہوا ہے اور باہر نکالنے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو باہر نکالنے کے لئے کتنی دولت خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ اگر پیشاب نہ آئے بلکہ پیشاب آنا بند ہو جائے اور مثانہ پیشاب سے بھر جائے تو یہ صورت بھی ناقابلِ برداشت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اس کے علاج کے لئے جتنی دولت مانگے گا، میں اس کو دے دوں گا، حتیٰ کہ اگر کوئی شخص پوری سلطنت بھی مانگے گا تو میں دے دوں گا۔ بہلول رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! اس کے ذریعہ میں یہ حقیقت بتانا چاہتا تھا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی پینے اور اس کو باہر نکالنے کے برابر بھی نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارا نظام مفت میں دے رکھا ہے، مفت میں پانی مل رہا ہے اور مفت میں خارج ہو رہا ہے، اس کے خارج کرنے کے لئے کوئی قیمت اور کوئی پریشانی اُٹھانی نہیں پڑتی۔

’’بسم اللہ‘‘ کے ذریعہ اعترافِ بندگی

بہر حال! اللہ جل شانہ نے ہر انسان کو یہ نظام مفت میں دے رکھا ہے، کیونکہ اس نے نہ کوئی پیسہ خرچ کیا اور نہ ہی محنت اُٹھائی۔ اس لئے یہ جو حکم دیا جارہا ہے کہ پانی پینے سے پہلے ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ پڑھو، اس کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نظامِ ربوبیت کا کرشمہ ہے اور اس کے ذریعہ یہ اعتراف بھی ہورہا ہے کہ یا اللہ! ہمارے بس میں یہ نہیں تھا کہ ہم یہ پانی پی سکتے، اگر آپ کا بنایا ہوا یہ کارخانۂ ربوبیت نہ ہوتا تو ہم تک یہ پانی کیسے پہنچتا، آپ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہم تک یہ پانی پہنچایا، اور جب یہ پانی آپ نے ہی پہنچایا ہے تو اے اللہ! ہم آپ ہی سے یہ درخواست اور دعا کرتے ہیں کہ جو پانی ہم پی رہے ہیں، یہ پانی جسم کے اندر جانے کے بعد خیر کا سبب بنے اور کوئی فساد نہ پھیلائے، کیونکہ اگر اس پانی میں بیماریاں اور خرابیاں ہوں گی تو یہ پانی جسم میں فساد مچائے گا، اسی طرح اگر جسم کے اندر کے نظام میں خرابی پیدا ہوجائے، مثلاً جگر اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو وہ پانی جسم کے اندر تو جائے گا لیکن اس پانی کو صاف کرنے کا اور گندگی کو باہر پھینکنے کا جو نظام ہے وہ خراب ہوجائے گا، اس لئے ہم پانی پیتے وقت دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس پانی کا انجام بھی بخیر فرمادے۔

انسانی گردے کی قیمت

کراچی میں گردے کے ایک اسپیشلسٹ ہیں، ان سے ایک مرتبہ میرے بھائی صاحب نے پوچھا کہ آپ انسانی گردہ ایک انسان کے جسم سے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کردیتے ہیں، لیکن اب تو سائنس نے بڑی ترقی کرلی ہے تو کوئی مصنوعی گردہ کیوں نہیں بنالیا جاتا، تاکہ دوسرے انسان کے گردے کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے؟ وہ ہنس کر جواب دینے لگے کہ اول تو سائنس کی اس ترقی کے باوجود مصنوعی گردہ بنانا بڑا مشکل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گردے کے اندر جو چھلنی لگائی ہے، وہ اتنی لطیف اور باریک ہے کہ ابھی کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوئی جو اتنی لطیف چھلنی بنا سکے، اگر بالفرض ایسی مشین ایجاد بھی کرلی جائے جو ایسی چھلنی بنا سکے تو اس کی تیاری پر اربوں روپے خرچ ہوں گے، اور اگر اربوں روپے خرچ کرکے ایسی چھلنی بنا بھی لی جائے تب بھی گردے کے اندر ایک چیز ایسی ہے جس کو بنانا ہماری قدرت سے باہر ہے، وہ یہ کہ گردے کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دماغ بنایا ہے جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس آدمی کے جسم میں کتنا پانی رکھنا چاہئے اور کتنا پانی باہر پھینکنا چاہئے۔ ہر انسان کا گردہ اس انسان کے حالات کے مطابق، اس کی جسامت کے مطابق اور اس کے

وزن کے مطابق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ کتنا پانی اس کے جسم میں رہنا چاہئے اور کتنا پانی باہر پھینکنا چاہئے، اور اس کا یہ فیصلہ سو فیصد درست ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ اتنا پانی جسم میں روکتا ہے جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت سے زائد پانی کو پیشاب کی شکل میں باہر پھینک دیتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اربوں روپیہ خرچ کر کے ربر کا مصنوعی گردہ بنا بھی لیں، تب بھی ہم اس میں دماغ نہیں بنا سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے گردے میں پیدا فرمایا ہے۔

جسم کے اندر کارخانۂ ربوبیت

قرآن کریم بار بار اس طرف توجہ دلا رہا ہے:

﴿وَفِىٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾(۱)

تم اپنی جانوں میں غور کیا کرو کہ تمہارے جسم میں ہماری قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کیا کارخانہ کام کر رہا ہے، اس پر کبھی کبھی غور کیا کرو۔ اور اس گردے کا انجام بھی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ کب تک یہ گردہ کام کرے اور کب یہ کام کرنا بند کر دے۔ لہٰذا ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا یہ پیغام ہے کہ ایک طرف یہ یاد کرو کہ یہ پانی تمہارے پاس کیسے پہنچا اور دوسری طرف یہ خیال کرو کہ یہ پانی تمہارے جسم کے اندر جا کر فساد نہ پھیلائے بلکہ یہ پانی صحت اور برکت کا سبب بنے، اور اس بسم اللہ کے پڑھنے میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اعتراف ہے اور دوسری طرف یہ دعا اور درخواست ہے کہ ہم اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور درخواست کر رہے ہیں کہ یا اللہ! ہم یہ پانی پی تو رہے ہیں لیکن یا اللہ! یہ پانی اندر جا کر کہیں فساد کا سبب نہ بن جائے، بلکہ یہ پانی صحت اور صلاح و فلاح کا سبب بنے۔ پانی پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا یہ فلسفہ ہے، لہٰذا پانی پیتے وقت اس فلسفہ کو سامنے رکھو پھر دیکھو کہ پانی پینے میں کیا لطف ہے اور کیا برکت ہے اور اس طرح پانی پینے کو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے عبادت بھی بنا دیں گے اور اس پر اجر و ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

محبت اور خشیت کے حصول کا ذریعہ

اور جب پانی پیتے وقت یہ فلسفہ سامنے رکھو گے تو کیا اس کے نتیجہ میں اس ذات سے محبت پیدا نہیں ہوگی؟ جب تم اس تصور کے ساتھ پانی پیو گے تو یہ چیز تمہارے دل میں اللہ جل شانہ کی محبت میں اضافہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت میں اضافہ کرے گی اور اس محبت کے نتیجے میں تمہارے دل میں خشیت پیدا ہوگی اور پھر یہ خشیت تمہیں گناہوں سے بھی روک دے گی۔

(۱) الذاریات: ۲۱

کافر اور مسلمان کے پانی پینے میں فرق

ایک کافر بھی پانی پیتا ہے، لیکن وہ غفلت کی حالت میں پانی پیتا ہے، اپنے خالق اور مالک کو یاد نہیں کرتا، ایک مومن بھی پانی پیتا ہے، لیکن اس تصور اور دھیان کے ساتھ پیتا ہے، اگرچہ پانی کی نعمت اللہ تعالیٰ نے کافر کو بھی دے رکھی ہے اور مومن کو بھی دے رکھی ہے، لیکن ایک ایسے شخص کے پانی پینے کی کیفیت میں جو ناشکرا ہے اور ایک ایسے شخص کے پانی پینے میں جو شکر گزار ہے، ان دونوں میں کچھ تو فرق ہونا چاہئے، وہ فرق یہ ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ دھیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے پانی پیئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس اور اعتراف کرتے ہوئے پانی پیئے اور برکت کی دعا کرتے ہوئے پانی پیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.



صلوٰۃ الحاجۃ، پریشانیوں کا علاج ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ((مَنْ كَانَتْ لَهٗ اِلَی اللّٰهِ حَاجَةٌ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ آدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ وَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِیُصَلِّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ لِیُثْنِ عَلَی اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی وَلْیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لِیَقُلْ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ، وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ)) (۱)

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی کام پیش آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور اچھی طرح سنت کے مطابق تمام آداب کے ساتھ وضو کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور پھر دعا کے یہ کلمات کہے۔ (کلمات اُوپر حدیث میں موجود ہیں)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نماز کا طریقہ بیان فرمایا ہے جس کو عرف عام میں ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کہا جاتا ہے۔ یعنی ''نمازِ حاجت'' جب بھی کسی شخص کو کوئی ضرورت پیش آئے یا کوئی

☆ اصلاحی خطبات (۱۰/۲۶ تا ۵۷) بعد از نمازِ عصر، جامع مسجد بیت المکرّم، کراچی

(۱) سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الحاجة، رقم: ٤٤١، سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی صلاة الحاجة، رقم: ١٣٧٤

پریشانی لاحق ہو جائے یا کوئی کام کرنا چاہتا ہو لیکن وہ کام ہوتا نظر نہ آرہا ہو یا اس کام کے ہونے میں رکاوٹیں ہوں تو اس صورت میں نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کو یہ تلقین فرمائی کہ وہ ''نمازِ حاجت'' پڑھے، اور نمازِ حاجت پڑھنے کے بعد ''دعائے حاجت'' پڑھے، اور پھر اپنا جو مقصد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں پیش کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ اگر اس کام میں خیر ہوگی تو انشاء اللہ وہ کام ضرور انجام پا جائے گا۔ لہٰذا حضورِ اقدس ﷺ کی سنت یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نمازِ حاجت پڑھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک مسلمان اور کافر میں فرق

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ ظاہری اسباب اور دنیاوی اسباب تو اختیار کرتا ہے اور شرعاً ان اسباب کو اختیار کرنے کی اجازت بھی ہے، لیکن ایک مسلمان اور ایک کافر کے درمیان یہی فرق ہے کہ جب ایک کافر دنیا کے ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے تو وہ انہی اسباب پر بھروسہ کرتا ہے کہ جو اسباب میں اختیار کر رہا ہوں، انہی اسباب کے ذریعہ میرا کام بن جائے گا۔

ملازمت کے لئے کوشش

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص بے روزگار ہے اور اس بات کے لئے کوشش کر رہا ہے کہ مجھے اچھی ملازمت مل جائے، اب ملازمت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ جگہیں تلاش کرے، اور جہاں کہیں ملازمت ملنے کا امکان ہو وہاں درخواست دے، اور اگر کوئی جاننے والا ہے تو اس سے اپنے حق میں سفارش کروائے وغیرہ۔ یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ اب ایک کافر سارا بھروسہ انہی ظاہری اسباب پر کرتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ درخواست ٹھیک طریقے سے لکھ دوں، سفارش اچھی کرادوں اور تمام ظاہری اسباب اختیار کرلوں اور بس۔ اس کی پوری نگاہ اور پورا بھروسہ انہی اسباب پر ہے۔ یہ کام کافر کا ہے۔

اور مسلمان کا کام یہ ہے کہ اسباب تو وہ بھی اختیار کرتا ہے، درخواست وہ بھی دیتا ہے، اور اگر سفارش کی ضرورت ہے تو جائز طریقے سے وہ سفارش بھی کراتا ہے، لیکن اس کی نگاہ ان اسباب پر نہیں ہوتی، وہ جانتا ہے کہ نہ یہ درخواست کچھ کرسکتی ہے اور نہ یہ سفارش کچھ کرسکتی ہے، کسی مخلوق کی قدرت اور اختیار میں کوئی چیز نہیں، ان اسباب کے اندر تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ جل جلالہ کی ذات ہے، وہ مسلمان تمام اسباب اختیار کرنے کے بعد اسی ذات سے مانگتا ہے کہ یا اللہ! ان اسباب کو اختیار کرنا آپ کا حکم تھا، میں نے یہ اسباب اختیار کرلیے، لیکن ان اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں،

میں آپ ہی سے مانگتا ہوں کہ آپ میری یہ مراد پوری فرما دیجئے۔

بیمار آدمی کی تدابیر

مثلاً ایک شخص بیمار ہو گیا، اب ظاہری اسباب یہ ہیں کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جائے اور جو دوا وہ تجویز کرے وہ دوا استعمال کرے، جو تدبیر وہ بتائے وہ تدبیر اختیار کرے، یہ سب ظاہری اسباب ہیں۔ لیکن ایک کافر شخص جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہے، وہ سارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر کرے گا، ڈاکٹر پر کرے گا، البتہ ایک مؤمن بندے کو حضور اقدس ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ تم دوا اور تدبیر ضرور کرو، لیکن تمہارا بھروسہ ان دواؤں اور تدبیروں پر نہ ہونا چاہئے بلکہ تمہارا بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کی ذات شفا دینے والی ہے۔ اگر وہ ذات ان دواؤں اور تدبیروں میں تاثیر نہ ڈالیں تو پھر ان دواؤں اور تدبیروں میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ ایک ہی دوا، ایک ہی بیماری میں ایک انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن وہی دوا اسی بیماری میں دوسرے انسان کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت دوا میں تاثیر پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو مٹی کی ایک چٹکی میں تاثیر عطا فرما دیں، اگر وہ تاثیر عطا نہ فرمائیں تو بڑی سے بڑی دوا اور مہنگی سے مہنگی دوا میں تاثیر عطا نہ فرمائیں۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اسباب ضرور اختیار کرو لیکن تمہارا بھروسہ ان اسباب پر نہ ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ اللہ جل شانہ کی ذات پر ہونا چاہئے، اور ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد یہ دعا کرو کہ یا اللہ! جو کچھ میرے بس میں تھا اور جو ظاہری تدابیر اختیار کرنا میرے اختیار میں تھا وہ میں نے کر لیا، لیکن یا اللہ! ان تدابیر میں تاثیر پیدا کرنے والے آپ ہیں، ان تدابیر کو کامیاب بنانے والے آپ ہیں، آپ ہی ان میں تاثیر عطا فرمائیے اور آپ ہی ان کو کامیاب بنائیے۔

تدبیر کے ساتھ دعا

حضور اقدس ﷺ سے دعا کا ایک عجیب اور خوبصورت جملہ منقول ہے کہ جب بھی آپ کسی کام کی کوئی تدبیر فرماتے، چاہے دعا کی ہی تدبیر فرماتے تو اس تدبیر کے بعد یہ جملہ ارشاد فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْجُهْدُ وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ)) (۱)

''یا اللہ! میری طاقت میں جو کچھ تھا وہ میں نے اختیار کر لیا، لیکن بھروسہ آپ کی ذات پر ہے، آپ ہی اپنی رحمت سے اس مقصد کو پورا فرما دیجئے''

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب منه، رقم: ۳۳٤۱

زاویۂ نگاہ بدل دو

یہ وہ بات ہے جو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرمایا کرتے تھے کہ دین درحقیقت زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے، بس ذرا سا زاویۂ نگاہ بدل لو تو دین ہو گیا، اور اگر زاویۂ نگاہ نہ بدلو تو وہی دنیا ہے، مثلاً ہر مذہب یہ کہتا ہے کہ جب بیماری آئے تو علاج کرو، اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ بیمار ہونے پر علاج کرو، لیکن بس زاویۂ نگاہ کی تبدیلی کا فرق ہے، وہ یہ کہ علاج ضرور کرو لیکن بھروسہ اس علاج پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ جل جلالہ کی ذات پر کرو۔

''ھوالشافی'' نسخہ پر لکھنا

اسی وجہ سے اس زمانہ میں مسلمان اطباء کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی مریض کا نسخہ لکھتے تو سب سے پہلے نسخہ کے اُوپر ''ھوالشافی'' لکھا کرتے تھے یعنی شفاء دینے والا اللہ ہے۔ یہ ''ھوالشافی'' لکھنا ایک اسلامی طریقۂ کار تھا۔ اس زمانے میں انسان کے ہر ہر نقل و حرکت اور ہر ہر قول و فعل میں اسلامی ذہنیت، اسلامی عقیدہ اور اسلامی تعلیمات منعکس ہوتی تھیں۔ ایک طبیب ہے جو علاج کر رہا ہے لیکن نسخہ لکھنے سے پہلے اس نے ''ھوالشافی'' لکھ دیا، یہ لکھ کر اس نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اس بیماری کا نسخہ تو لکھ رہا ہوں لیکن یہ نسخہ اس وقت تک کارآمد نہیں ہوگا جب تک وہ شفا دینے والا شفا نہیں دے گا۔ ایک مؤمن ڈاکٹر اور طبیب پہلے ہی قدم پر اس کا اعتراف کر لیتا تھا، اور جب ''ھوالشافی'' کا اعتراف کر کے نسخہ لکھتا تو اس کا نسخہ لکھنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کا ایک حصہ بن جاتا تھا۔

مغربی تہذیب کی لعنت کا اثر

لیکن جب سے ہمارے اُوپر مغربی تہذیب کی لعنت مسلط ہوئی ہے، اس وقت سے اس نے ہمارے اسلامی شعائر کا ملیامیٹ کر ڈالا۔ اب آج کل کے ڈاکٹر کو نسخہ لکھتے وقت نہ ''بسم اللہ'' لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ''ھوالشافی'' لکھنے کی ضرورت ہے، بس اس نے تو مریض کا معائنہ کیا اور نسخہ لکھنا شروع کر دیا، اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ سائنس ہمارے پاس ایسے کافروں کے واسطے سے پہنچی ہے جن کے دماغ میں اللہ تعالیٰ کے شافی ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں۔ ان کا سارا بھروسہ اور اعتماد انہی اسباب اور انہی تدابیر پر ہے، اس لئے وہ صرف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

اسلامی شعائر کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے سائنس کو حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی، سائنس کسی قوم کی میراث نہیں ہوا کرتی، علم کسی قوم اور مذہب کی میراث نہیں ہوتی، مسلمان بھی سائنس ضرور حاصل کرے، لیکن اپنے اسلامی شعائر کو تو محفوظ رکھے اور اپنے دین و ایمان کی تو حفاظت کرے، اپنے عقیدہ کی کوئی جھلک تو اس کے اندر داخل کرے۔ یہ تو نہیں ہے کہ جو شخص ڈاکٹر بن گیا اس کے لئے ''ھوالشافی'' لکھنا حرام ہو گیا، اب اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ''شافی'' ہونے کے عقیدے کا اعلان کرنا ناجائز ہو گیا، اور وہ ڈاکٹر یہ سوچنے لگے کہ اگر میں نے نسخہ کے اُوپر ''ھوالشافی'' لکھ دیا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ ''بیک ورڈ'' آدمی ہے، بہت پسماندہ ہے، اور یہ لکھنا تو ڈاکٹری کے اصول کے خلاف ہے۔ ارے بھائی! اگر تم ڈاکٹر ہو تو ایک مسلمان ڈاکٹر ہو، اللہ جل جلالہ پر ایمان رکھنے والے ہو، لہٰذا تم اس بات کا پہلے ہی اعلان کر دو کہ جو کچھ تدبیر ہم کر رہے ہیں یہ ساری تدبیر اللہ جل جلالہ کی تاثیر کے بغیر بیکار ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

''اتفاق'' کی حقیقت

بڑے بڑے ڈاکٹر، اطباء اور معالجین روزانہ اللہ جل جلالہ کی تاثیر اور فیصلوں کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہم تدبیر کچھ کر رہے تھے مگر اچانک کیا سے کیا ہو گیا، اور اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ ہماری ظاہری سائنس سب بیکار ہو گئی۔ لیکن اس اچانک اور ان کی ظاہری سائنس کے خلاف پیش آنے والے واقعہ کو ''اتفاق'' کا نام دے دیتے ہیں کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا۔

کوئی کام ''اتفاقی'' نہیں

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کی دنیا جس کو ''اتفاق'' کا نام دیتی ہے کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا، یہ سب غلط ہے۔ اس لئے کہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاقاً نہیں ہوتا بلکہ اس کائنات کا ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت، مشیت اور نظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ جب کسی کام کی علت اور سبب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کام کن اسباب کی وجہ سے ہوا تو بس ہم کہہ دیتے ہیں کہ اتفاقاً یہ کام اس طرح ہو گیا۔ ارے جو اس کائنات کا مالک اور خالق ہے وہی اس پورے نظام کو چلا رہا ہے اور ہر کام پورے مستحکم نظام کے تحت ہو رہا ہے، کوئی ذرّہ اس کی مشیت کے بغیر ہل نہیں سکتا، اس لئے سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس دوا میں بذاتِ خود کوئی تاثیر نہیں تھی،

جب اللہ تعالیٰ نے اس دوا میں تاثیر پیدا فرمائی تھی تو فائدہ ہوگیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے تاثیر پیدا نہیں فرمائی، تو اس دوا سے فائدہ نہیں ہوا۔ بس یہ سیدھی سی بات ہے ''اتفاق'' کا کیا مطلب؟

مسبّب الاسباب پر نظر ہو

بس انسان یہی زاویہ نگاہ بدل لے کہ تدبیروں اور اسباب پر بھروسہ نہ ہو، بلکہ مسبّب الاسباب پر بھروسہ ہو کہ وہ سب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف تدبیر اختیار کرنے کی اجازت دی بلکہ تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا کہ تدبیر اختیار کرو اور ان اسباب کو اختیار کرو، اس لئے کہ ہم نے ہی یہ اسباب تمہارے لئے پیدا کیے ہیں۔ لیکن تمہارا امتحان یہ ہے کہ آیا تمہاری نگاہ ان اسباب کی حد تک محدود رہ جاتی ہے یا ان اسباب کے پیدا کرنے والے پر بھی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ اس طرح پیوست فرمادیا تھا کہ ان کی نگاہ ہمیشہ مسبّب الاسباب پر رہتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسباب کو صرف اس وجہ سے اختیار کرتے تھے کہ ہمیں اسباب اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل یقین اور بھروسہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے عجیب وغریب کرشمے بندے کو دکھاتے ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا زہر پینا

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شام کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ قلعہ کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صلح ہو جائے۔ لہٰذا ان لوگوں نے قلعے کے سردار کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس صلح کی بات چیت کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ان کا سردار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی شیشی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ یہ شیشی میں کیا ہے اور کیوں لے کر آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اس شیشی میں زہر بھرا ہوا ہے اور یہ سوچ کر آیا ہوں کہ اگر آپ سے صلح کی بات چیت کامیاب ہوگئی تو ٹھیک، اور اگر بات چیت ناکام ہوگئی اور صلح نہ ہو سکی تو ناکامی کا منہ لے کر اپنی قوم کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بلکہ یہ زہر پی کر خودکشی کرلوں گا۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل کام تو لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہوتا تھا، اس لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس کو اس وقت دین کی دعوت دینے کا اچھا موقع ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس سردار سے پوچھا: کیا تمہیں اس زہر پر اتنا بھروسہ ہے کہ جیسے ہی تم یہ زہر پیو گے تو فوراً موت واقع ہو جائے گی؟ اس سردار نے جواب دیا کہ ہاں مجھے اس پر بھروسہ ہے، اس لئے کہ یہ ایسا سخت زہر ہے

کہ اس کے بارے میں معالجین کا کہنا یہ ہے کہ آج تک کوئی شخص اس زہر کا ذائقہ نہیں بتا سکا، کیونکہ جیسے ہی کوئی شخص یہ زہر کھاتا ہے تو فوراً اس کی موت واقع ہو جاتی ہے، اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وہ اس کا ذائقہ بتا سکے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ اگر میں اس کو پی لوں گا تو فوراً مر جاؤں گا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سردار سے کہا کہ یہ زہر کی شیشی جس پر تمہیں اتنا یقین ہے، یہ ذرا مجھے دو۔ اس نے وہ شیشی آپ کو دے دی۔ آپ نے وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لی اور پھر فرمایا کہ اس کائنات کی کسی چیز میں کوئی تاثیر نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ اس کے اندر اثر نہ پیدا فرما دیں، میں اللہ کا نام لیتا ہوں اور یہ دعا پڑھتا ہوں:

((بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ))

”اس اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، نہ آسمان میں اور نہ زمین میں، وہی سننے اور جاننے والا ہے“

میں اس زہر کو پیتا ہوں، آپ دیکھنا کہ مجھے موت آتی ہے یا نہیں۔ اس سردار نے کہا کہ جناب! یہ آپ اپنے اُوپر ظلم کر رہے ہیں، یہ زہر تو اتنا سخت ہے کہ اگر انسان تھوڑا سا بھی منہ میں ڈال لے تو ختم ہو جاتا ہے اور آپ نے پوری شیشی پینے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انشاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ چنانچہ دعا پڑھ کر وہ زہر کی پوری شیشی پی گئے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا۔ اس سردار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پوری شیشی پی گئے لیکن ان پر موت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے، وہ سردار یہ کرشمہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ (۱)

ہر کام میں مشیتِ خداوندی

بہر حال، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں یہ عقیدہ جما ہوا تھا کہ جو کچھ اس کائنات میں ہو رہا ہے وہ اللہ جل شانہ کی مشیت سے ہو رہا ہے، ان کی مشیت کے بغیر کوئی ذرّہ حرکت نہیں کر سکتا۔ یہ عقیدہ ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہو چکا تھا کہ اس کے بعد یہ تمام اسباب بے حقیقت نظر آ رہے تھے۔ اور جب آدمی اس ایمان و یقین کے ساتھ کام کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قدرت کے کرشمے بھی دکھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ تم اسباب پر جتنا بھروسہ کرو گے، اتنا ہی ہم تمہیں اسباب کے ساتھ باندھ دیں گے، اور جتنا تم اس کی ذات پر بھروسہ کرو گے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ تم

---

(۱) دلائل النبوة، ص: ۱۵۹، الإصابة (۴۱۴/۱)، تاریخ الطبری (۵۶۷/۲)، حیاة الصحابة (۷۳۰/۳)

کو اسباب سے بے نیاز کر کے تمہیں اپنی قدرت کے کرشمے دکھائیں گے۔ چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں قدم قدم پر یہ چیز نظر آتی ہے۔

حضورِ اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضورِ اقدس ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راستے میں ایک منزل پر قیام فرمایا اور وہاں ایک درخت کے نیچے آپ تن تنہا سو گئے، آپ کے قریب کوئی محافظ اور کوئی نگہبان نہیں تھا، کسی کافر نے آپ کو تنہا دیکھا تو تلوار سونت کر آ گیا اور بالکل آپ کے سر پر آ کر کھڑا ہو گیا، جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے دیکھا کہ اس کافر کے ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ نہتے ہیں اور وہ کافر یہ کہہ رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ) اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ اس شخص کو یہ خیال تھا کہ جب حضورِ اقدس ﷺ یہ دیکھیں گے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور میں نہتا ہوں اور اچانک یہ شخص میرے سر پر آ کھڑا ہوا ہے تو آپ گھبرا جائیں گے اور پریشان ہو جائیں گے، لیکن آپ کے چہرہ مبارک پر دور دور تک پریشانی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔ آپ نے اطمینان سے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ بچائیں گے۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ آپ کے اوپر پریشانی اور گھبراہٹ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر ایسا رعب مسلط فرما دیا کہ اس کے ہاتھوں میں لرزہ آ گیا اور اس لرزہ کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اب سرکارِ دو عالم ﷺ نے وہ تلوار ہاتھ میں اٹھالی اور فرمایا کہ اب بتاؤ تمہیں کون بچائے گا؟(۱)

اس واقعہ کے ذریعہ اس شخص کو یہ دعوت دینی تھی کہ درحقیقت تم اس تلوار پر بھروسہ کر رہے تھے اور میں اس تلوار کے پیدا کرنے والے پر بھروسہ کر رہا تھا اور اس تلوار میں تاثیر دینے والے پر بھروسہ کر رہا تھا۔ یہی اُسوہ حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمایا، اور اس کے نتیجے میں ایک ایک صحابی کا یہ حال تھا کہ وہ اسباب بھی اختیار کرتے تھے مگر ساتھ میں بھروسہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کرتے تھے۔

پہلے اسباب پھر توکل

ایک صحابی حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جنگل میں

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب من علق سیفه بالشجر فی السفر عند القائلة، رقم: ٢٦٩٤، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب صلاة الخوف، رقم: ١٣٩٠، مسند أحمد، رقم: ١٣٨١٦

اُونٹنی لے کر جاتا ہوں اور وہاں نماز کا وقت آجاتا ہے، تو جب نماز کا وقت آجائے اور اس وقت جنگل میں نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کروں تو اس وقت اپنی اُونٹنی کا پاؤں کسی درخت کے ساتھ باندھ کر نماز پڑھوں یا اس اُونٹنی کو نماز کے وقت کھلا چھوڑ دوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کروں؟ جواب میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِعۡقِلۡ سَاقَهَا وَتَوَكَّلۡ))(۱)

''اس اُونٹنی کی پنڈلی رسّی سے باندھ دو، لیکن باندھنے کے بعد پھر بھروسہ اسی رسّی پر مت کرو بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو''

اس لئے کہ وہ رسّی ٹوٹ بھی سکتی ہے، وہ رسّی دھوکہ بھی دے سکتی ہے۔

اسی حدیث کے مضمون کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک مصرعہ کے اندر بیان فرماتے ہیں کہ ؏

بہ توکل پایۂ اشتر بہ بند

یعنی توکل پر اُونٹنی کا پاؤں باندھو۔ لہٰذا توکل اور اسباب کا اختیار کرنا یہ دونوں چیزیں ایک مؤمن کے ساتھ اس کی زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، پہلے اسباب اختیار کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے کہہ دے:

((اَللّٰهُمَّ هٰذَا الۡجُهۡدُ وَعَلَيۡكَ التُّكۡلَانُ))

''یا اللہ جو تدبیر اور جو کوشش میرے اختیار میں تھی وہ میں نے اختیار کر لی، اب آگے بھروسہ آپ کی ذات پر ہے''(۲)

اسباب کی یقینی موجودگی کی صورت میں توکل

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لطیف بات یاد آگئی، وہ فرماتے ہیں کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ توکل صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب ظاہری اسباب کے ذریعہ کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے دونوں کا احتمال موجود ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ کام ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کام نہ ہو، اس وقت تو توکل کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہئے، لیکن جہاں پر کسی کام کے ہوجانے کی یقینی صورت موجود ہو، وہاں پر اللہ تعالیٰ سے مانگنے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں، وہ نہ توکل کا موقع ہے اور نہ ہی دعا کا موقع ہے۔

مثلاً ہم دسترخوان پر کھانا کھانے کے لئے بیٹھے ہیں، کھانا سامنے چنا ہوا ہے، بھوک لگی ہوئی

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله، باب منه، رقم: ۲۴۴۱

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب منه، رقم: ۳۳۴۱

ہے، یہ بات بالکل یقینی ہے کہ ہم یہ اُٹھا کر کھالیں گے، اب ایسے موقع پر کوئی شخص بھی نہ توکل کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! یہ کھانا مجھے کھلا دیجئے۔ اور نہ ہی کوئی شخص توکل اور دعا کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

توکل کا اصل موقع یہی ہے

لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل کا اصل موقع تو یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا اصل موقع یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے اس ظاہری سبب پر بھروسہ نہیں ہے جو میرے سامنے رکھا ہے، بلکہ مجھے آپ کے رزق دینے پر، آپ کی تخلیق پر، آپ کی قدرت اور رحمت پر بھروسہ ہے۔ اس لئے جب کھانا سامنے دسترخوان پر آجائے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا عافیت کے ساتھ کھلا دیجئے۔ کیونکہ اگرچہ غالب گمان یہ ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہے، صرف ہاتھ بڑھا کر کھانے کی دیر ہے، لیکن یہ مت بھولو کہ یہ کھانا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوگا۔ کتنے واقعات ایسے پیش آچکے ہیں کہ کھانا دسترخوان پر رکھا تھا، صرف ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی لیکن کوئی ایسا عارض پیش آگیا یا کوئی ایسی پریشانی کھڑی ہوگئی یا کوئی ایسا حادثہ پیش آگیا کہ آدمی وہ کھانا نہیں کھا سکا، وہ کھانا رکھا کا رکھا رہ گیا۔ لہٰذا اگر کھانا سامنے موجود ہو تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! یہ کھانا مجھے کھلا دیجئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس جگہ پر تمہیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ کام ہو جائے گا، اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! مجھے تو بظاہر نظر آرہا ہے کہ یہ کام ہو جائے گا، لیکن مجھے پتہ نہیں کہ حقیقت میں یہ کام ہو جائے گا یا نہیں، کیونکہ حقیقت میں تو آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اے اللہ! اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام تک پہنچا دیجئے۔

دونوں صورتوں میں اللہ سے مانگے

جو حدیث میں نے شروع میں بیان کی تھی، اس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لفظ ارشاد فرمائے، وہ یہ کہ تمہیں یا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی ضرورت پیش آئے یا کسی آدمی سے کوئی ضرورت پیش آئے۔ یہ دو لفظ اس لئے ارشاد فرمائے کہ بعض کام ایسے ہوتے ہیں جس میں کسی آدمی کی مدد یا اس کی مداخلت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔ مثلاً کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہے، اب ظاہری اسباب میں بھی کسی انسان سے اولاد نہیں مانگی جاسکتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی جاسکتی ہے۔ بہرحال، وہ خواہش اور ضرورت خواہ ایسی ہو جو براہِ راست اللہ تعالیٰ دینے والے

ہیں یا ایسی ضرورت ہو جو آدمی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں، جیسے ملازمت اور روزی وغیرہ، دونوں صورتوں میں حقیقت میں تمہارا مانگنا اللہ تعالیٰ سے ہونا چاہئے۔

اطمینان سے وضو کریں

بہرحال، اب اگر تمہارے پاس وقت میں گنجائش ہے اور وہ کام بہت جلدی اور ایمر جنسی کا کام نہیں ہے تو اس کام کے لئے پہلے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھو۔ اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا طریقہ اس حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے وضو کرو اور اچھی طرح وضو کرو۔ یعنی وہ وضو محض فرض ٹالنے کے انداز میں نہ کرو بلکہ یہ سمجھ کر کرو کہ یہ وضو درحقیقت ایک عظیم الشان عبادت کی تمہید ہے، اس وضو کے کچھ آداب اور کچھ سنتیں ہیں جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی ہیں، ان سب کا اہتمام کر کے وضو کرو۔ ہم لوگ دن رات بے خیالی میں جلدی جلدی وضو کر کے فارغ ہو جاتے ہیں، بیشک اس طرح وضو کرنے سے وضو ہو تو جاتا ہے لیکن اس وضو کے انوار و برکات حاصل نہیں ہوتیں۔

وضو سے گناہ دُھل جاتے ہیں

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت بندہ وضو کرتا ہے اور وضو کے دوران اپنا چہرہ دھوتا ہے تو چہرے سے جتنے گناہ کیے ہیں وہ سب چہرہ کے پانی کے ساتھ دُھل جاتے ہیں، اور جب دایاں ہاتھ دھوتا ہے تو دائیں ہاتھ کے جتنے گناہ ہوتے ہیں وہ سب دُھل جاتے ہیں، اور جب بایاں ہاتھ دھوتا ہے تو بائیں ہاتھ کے تمام گناہ دُھل جاتے ہیں۔ اس طرح جو جو عضو وہ دھوتا ہے اس عضو کے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ (۱)

میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب وضو کیا کرو تو ذرا یہ تصور کیا کرو کہ میں اپنا چہرہ دھو رہا ہوں تو حضورِ اقدس ﷺ کی بشارت کے مطابق میرے چہرے کے گناہ دُھل رہے ہیں، اب ہاتھ دھو رہا ہوں تو ہاتھ کے گناہ دُھل رہے ہیں، اسی تصور کے ساتھ مسح کرو اور اسی تصور کے ساتھ پاؤں دھوؤ۔ وہ وضو جو اس تصور کے ساتھ کیا جائے اور وہ وضو جو اس تصور کے بغیر کیا جائے، دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا اور اس وضو کا لطف محسوس ہوگا۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب خروج الخطايا مع ماء الوضوء، رقم: ۳۶۰، سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، رقم: ۲، مسند أحمد، رقم: ۷۶۷۷، مؤطا مالك، كتاب الطهارة، رقم: ۵۶

وضو کے دوران کی دعائیں

بہر حال، ذرا دھیان کے ساتھ وضو کرو اور وضو کے جو آداب اور سنتیں ہیں، ان کو ٹھیک ٹھیک بجالاؤ۔ مثلاً قبلہ رُو ہو کر بیٹھو، اور ہر ہر عضو کو تین تین مرتبہ اطمینان سے دھوؤ، اور وضو کی جو مسنون دعائیں ہیں وہ وضو کے دوران پڑھو۔ مثلاً یہ دعا پڑھو:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ))(۱)

اور کلمہ شہادت پڑھے:

((أَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ)) (۲)

اور وضو کے بعد یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ))(۳)

بس اچھی طرح وضو کرنے کا یہی مطلب ہے۔

''صلوٰۃ الحاجۃ'' کے لئے خاص طریقہ مقرر نہیں

پھر دو رکعت ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کی نیت سے پڑھو، اور اس صلوٰۃ الحاجۃ کے طریقے میں کوئی فرق نہیں ہے، جس طرح عام نماز پڑھی جاتی ہے اسی طرح سے یہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''صلوٰۃ الحاجۃ'' پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے، لوگوں نے اپنی طرف سے اس کے خاص خاص طریقے گھڑ رکھے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے لئے خاص خاص سورتیں بھی متعین کر رکھی ہیں کہ پہلی رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں فلاں سورۃ پڑھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حضور اقدس ﷺ نے ''صلوٰۃ الحاجۃ'' کا جو طریقہ بیان فرمایا ہے اس میں نماز پڑھنے کا کوئی الگ طریقہ بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی سورۃ کی تعیین فرمائی۔

البتہ بعض بزرگوں کے تجربات ہیں کہ اگر ''صلوٰۃ الحاجۃ'' میں فلاں فلاں سورتیں پڑھ لی

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، رقم: ۳۴۲۲، مسند أحمد، أول مسند المدنیین أجمعین، رقم: ۱۶۰۰۴

(۲) سنن الترمذی، کتاب الطھارۃ عن رسول اللّٰہ، باب فیما یقال بعد الوضوء، رقم: ۵۰، سنن النسائی، کتاب الطھارۃ، رقم: ۱۴۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب ما یقال بعد الوضوء، رقم: ۴۶۳

(۳) سنن الترمذی، کتاب الطھارۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، باب فیما یقال بعد الوضوء، رقم: ۵۰، والنسائی، کتاب الطھارۃ، رقم: ۱۴۸، وابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، رقم: ۴۶۳

جائیں تو بعض اوقات اس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے، تو اس کو سنت سمجھ کر انسان اختیار نہ کرے، اس لئے کہ اگر سنت سمجھ کر اختیار کرے گا تو وہ بدعت ہو جائے گا۔ چنانچہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنی ہو تو پہلی رکعت میں سورۃ الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورۃ ''اذا جاء نصر اللہ'' پڑھ لیا کرو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سورتوں کے پڑھنے سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر ان سورتوں کو پڑھے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر ان کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھ لے تو اس میں سنت کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ بہر حال، صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بلکہ جس طرح عام نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اسی طرح صلوٰۃ الحاجۃ کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ بس نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ نیت کر لے کہ میں یہ دو رکعت صلوٰۃِ الحاجۃ کے طور پر پڑھتا ہوں۔

نماز کے لئے نیت کس طرح کی جائے؟

یہاں پر یہ بھی عرض کر دوں کہ آج کل لوگوں میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ ہر نماز کی نیت کے الفاظ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور جب تک وہ الفاظ نہ کہے جائیں اس وقت تک نماز نہیں ہوتی، اسی وجہ سے لوگ بار بار یہ پوچھتے بھی رہتے ہیں کہ فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوتی ہے؟ اور فلاں نماز کی نیت کس طرح ہوگی؟ اور لوگوں نے نیت کے الفاظ کو باقاعدہ نماز کا حصہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ ''نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز کی، پیچھے اس امام کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف وغیرہ وغیرہ''، خوب سمجھ لیں کہ نیت ان الفاظ کا نام نہیں ہے بلکہ نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے، جب آپ نے گھر سے نکلتے وقت دل میں یہ نیت کر لی کہ میں ظہر کی نماز پڑھنے جا رہا ہوں، بس نیت ہو گئی۔ میں نمازِ جنازہ پڑھنے جا رہا ہوں، بس نیت ہو گئی۔ میں نمازِ عید پڑھنے جا رہا ہوں، بس نیت ہو گئی۔ میں نمازِ حاجت پڑھنے جا رہا ہوں، بس نیت ہو گئی۔ اب یہ الفاظ زبان سے کہنا نہ تو واجب ہیں نہ ضروری ہیں، نہ سنت ہیں، نہ مستحب ہیں، زیادہ سے زیادہ جائز ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا صلوٰۃ الحاجۃ پڑھنے کا نہ کوئی مخصوص طریقہ ہے اور نہ ہی نیت کے لئے الفاظ مخصوص ہیں، بلکہ عام نمازوں کی طرح دو رکعتیں پڑھ لو۔

دعا سے پہلے اللہ کی حمد و ثناء

پھر جب دو رکعتیں پڑھ لیں تو اب دعا کرو۔ اور یہ دعا کس طرح کرو، اس کے آداب بھی خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیئے۔ یہ نہیں کہ بس سلام پھیرتے ہی دعا شروع کر دو، بلکہ سب سے پہلے تو

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرو اور یہ کہو: یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں، آپ کا شکر اور احسان ہے۔

حمد وثناء کی کیا ضرورت ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کیوں کی جائے؟ اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی ایک وجہ تو علماء کرام رحمہم اللہ نے یہ بتائی ہے کہ جب آدمی کسی دنیاوی حاکم کے پاس اپنی غرض لے کر جاتا ہے تو پہلے اس کی تعظیم اور تکریم کے لئے کچھ الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے تاکہ یہ خوش ہوکر میری مراد پوری کردے۔ لہٰذا جب دنیا کے ایک معمولی سے حاکم کے سامنے پیش ہوتے وقت اس کے لئے تعریفی کلمات استعمال کرتے ہو تو جب تم احکم الحاکمین کے دربار میں جا رہے ہو تو اس کے لئے بھی تعریف کے الفاظ زبان سے کہو کہ یا اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لئے ہیں اور آپ کا شکر واحسان ہے، آپ میری یہ ضرورت پوری فرما دیجئے۔

دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کی دوسری وجہ بھی ہے اور مجھے ذوقی طور پر اس دوسری وجہ کی طرف زیادہ رجحان ہوتا ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت پیش کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو چونکہ انسان اپنی ضرورت کا غلام ہے اور غرض کا بندہ ہے، اور جب اس کو کسی چیز کی ضرورت اور غرض پیش آتی ہے تو وہ ضرورت اس کے دل ودماغ پر مسلط ہو جاتی ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میری فلاں ضرورت پوری فرما دیجئے۔ اس دعا کے وقت اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اس دعا میں ناشکری کا پہلو شامل نہ ہو جائے کہ یا اللہ! آپ میری ضرورت پوری نہیں فرما رہے ہیں، میری حاجتیں آپ پوری نہیں فرما رہے ہیں۔ حالانکہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں، دعا کے وقت ان نعمتوں کی طرف انسان کا دھیان نہیں جاتا اور بس اپنی ضرورت اور غرض کو لے کر بیٹھ جاتا ہے۔

بہرحال، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی حاجت اور ضرورت لے کر جاؤ تو اس حاجت اور ضرورت کو اللہ تعالیٰ سے ضرور مانگو، لیکن پہلے اس بات کا استحضار کرلو کہ اس حاجت اور ضرورت کے ابھی تک پورا نہ ہونے کے باوجود تمہارے اُوپر اللہ تعالیٰ کی کتنی بے شمار نعمتیں بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ پہلے ان کا تو شکر ادا کرلو کہ یا اللہ! یہ نعمتیں جو آپ نے اپنی رحمت سے مجھے دے رکھی ہیں، اس پر آپ کا شکر ہے اور آپ کی حمد ہے، آپ کی ثناء ہے، البتہ ایک حاجت اور ضرورت اور ہے، یا اللہ! اس کو بھی اپنے فضل سے پورا فرما دیجئے ___ تاکہ انسان کی دعا میں ناشکری کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔

غم اور تکالیف بھی نعمت ہیں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں یہ مضمون بیان فرمار ہے تھے کہ انسان کو زندگی میں جو غم، صدمے اور تکلیفیں پیش آتی ہیں، اگر انسان غور کرے تو یہ تکلیفیں بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، فقر و فاقہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اگر انسان کو حقیقت شناس نگاہ مل جائے تو وہ یہ دیکھے کہ یہ سب چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ چیزیں کس طرح سے نعمت ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ تکالیف اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائیں گے، تو جن لوگوں پر دنیا میں زیادہ تکالیف اور مصیبتیں نہیں گزری ہوں گی، وہ تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں اور پھر ہم اس پر صبر کرتے۔ (۱)

اور اس صبر پر وہ اجر ملتا جو آج ان صبر کرنے والوں کو مل رہا ہے۔ بہرحال، حقیقت میں یہ تکالیف بھی نعمت ہیں، مگر چونکہ ہم کمزور ہیں اس وجہ سے ہمیں ان کے نعمت ہونے کا استحضار نہیں ہوتا۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب دعا

جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ مضمون بیان فرمار ہے تھے کہ اسی دوران مجلس میں ایک شخص آ گیا جو معذور تھا اور مختلف بیماریوں میں مبتلا تھا۔ وہ آکر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ حضرت! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے نجات دے دیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جو حاضرینِ مجلس تھے، حیران ہو گئے کہ ابھی تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمار ہے تھے کہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہوتی ہیں اور اب یہ شخص تکلیف کے ازالے کی دعا کرا رہا ہے، اب اگر حضرت حاجی صاحب اس شخص کے لئے تکلیف کے ازالے کی دعا کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نعمت کے ازالے کی دعا کریں گے؟ حضرت حاجی صاحب نے اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! حقیقت میں یہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں نعمت ہیں، لیکن اے اللہ! ہم کمزور ہیں، آپ ہماری کمزوری پر نظر فرماتے ہوئے اس تکلیف کی نعمت کو صحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔

---

(۱) کنز العمال، رقم: ۶۶۶۰ (۳۰۳/۳)، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۸۶۸۹ (۶۶/۸)، الزواجر عن اقتراف الکبائر (۴۲۷/۱)

تکلیف کے وقت دوسری نعمتوں کا استحضار

اور پھر عین تکلیف کے وقت انسان کو جو بے شمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں، انسان ان کو بھول جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کے پیٹ میں درد ہو رہا ہے، تو اب وہ اس پیٹ کے درد کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، لیکن وہ یہ نہیں دیکھتا کہ آنکھ جو اتنی بڑی نعمت اس کو ملی ہوئی ہے، اس میں کوئی تکلیف نہیں۔ زبان میں کوئی تکلیف نہیں۔ دانتوں میں کوئی تکلیف نہیں۔ سارے جسم میں اور کسی جگہ تکلیف نہیں۔ بس صرف پیٹ میں معمولی تکلیف ہو رہی ہے۔ اب یہ دعا ضرور کرو کہ یا اللہ! پیٹ کی تکلیف دور کر دیجئے، لیکن دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد و ثناء کرو کہ یا اللہ! جو اور بے شمار نعمتیں آپ نے عطا کی ہوئی ہیں، اے اللہ! ہم اس پر آپ کا شکر ادا کرتے ہیں، البتہ اس وقت جو یہ تکلیف آ گئی ہے اس کے لئے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس تکلیف کو دور کر دیجئے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شکرِ نعمت

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ، یہ مادرزاد ولی اللہ تھے اور عجیب و غریب بزرگ تھے۔ حضرت والد صاحب ان کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے پتہ چلا کہ حضرت میاں صاحب بیمار ہیں اور ان کو بخار ہے۔ میں عیادت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شدید بخار میں تپ رہے ہیں اور بخار کی کرب اور بے چینی کی تکلیف میں ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا اور پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ طبیعت کیسی ہے؟ جواب میں فرمایا:

> "الحمدللہ میری آنکھیں صحیح کام کر رہی ہیں۔ الحمدللہ میرے کان صحیح کام کر رہے ہیں۔ الحمدللہ میری زبان صحیح کام کر رہی ہے۔ جتنی تکلیفیں نہیں تھیں ان سب کا ایک ایک کر کے ذکر کیا کہ ان سب میں کوئی بیماری نہیں ہے، البتہ بخار ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی دور فرما دے"

یہ ہے ایک شکر گزار بندے کا عمل جو عین تکلیف میں بھی ان راحتوں اور نعمتوں کا استحضار کر رہا ہے جو اس وقت حاصل ہیں، جس کی وجہ سے اس تکلیف کی شدت میں بھی کمی آتی ہے۔

حاصل شدہ نعمتوں پر شکر

بہر حال، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ جو تلقین فرما رہے ہیں کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء

کرو، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس وقت جو حاجت اور ضرورت پیش کرنے جا رہے ہو، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس وقت تمہیں حاصل ہیں، پہلے ان کا استحضار کر کے ان پر شکر ادا کرو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔

حمد و ثناء کے بعد درود شریف کیوں؟

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد کیا کرے؟ اس کے لئے ارشاد فرمایا:

((وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

''حمد و ثناء کے بعد اور اپنی حاجت پیش کرنے سے پہلے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو''

اب سوال یہ ہے کہ اس وقت درود بھیجنے کا کیا موقع ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ اپنی اُمت پر بہت ہی زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ جب میرا اُمتی اللہ تعالیٰ کے حضور دعا مانگے تو اس کی وہ دعا رد نہ ہو۔ پوری کائنات میں درود شریف کے علاوہ کسی دعا کے بارے میں یہ گارنٹی نہیں ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگی، لیکن اگر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا جائے تو اس کے بارے میں یہ گارنٹی یقینی ہے کہ وہ ضرور قبول ہوگا۔ جب ہم درود بھیجتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! محمد رسول اللہ ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائیے۔ یہ ایسی دعا ہے کہ اس کے رد ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس کی قبولیت کا وعدہ ہے، اس کی قبولیت کی گارنٹی ہے کہ یہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ اس لئے کہ حضورِ اقدس ﷺ پر تو پہلے سے رحمتیں نازل ہو رہی ہیں اور مزید نازل ہوتی رہیں گی، وہ ہمارے درود بھیجنے کے محتاج نہیں ہیں۔

درود شریف بھی قبول اور دعا بھی قبول

لیکن حضورِ اقدس ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ میرے اُمتی اپنی مراد اور ضرورت مانگنے سے پہلے مجھ پر درود بھیج دیں تو اللہ تعالیٰ اس درود کو ضرور قبول فرمائیں گے، اور جب درود شریف کو قبول فرمائیں گے تو اس حاجت اور ضرورت کی دعا کو بھی ضرور قبول فرمائیں گے، اس لئے کہ ان کی رحمت سے یہ بات بعید ہے کہ ایک دعا کو تو قبول فرمالیں اور دوسری دعا کو رد فرمادیں۔ اس لئے درود شریف کے بعد کی جانے والی دعا کی قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

حضور ﷺ اور ہدیہ کا بدلہ

ایک دوسری وجہ میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب قدس اللہ سرہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضورِ اقدس ﷺ کا عمر بھر کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ لے کر آتا تو آپ اس ہدیہ کا کچھ نہ کچھ بدلہ ضرور دیا کرتے تھے اور ہدیہ کی مکافات فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ درود شریف بھی ایک ہدیہ ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں صراحت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص دور سے درود شریف بھیجتا ہے تو وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے، اور جو شخص قبر پر آ کر مجھ کو سلام کرے اور درود بھیجے تو میں خود اس کو سنتا ہوں۔ (۱)

یہ درود شریف ایک اُمتی کا تحفہ اور ہدیہ ہے جو آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب دنیا میں اور زندگی میں آپ کی سنت یہ تھی کہ جب آپ کے پاس کوئی شخص ہدیہ لے کر آتا تو آپ اس کی مکافات فرمایا کرتے تھے اور اس ہدیہ کے بدلے ہدیہ دیا کرتے تھے، تو اُمید یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں جب ایک اُمتی کی طرف سے حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں درود شریف کا یہ ہدیہ پہنچے گا تو آپ اس ہدیہ کا بھی بدلہ عطا فرمائیں گے، وہ بدلہ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ اس اُمتی کے حق میں دعائیں کریں گے کہ یا اللہ! اس اُمتی نے میرے لئے یہ تحفہ بھیجا ہے اور میرے لئے دعا کی ہے، اے اللہ! میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اس کی مراد پوری فرمادیں۔ لہٰذا جو اُمتی درود بھیجنے کے بعد دعا کرے گا تو حضور اکرم ﷺ اس کے لئے وہاں دعا فرمائیں گے۔ اس لئے جب دعا کرنے بیٹھو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو اور پھر حضورِ اقدس ﷺ پر درود بھیجو۔

دعاءِ حاجت کے الفاظ

اس کے بعد دعا کے یہ الفاظ کہو:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ))

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کے اندر کیا کیا انوارات اور کیا کیا خواص پوشیدہ ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، ہم لوگ اس کی تہہ تک کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ان اسماءِ حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ نے بذاتِ خود خاصیتیں رکھی ہیں اس لئے جب خود حضورِ اقدس ﷺ یہ تلقین فرمائیں کہ ان اسماءِ حسنیٰ کا ذکر کرو تو اس کے پیچھے ضرور کوئی راز ہوتا ہے۔ لہٰذا خاص طور پر وہی کلمات

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، رقم: ۱۷۴۵، سنن النسائي، كتاب السهو، باب السلام على النبي، رقم: ۱۲۶۵، مسند أحمد، رقم: ۳۴۸۴

کہنے چاہئیں تاکہ وہ مقصد حاصل ہو۔ چنانچہ فرمایا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ))

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اللہ جو حلیم ہیں اور کریم ہیں''

''حلم'' بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور ''کرم'' بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ ان دونوں صفتوں کو خاص طور پر بظاہر اس لئے ذکر فرمایا کہ بندہ پہلے مرحلے پر ہی یہ اعتراف کرے کہ یا اللہ! میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ آپ میری دعا قبول کریں، اپنی ذات کے لحاظ سے میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی درخواست پیش کرسکوں، اس وجہ سے کہ میرے گناہ بیشمار ہیں، میری خطائیں بے شمار ہیں، میری بداعمالیاں اتنی ہیں کہ آپ کے حضور درخواست پیش کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے، لیکن چونکہ آپ حلیم ہیں، بردباری آپ کی صفت ہے، اور اس کی وجہ سے کوئی بندہ چاہے وہ کتنا ہی خطا کار ہو، اس خطا کار کی خطاؤں کی وجہ سے جذبات میں آکر آپ کوئی فیصلہ نہیں فرماتے، بلکہ اپنی صفتِ ''حلم'' کے تحت فیصلہ فرماتے ہیں، اس لئے میں صفتِ ''حلم'' کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں، اور آپ کی صفتِ ''حلم'' کا تقاضا یہ ہے کہ آپ میرے گناہوں سے درگزر فرمائیں۔ اور پھر صفتِ ''کرم'' کا معاملہ فرمائیں یعنی صرف یہ نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر فرمائیں بلکہ اُوپر سے مزید نوازشیں عطا فرمائیں، مزید اپنا کرم میرے اُوپر فرمائیں۔ صفتِ کرم اور صفتِ حلم کا واسطہ دے کر دعا کرو۔

اس کے بعد فرمایا:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ))

''اللہ تعالیٰ پاک ہے جو عرشِ عظیم کا مالک ہے''

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ))

''اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے''

پہلے یہ تعریفی کلمات کہے اور اس کے بعد ان الفاظ کے ساتھ دعا کرے:

((اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ))

''اے اللہ میں آپ سے ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو آپ کی رحمت کا موجب ہوں''

((وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ))

''اور آپ کی پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں''

((وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ))

''اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نیکی سے حصہ عطا فرمائیے''

((وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ))
''اور مجھے ہر گناہ سے محفوظ رکھئے''
((لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهُ))
''ہمارا کوئی گناہ ایسا نہ چھوڑ یئے جس کو آپ نے معاف نہ فرمایا ہو۔ یعنی ہر گناہ کو معاف فرما دیجئے''
((وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهُ))
''اور کوئی تکلیف ایسی نہ چھوڑیئے جس کو آپ نے دور نہ فرما دیا ہو''
((وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ))
''اور کوئی حاجت جس میں آپ کی رضامندی ہو ایسی نہ چھوڑیئے کہ اس کو آپ نے پورا نہ فرمایا ہو''

یہ دعا کے الفاظ اور اس کا ترجمہ ہے اور مسنون دعاؤں کی کتابوں میں بھی یہ دعا موجود ہے، یہ دعا ہر مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے۔ اس کے بعد پھر اپنے الفاظ میں جو حاجت مانگنا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اُمید ہے اللہ تعالیٰ اس دعا کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

ہر ضرورت کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ پڑھیں

ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ کی یہ سنت بیان کی گئی ہے:
"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَهُ اَمْرٌ صَلّٰى"(۱)
''جب بھی حضورِ اقدس ﷺ کو کوئی تشویش کا معاملہ پیش آتا تو آپ سب سے پہلے نماز کی طرف دوڑتے''

اور یہی صلوٰۃ الحاجۃ پڑھتے اور دعا کرتے کہ یا اللہ! یہ مشکل پیش آگئی ہے، آپ اس کو دور فرما دیجئے۔ اس لئے ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے لئے صلوٰۃ الحاجۃ کی کثرت کرے۔

اگر وقت تنگ ہو تو صرف دعا کرے

یہ تفصیل تو اس صورت میں ہے جب انسان کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے وقت ہے اور دو

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب قيام النبي من الليل، رقم: ۱۱۲٤، مسند أحمد، حديث حذيفة بن اليمان، رقم: ۲۲۲۱۰

رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر جلدی کا موقع ہے اور اتنی مہلت نہیں ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر دعا کرے، تو اس صورت میں دو رکعت پڑھے بغیر ہی دعا کے یہ الفاظ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ لیکن اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ضرور پیش کر دے، چاہے وہ چھوٹی حاجت ہو یا بڑی حاجت ہو۔ حتیٰ کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (۱)

لہٰذا جب چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو بڑی چیز اور زیادہ اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے۔ اور درحقیقت یہ چھوٹی اور بڑی ہماری نسبت سے ہے، جوتے کے تسمہ کا درست ہو جانا یہ چھوٹی بات ہے اور سلطنت کا مل جانا بڑی بات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے بڑے کا کوئی فرق نہیں، ان کے نزدیک سب کام چھوٹے ہیں، ہماری بڑی سے بڑی حاجت، بڑے سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھوٹا ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (۲)

''اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''

ان کی قدرت ہر چیز پر یکساں ہے، اس کے لئے کوئی کام مشکل نہیں، اس کے لئے کوئی کام بڑا نہیں۔ اس لئے بڑی حاجت ہو یا چھوٹی حاجت ہو، بس اللہ ہی سے مانگو۔

یہ پریشانیاں اور ہمارا حال

آج کل ہمارے شہر میں ہر شخص پریشان ہے، ہمارے شہر کی کیا حالت بنی ہوئی ہے۔ العیاذ باللہ۔ کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو ان حالات کی وجہ سے بے چینی اور بے تابی کا شکار نہ ہو، کوئی براہِ راست مبتلا ہے اور کوئی بالواسطہ مبتلا ہے، کوئی اندیشوں کا شکار ہے، کسی کی جان مال عزت آبرو محفوظ نہیں، سب کا بُرا حال ہے۔ لیکن دوسری طرف ہمارا حال یہ ہے کہ صبح سے لے کر شام تک اس صورتِ حال پر تبصرے تو بہت کرتے ہیں، جہاں چار آدمی بیٹھے اور تبصرے شروع ہو گئے، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں جگہ یہ ہو گیا، فلاں نے یہ غلطی کی، فلاں نے یہ غلطی کی، حکومت نے یہ غلطی کی وغیرہ۔ لیکن ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو تڑپ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی توفیق ہوئی، کہ یا اللہ! یہ مصیبت ہم پر مسلط ہے، ہمارے گناہوں کا وبال ہم پر مسلط ہے، ہماری شامتِ اعمال ہم پر مسلط ہے، یا اللہ! اپنی رحمت سے اس کو دور فرما دیں۔ بتائیے کہ ہم میں سے کتنوں کو اس کی توفیق ہوئی؟

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ليسأل الحاجة مهما صغرت، رقم: ۳۵۳۶

(۲) البقرة: ۲۰

تبصرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں

۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان کے سقوط کا واقعہ پیش آیا اور مسلمانوں کی تاریخ میں ذلت کا ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو اس موقع پر پیش آیا کہ نوّے ہزار مسلمانوں کی فوج ہندوؤں کے آگے ہتھیار ڈال کر ذلیل ہوگئی۔ تمام مسلمانوں پر اس کے صدمے کا اثر تھا، سب لوگ پریشان تھے۔ اسی دوران میری حضرت ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہ کے یہاں حاضری ہوئی، میرے ساتھ میرے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم بھی تھے، جب وہاں پہنچے تو کچھ خاص خاص لوگ وہاں موجود تھے۔ اب وہاں پر تبصرے شروع ہوگئے کہ اس کے اسباب کیا تھے؟ کون اس کا سبب بنا؟ کس کی غلطی ہے؟ کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے، کسی نے کہا کہ فلاں پارٹی کی غلطی ہے، کسی نے کہا کہ فوج کی غلطی ہے۔ حضرت والا تھوڑی دیر تک سب کی باتیں سنتے رہے، اس کے بعد حضرت والا فرمانے لگے کہ اچھا بھائی! آپ لوگوں نے کوئی فیصلہ کرلیا کہ کون مجرم ہے؟ اور کون بے گناہ ہے؟ اور اس فیصلے کے نتائج کیا نکلے؟ جو مجرم ہے کیا اس کو سزا دوگے؟ اور جو بے گناہ ہے اس کی برأت کا اظہار کردوگے؟ یہ بتاؤ کہ اتنی دیر تک تم جو تبصرے کرتے رہے اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا دنیا یا آخرت کا کوئی فائدہ تمہیں حاصل ہوا؟

تبصرہ کے بجائے دعا کریں

اگر اتنی دیر تم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیتے اور اللہ تعالیٰ سے کہتے کہ یا اللہ! ہماری شامتِ اعمال کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آگئی ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرما اور ہم سے اس مصیبت کو دور فرما اور ہماری شامتِ اعمال کو رفع فرما اور اس ذلت کو عزت سے بدل دیجئے۔ اگر یہ دعا کرلی ہوتی تو کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیتے اور اگر بالفرض وہ دعا قبول نہ ہوتی تب بھی اس دعا کے کرنے کا ثواب تو حاصل ہوجاتا اور آخرت کی نعمت تمہیں حاصل ہوجاتی۔ اب یہ تم نے بیٹھ کر جو فضول تبصرے کیے اس سے نہ کوئی دنیا کا فائدہ ہوا اور نہ ہی آخرت کا کوئی فائدہ ہوا۔

اس وقت ہماری آنکھیں کھلیں کہ واقعۃً ہم دن رات اس مرض میں مبتلا ہیں کہ دن رات بس ان باتوں پر تبصرے ہورہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر مانگنے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ ہم میں کتنے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ان حالات سے بیتاب ہوکر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں اور صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا کی ہو، کہ یا اللہ! میں صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ رہا ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت سے یہ عذاب ہم سے دور فرمادیجئے۔ یہ کام شاذ و نادر ہی کسی اللہ کے بندے نے کیا ہوگا، لیکن صبح سے لے کر شام تک

تبصرے ہورہے ہیں، وقت ان تبصروں میں صرف ہورہا ہے، اور پھر ان تبصروں میں معلوم نہیں کتنی غیبت ہورہی ہے، کتنے بہتان باندھے جارہے ہیں، اور ان کے ذریعہ اُلٹا اپنے سر گناہ لے رہے ہیں۔

اللہ کی طرف رجوع کریں

تمام حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ان حالات میں دعا کی طرف توجہ کریں۔ اگر کسی کے بس میں کوئی تدبیر ہے تو وہ تدبیر اختیار کرے اور اگر تدبیر اختیار میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا تو ہر ایک کے اختیار میں ہے۔ ہمارے اندر سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سلسلہ اب ختم ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ جب پاکستان بن رہا تھا، اس وقت ملک میں فسادات ہورہے تھے، اس وقت دیوبند اور دوسرے شہروں میں گھر گھر آیتِ کریمہ کا ختم ہورہا تھا، کسی کی طرف سے اپیل نہیں تھی، بلکہ مسلمان اپنی تحریک سے اور اپنے شوق سے اور ضرورت محسوس کرکے گھر گھر اور محلّہ محلّہ آیتِ کریمہ کا ختم کررہے تھے، عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی ہوئی آیتِ کریمہ کا ختم کررہی تھیں اور دعائیں ہورہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس مصیبت سے نکال دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات دیدی۔

پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں

آج ہمارے شہر میں سب کچھ ہورہا ہے، آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ کیا آپ نے کہیں سنا کہ محلّوں میں یا گھروں میں آیتِ کریمہ کا ختم کیا جارہا ہو اور دعا کرنے کا اہتمام ہورہا ہو۔ بلکہ یہ ہورہا ہے کہ آنکھوں کے سامنے لاشیں تڑپ رہی ہیں، موت آنکھوں کے سامنے ناچ رہی ہے، اور لوگ گھروں میں بیٹھ کر وی سی آر دیکھ رہے ہیں۔ اب بتایئے ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب نازل نہ ہو تو کیا ہو۔ تمہارے سامنے اچھا خاصا آدمی ذرا سی دیر میں دنیا سے چل بسا، لیکن پھر بھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں، پھر بھی تم گناہوں کو نہیں چھوڑتے، پھر بھی اللہ کی نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہو۔

اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے یہ کام کرلو

خدا کے لئے اپنی جانوں پر رحم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا سلسلہ شروع کردو۔ اور کون مسلمان ایسا ہے جو یہ نہیں کرسکتا کہ وہ اس مقصد کے لئے دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ کی نیت سے پڑھ لیا کرے۔ دو رکعتیں پڑھنے میں کتنی دیر لگتی ہے، اوسطاً دو رکعت پڑھنے میں دو منٹ لگتے ہیں،

اور دو رکعت کے بعد دعا کرنے میں تین منٹ مزید لگ جائیں گے۔ اپنی اس قوم اور اس ملت کے لئے پانچ منٹ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر دعا مانگنے کی بھی توفیق نہیں ہوتی تو پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ ہمیں قوم میں ہونے والے ان فسادات کی وجہ سے صدمہ اور رنج اور تکلیف ہو رہی ہے۔ لہٰذا جب تک ان فسادات کا سلسلہ جاری ہے، اس وقت تک روزانہ دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ اور خدا کے لئے اپنے جانوں پر رحم کرتے ہوئے اپنے گھروں سے نافرمانی کے ذرائع اور آلے کو نکال دو اور نافرمانی اور گناہ کے سلسلے کو بند کر دو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا کرو۔ آیتِ کریمہ:

﴿لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾(۱)

کا ختم کرو اور "یَا سَلَامُ" کا ورد کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو۔ فضول تبصروں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اس کام میں لگو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ



(۱) الأنبیاء: ۸۷

استخارہ کا مسنون طریقہ ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"عَنْ مَكْحُوْلِ الْأَزَدِيِّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ: إِنَّ الرَّجُلَ يَسْتَخِيْرُ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَيَخْتَارُ لَهُ، فَيَسْخَطُ عَلٰى رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ، فَلَا يَلْبَثُ أَنْ يَنْظُرَ فِي الْعَاقِبَةِ فَإِذَا هُوَ خَيْرٌ لَّهُ"(۱)

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک ارشاد ہے۔فرماتے ہیں کہ بعض اوقات انسان اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے کہ جس کام میں میرے لئے خیر ہو وہ کام ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہ کام اختیار فرمادیتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے، لیکن ظاہری اعتبار سے وہ کام اس بندہ کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ بندہ اپنے پروردگار پر ناراض ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تو یہ کہا تھا کہ میرے لئے اچھا کام تلاش کیجئے، لیکن جو کام ملا وہ تو مجھے اچھا نظر نہیں آرہا ہے، اس میں تو میرے لئے تکلیف اور پریشانی ہے۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب انجام سامنے آتا ہے تب اس کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔اس وقت اس کو پتہ نہیں تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے ساتھ زیادتی اور ظلم ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا صحیح ہونا بعض اوقات دنیا میں ظاہر ہوجاتا ہے اور بعض اوقات آخرت میں ظاہر ہوگا۔

اس روایت میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہئے۔پہلی بات یہ ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔استخارہ کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں لوگوں کے درمیان طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ یہ

☆ اصلاحی خطبات (۱۰/ ۱۴۹ تا ۱۶۱) بعد از نمازِ عصر، جامع مسجد بیت المکرم کراچی۔زیر نظر بیان حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "کتاب الزهد" کے باب "باب في الرضاء والقدر" کی ایک حدیث کا درس ہے۔

(۱) كتاب الزهد لابن المبارك، باب في الرضا بالقضاء، رقم: ۱۲۸ (۱/ ۳۳)

سمجھتے ہیں کہ ''استخارہ'' کرنے کا کوئی خاص طریقہ اور خاص عمل ہوتا ہے، اس کے بعد کوئی خواب نظر آتا ہے اور اس خواب کے اندر ہدایت دی جاتی ہے کہ فلاں کام کرو یا نہ کرو۔ خوب سمجھ لیں کہ حضورِ اقدس ﷺ سے ''استخارہ'' کا جو مسنون طریقہ ثابت ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات موجود نہیں.

استخارہ کا طریقہ اور اس کی دعا

''استخارہ'' کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں، ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو، اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرما دیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا پڑھے جو حضورِ اقدس ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے، پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے، اور کسی کے بس کی بات نہیں، اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگا لیتا تو بھی ایسی دعا کبھی نہ کرسکتا جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائی۔ وہ دعا یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡتَخِیۡرُكَ بِعِلۡمِكَ وَاَسۡتَقۡدِرُكَ بِقُدۡرَتِكَ وَاَسۡئَلُكَ مِنۡ فَضۡلِكَ الۡعَظِیۡمِ فَاِنَّكَ تَقۡدِرُ وَلَا اَقۡدِرُ وَتَعۡلَمُ وَلَا اَعۡلَمُ وَاَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ اَللّٰهُمَّ اِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ خَیۡرٌ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَمَعَاشِیۡ وَعَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ فَاقۡدِرۡهُ لِیۡ وَیَسِّرۡهُ لِیۡ ثُمَّ بَارِكۡ لِیۡ فِیۡهِ وَاِنۡ كُنۡتَ تَعۡلَمُ اَنَّ هٰذَا الۡاَمۡرَ شَرٌّ لِّیۡ فِیۡ دِیۡنِیۡ وَمَعَاشِیۡ وَعَاقِبَةِ اَمۡرِیۡ فَاصۡرِفۡهُ عَنِّیۡ وَاصۡرِفۡنِیۡ عَنۡهُ وَاقۡدِرۡ لِیَ الۡخَیۡرَ حَیۡثُ كَانَ ثُمَّ اَرۡضِنِیۡ بِهٖ))(۱)

''اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں، آپ غیب کو جاننے والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں، میں علم نہیں رکھتا۔ یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں، اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں۔ اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قدرت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الإستخارة، رقم: ۵۹۰۳، سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الإستخارة، رقم: ۴۴۲، سنن النسائی، کتاب النکاح، باب کیف الإستخارة، رقم: ۳۲۰۱، سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الإستخارة، رقم: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ما جاء فی صلاة الإستخارة، رقم: ۱۳۷۳، مسند أحمد، رقم: ۱۴۱۸۰

بہتر ہے، میرے دین کے لئے بھی بہتر ہے، میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما دیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں بُرا ہے، میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور مجھے اس سے پھیر دیجئے، اور میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو۔ یعنی اگر یہ معاملہ میرے لئے بہتر نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے لئے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے، پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے"

دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی تو بس استخارہ ہو گیا۔

استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہئے یا عشاء کی نماز کے بعد ہی کرنا چاہئے۔ ایسا کوئی ضروری نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت یہ استخارہ کر لے۔ نہ رات کی کوئی قید ہے، اور نہ دن کی کوئی قید ہے نہ سونے کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے۔

خواب آنا ضروری نہیں

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد خواب آئے گا اور خواب کے ذریعہ ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھئے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا خواب میں کوئی اشارہ ضرور دیا جائے، بعض مرتبہ خواب میں آ جاتا ہے اور بعض مرتبہ خواب میں نہیں آتا۔

استخارہ کا نتیجہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہو جاتا ہے، بس جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کر لے، اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے۔ لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد پھر بھی حاصل ہے، اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق

میں بہتر ہوتا ہے۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتا بھی نہیں ہوتا۔ بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو اس بندے سے پھیر دیتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے۔ اب خیر کس میں ہے، انسان کو پتا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں۔

تمہارے حق میں یہی بہتر تھا

اب جب وہ کام ہوگیا تو اب ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آرہا ہے، دل کے مطابق نہیں ہے، تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ! میں نے آپ سے مشورہ اور استخارہ کیا تھا مگر کام وہ ہوگیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہورہا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ ارے نادان! تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا، لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے، وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا، اس نے جو کیا وہی تیرے حق میں بہتر تھا۔ بعض اوقات دنیا میں تجھے پتا چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتا نہیں چلے گا، جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جاکر پتہ چلے گا کہ واقعۃً یہی میرے لئے بہتر تھا۔

تم بچے کی طرح ہو

اس کی مثال یوں سمجھیں جیسے ایک بچہ ہے جو ماں باپ کے سامنے مچل رہا ہے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور ماں باپ جانتے ہیں کہ اس وقت بچے کا یہ چیز کھانا بچے کے لئے نقصان دہ ہے اور مہلک ہے۔ چنانچہ ماں باپ بچے کو وہ چیز نہیں دیتے۔ اب بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ میرے ماں باپ نے میرے ساتھ ظلم کیا، میں جو چیز مانگ رہا تھا وہ چیز مجھے نہیں دی اور اس کے بدلے میں مجھے کڑوی کڑوی دوا کھلا رہے ہیں۔ اب وہ بچہ اس دوا کو اپنے حق میں خیر نہیں سمجھ رہا ہے لیکن بڑا ہونے کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو عقل اور فہم عطا فرمائیں گے اور اس کو سمجھ آئے گی تو اس وقت اس کو پتہ چلے گا کہ میں تو اپنے لئے موت مانگ رہا تھا اور میرے ماں باپ میرے لئے زندگی اور صحت کا راستہ تلاش کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اختیار فرماتے ہیں جو انجام کار بندہ کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اب بعض اوقات اس کا بہتر ہونا دنیا میں پتہ چل جاتا ہے اور بعض اوقات دنیا میں پتہ نہیں چلتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنایا۔ یہ واقعہ میں نے انہیں سے سنا ہے، کہیں کتاب میں نظر سے نہیں گزرا لیکن کتابوں میں کسی جگہ ضرور منقول ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں ایک شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوگا اور اپنی خواہشات، اپنی تمنائیں اور اپنی آرزوئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کا اس سے زیادہ اچھا موقع اور کیا ہوسکتا ہے، اس لئے جب آپ وہاں پہنچیں تو میرے حق میں بھی دعا کردیجئے گا۔ کیونکہ میری زندگی میں مصیبتیں بہت ہیں اور میرے اوپر تکلیفوں کا ایک پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے، فقروفاقہ کا عالم ہے اور طرح طرح کی پریشانیوں میں گرفتار ہوں۔ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے راحت اور عافیت عطا فرمادیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرلیا کہ اچھی بات ہے، میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔

جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دے دی

جب کوہِ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ ہم کلامی کے بعد آپ کو وہ شخص یاد آیا جس نے دعا کے لئے کہا تھا۔ آپ نے دعا کی، یا اللہ! آپ کا ایک بندہ ہے جو فلاں جگہ رہتا ہے، اس کا یہ نام ہے، اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں تو اس کی پریشانی پیش کردوں۔ یا اللہ! وہ بھی آپ کا بندہ ہے، آپ اپنی رحمت سے اس کو راحت عطا فرمادیجئے تاکہ وہ آرام اور عافیت میں آجائے اور اس کی مصیبتیں دور ہوجائیں اور اس کو بھی اپنی نعمتیں عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے موسیٰ! اس کو تھوڑی نعمت دوں یا زیادہ دوں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں تو تھوڑی کیوں مانگیں۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے فرمایا کہ یا اللہ! جب نعمت دینی ہے تو زیادہ ہی دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ ہم نے اس کو زیادہ دے دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مطمئن ہوگئے۔ اس کے بعد کوہِ طور پر جتنے دن قیام کرنا تھا قیام کیا۔

ساری دنیا بھی تھوڑی ہے

جب کوہِ طور سے واپس تشریف لے جانے لگے تو خیال آیا کہ جاکر ذرا اس بندہ کا حال دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں دعا قبول فرمائی تھی۔ چنانچہ اس کے گھر

جا کر دروازے پر دستک دی تو ایک دوسرا شخص باہر نکلا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے فلاں شخص سے ملاقات کرنی ہے۔ اس نے کہا کہ اس کا تو کافی عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ کب انتقال ہوا؟ اس نے کہا: فلاں دن اور فلاں وقت انتقال ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اندازہ لگایا کہ جس وقت میں نے اس کے حق میں دعا کی تھی اس کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کا انتقال ہوا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام بہت پریشان ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، میں نے اس کے لئے عافیت اور راحت مانگی تھی اور نعمت مانگی تھی، مگر آپ نے اس کو زندگی سے ختم کر دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ تھوڑی نعمت دیں یا زیادہ دیں؟ تم نے کہا تھا کہ زیادہ دیں۔ اگر ہم ساری دنیا بھی اُٹھا کر دے دیتے تب بھی تھوڑی ہی ہوتی اور اب ہم نے اس کو آخرت اور جنت کی جو نعمتیں دی ہیں ان پر واقعی یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ زیادہ نعمتیں ہیں، دنیا کے اندر زیادہ نعمتیں اس کو مل ہی نہیں سکتی تھیں، لہٰذا ہم نے اس کو آخرت کی نعمتیں عطا فرما دیں۔

یہ انسان کس طرح اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ وہی جانتے ہیں کہ کس بندے کے حق میں کیا بہتر ہے۔ اور انسان صرف ظاہر میں چند چیزوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو برا ماننے لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا کہ کس کے حق میں کیا بہتر ہے۔

استخارہ کرنے کے بعد مطمئن ہو جاؤ

اسی وجہ سے اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ جب تم کسی کام کا استخارہ کر چکو تو اس کے بعد اس پر مطمئن ہو جاؤ کہ اب اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ خیر ہی کا فیصلہ فرمائیں گے، چاہے وہ فیصلہ ظاہر نظر میں تمہیں اچھا نظر نہ آ رہا ہو، لیکن انجام کے اعتبار سے وہی بہتر ہوگا۔ اور پھر اس کا بہتر ہونا یا تو دنیا ہی میں معلوم ہو جائے گا ورنہ آخرت میں جا کر تو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا تھا وہی میرے حق میں بہتر تھا۔

استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ))(۱)

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب الإستخارة (۱/۴۰۰)، کنزالعمال، رقم: ۲۱۵۳۲ (۸۱۳/۷)، المعجم الأوسط، رقم: ۶۸۱۶ (۳۹۴/۱۴)

"جو آدمی اپنے معاملات میں استخارہ کرتا ہو وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا اور جو شخص اپنے کاموں میں مشورہ کرتا ہو وہ کبھی نادم اور پشیمان نہیں ہوگا"

کہ میں نے یہ کام کیوں کرلیا یا میں نے یہ کام کیوں نہیں کیا، اس لئے کہ جو کام کیا وہ مشورہ کے بعد کیا اور اگر نہیں کیا تو مشورہ کے بعد نہیں کیا، اس وجہ سے وہ نادم نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں یہ جو فرمایا کہ استخارہ کرنے والا ناکام نہیں ہوگا، مطلب اس کا یہی ہے کہ انجام کار استخارہ کرنے والے کو ضرور کامیابی ہوگی، چاہے کسی موقع پر اس کے دل میں یہ خیال بھی آجائے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نہیں ہوا، لیکن اس خیال کے آنے کے باوجود کامیابی اسی شخص کو ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہے۔ اور جو شخص مشورہ کرکے کام کرے گا وہ پچھتائے گا نہیں، اس لئے کہ بالفرض اگر وہ کام خراب بھی ہوگیا تو اس کے دل میں اس بات کی تسلی موجود ہوگی کہ میں نے یہ کام اپنی خود رائی سے اور اپنے بل بوتے پر نہیں کیا تھا بلکہ اپنے دوستوں سے اور بڑوں سے مشورہ کے بعد یہ کام کیا تھا، اب آگے اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے کہ وہ جیسا چاہیں فیصلہ فرمادیں۔ اس لئے اس حدیث میں دو باتوں کا مشورہ دیا ہے کہ جب بھی کسی کام میں کشمکش ہو تو دو کام کرلیا کرو، ایک استخارہ اور دوسرے استشارہ۔ یعنی مشورہ۔

استخارہ کی مختصر دعا

اُوپر استخارہ کا جو مسنون طریقہ عرض کیا، یہ تو اس وقت ہے جب آدمی کو استخارہ کرنے کی مہلت اور موقع ہو، اس وقت تو دو رکعت پڑھ کر وہ مسنون دعا پڑھے۔ لیکن بسا اوقات انسان کو اتنی جلدی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کو پوری دو رکعت پڑھ کر دعا کرنے کا موقع ہی نہیں ہوتا، اس لئے کہ اچانک کوئی کام سامنے آگیا اور فوراً اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس موقع کے لئے خود نبی کریم ﷺ نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَاخْتَرْ لِیْ))(۱)

"اے اللہ! میرے لئے آپ پسند فرمادیجئے کہ مجھے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہئے"

بس یہ دعا پڑھ لے۔ اس کے علاوہ ایک اور دعا حضور ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ وَسَدِّدْنِیْ))(۲)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب منه، رقم: ۳۴۳۸، کنزالعمال، رقم: ۱۷۱۴۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر ما لم یعمل، رقم: ۴۹۰۴، مسند أحمد، رقم: ۱۲۵۲

''اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمایئے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھئے''

اسی طرح ایک اور مسنون دعا ہے:

((اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ))(۱)

''اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القا فرمادیجئے''

ان دعاؤں میں سے جو دعا یاد آجائے اس کو اسی وقت پڑھ لے۔ اور اگر عربی میں دعا یاد نہ آئے تو اُردو ہی میں دعا کرلو کہ یا اللہ! مجھے یہ کشمکش پیش آگئی ہے آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجئے۔ اگر زبان سے نہ کہہ سکو تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ یا اللہ! یہ مشکل اور یہ پریشانی پیش آگئی ہے، آپ صحیح راستہ دل میں ڈال دیجئے۔ جو راستہ آپ کی رضا کے مطابق ہو اور جس میں میرے لئے خیر ہو۔

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

میں نے اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ساری عمر یہ عمل کرتے ہوئے دیکھا کہ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس میں فوراً فیصلہ کرنا ہوتا کہ یہ دو راستے ہیں، ان میں سے ایک راستے کو اختیار کرنا ہے تو آپ اس وقت چند لمحوں کے لئے آنکھ بند کرلیتے، اب جو شخص آپ کی عادت سے واقف نہیں اس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ آنکھ بند کرکے کیا کام ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ آنکھ بند کرکے ذرا سی دیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیتے اور دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیتے کہ یا اللہ! میرے سامنے یہ کشمکش کی بات پیش آگئی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا فیصلہ کروں، آپ میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کے نزدیک بہتر ہو۔ بس دل ہی دل میں یہ چھوٹا سا اور مختصر سا استخارہ ہوگیا۔

ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ہر کام کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ تمہیں اس کا اندازہ نہیں کہ تم نے ایک لمحہ کے اندر کیا سے کیا کرلیا، یعنی اس ایک لمحہ کے اندر تم نے اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرلیا، اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ لی اور اپنے

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی جامع الدعوات عن النبی، رقم: ۳۴۰۵

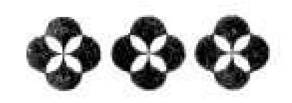
لئے صحیح راستہ طلب کرلیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تمہیں صحیح راستہ مل گیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کا اجر بھی مل گیا اور دعا کرنے کا بھی اجروثواب مل گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایسے مواقع پر مجھ سے رجوع کرتا ہے اور اس پر خاص اجروثواب بھی عطا فرماتے ہیں۔اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔صبح سے لے کر شام تک نہ جانے کتنے واقعات ایسے پیش آتے ہیں جس میں آدمی کو کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں۔اس وقت فوراً ایک لمحہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو، یا اللہ! میرے دل میں وہ بات ڈال دیجئے جو آپ کی رضا کے مطابق ہو۔

جواب سے پہلے دعا کا معمول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کبھی اس سے تخلّف نہیں ہوتا کہ جب بھی کوئی شخص آکر یہ کہتا ہے کہ حضرت! ایک بات پوچھنی ہے تو میں اس وقت فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ معلوم نہیں یہ کیا بات پوچھے گا؟ اے اللہ! یہ شخص جو سوال کرنے والا ہے اس کا صحیح جواب میرے دل میں ڈال دیجئے۔کبھی بھی اس رجوع کرنے کو ترک نہیں کرتا ہوں۔یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق۔لہٰذا جب بھی کوئی بات پیش آئے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی! اپنے اللہ میاں سے باتیں کیا کرو کہ جہاں کوئی واقعہ پیش آئے، اس میں فوراً اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ لو، اللہ تعالیٰ سے رجوع کرلو، اس میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرلو اور اپنی زندگی میں اس کام کی عادت ڈال لو۔رفتہ رفتہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کردیتی ہے، اور یہ تعلق اتنا مضبوط ہوجاتا ہے کہ پھر ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان دل میں رہتا ہے۔ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ کہاں کروگے وہ مجاہدات اور ریاضتیں جو پچھلے صوفیاء کرام اور اولیاء کرام کرکے چلے گئے، لیکن میں تمہیں ایسے چٹکلے بتادیتا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کرلوگے تو انشاء اللہ جو مقصودِ اصلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا قائم ہوجانا، وہ انشاء اللہ اسی طرح حاصل ہوجائے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مشورہ، ایک باعثِ خیر عمل ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! ہر انسان کو اپنی زندگی میں ایسے مرحلے پیش آتے ہیں جن میں اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں؟ یا اس کے سامنے کئی راستے ہوتے ہیں، اب اس کو یہ کشمکش ہوتی ہے کہ کونسا راستہ اختیار کروں؟ حضورِ اقدس نبی کریم ﷺ نے ایسے مواقع کے لئے دو کاموں کی ہدایت دی ہے: ایک استخارہ کرنا، دوسرے مشورہ کرنا۔ استخارہ کا بیان پچھلے جمعہ کو بقدرِ ضرورت الحمدللہ ہو گیا تھا، دوسری چیز جس کا اس حدیث میں بیان ہے، وہ ہے ''مشورہ'' یہ مشورہ بھی دین کا ایک عظیم باب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾(۲)

یعنی ان کے معاملات آپس میں مشورے کے ذریعہ طے کیے جاتے ہیں۔ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں خود حضورِ اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾(۳)

یعنی آپ صحابہ کرام سے اپنے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ لہٰذا جب نبی کریم ﷺ کو مشورہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو ہم جیسے لوگ تو بطریق اولیٰ مشورہ کے محتاج ہیں۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۱/۲۹ تا ۵۰)، جامع مسجد بیت المکرّم، کراچی۔

(۱) آل عمران: ۱۵۹، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''لہٰذا ان کو معاف کردو، ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''

(۲) الشوریٰ: ۳۸ (۳) آل عمران: ۱۵۹

مشورہ کیسے شخص سے کیا جائے؟

لیکن اس مشورے کے سلسلے میں چند باتیں سمجھ لینی ضروری ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ مشورہ ہمیشہ ایسے شخص سے کرنا چاہئے جس کو اس متعلقہ معاملے میں پوری بصیرت حاصل ہو، جب ایسے شخص کے پاس جاکر مشورہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائیں گے، لیکن اگر ہم نے ایسے شخص سے مشورہ کیا جس کو اس معاملے میں کوئی علم اور کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، اولاً تو وہ شخص مشورہ ہی کیا دے گا، اور اگر مشورہ دے گا تو اس مشورے سے فائدہ کیا ہوگا۔ لہٰذا جس شخص سے ہم مشورہ لینے جارہے ہیں، اس کے بارے میں پہلے اچھی طرح معلوم کرلیں کہ وہ مشورہ کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اگر وہ اہل ہو تو اس سے مشورہ لیں، اگر اہل نہ ہو تو اس سے مشورہ لینے سے کچھ حاصل نہیں۔

''جمہوریت'' کی ناکامی

اسلام کے نظامِ حکومت کی ''شورائیت'' میں اور موجودہ دور کی ''جمہوریت'' میں یہی بڑا فرق ہے۔ جمہوریت کا جو نظام اس وقت پوری دنیا میں چھا گیا ہے، اس نظام جمہوریت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جس سے مشورہ لیا جارہا ہے وہ واقعۃً مشورہ دینے کا اہل بھی ہے یا نہیں؟ اس کو اس معاملے میں بصیرت بھی حاصل ہے یا نہیں؟ دنیا بھر کے اہم معاملات میں مشورہ کرنے کے لئے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک جماعت کا انتخاب کرلیا، اس انتخاب کے نتیجے میں ایک سے ایک دنیا پرست، مکار، عیار شخص ووٹ حاصل کرنے کے لئے کھڑا ہوگیا، اور پھر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات شروع ہوئے۔ اب ہر ایک سے یہ پوچھا جارہا ہے کہ تمہارے نزدیک یہ آدمی ٹھیک ہے یا نہیں؟ پھر انتخابات بھی سیاسی جماعتوں کی بنیادوں پر ہونے والے جس میں پارٹی کے منشوروں کی بنیاد پر ووٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دیہات کا رہنے والا کاشت کار ہے اور کسان ہے، جو بیچارہ غیر تعلیم یافتہ ہے، وہ ووٹ دینے سے پہلے تمام پارٹیوں کے منشوروں کا مطالعہ کرے، اور پھر یہ فیصلہ کرے کہ کونسی پارٹی ملک کے حق میں مفید ہے، اور پھر اس پارٹی کے نامزد شخص کو ووٹ دے۔ پھر عام طور پر شریف آدمی جس میں ان کاموں کو انجام دینے کی اہلیت ہو، اس کو تو اس میدان میں اُترتے ہوئے بھی گھن آتی ہے کہ گندے تالاب میں کہاں اُتروں!

نا اہلوں کا انتخاب

بہر حال، انتخابات کے نتیجے میں جو لوگ اسمبلی میں پہنچے وہ نا اہل ہونے کے باوجود پوری قوم کے معاملات میں مشورے دیتے ہیں اور پوری قوم ان کے مشوروں پر عمل کرنے کی پابند ہے۔ لہٰذا موجودہ جمہوریت کے نظام میں اہلیت کا کوئی معیار نہیں، نہ ووٹ دینے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے اور نہ منتخب ہونے والے میں اہلیت کا کوئی معیار ہے، بس اتنا معیار ہے کہ اس کی عمر ۱۸ سال یا ۲۱ سال ہو اور اس کا نام ووٹر لسٹ کے اندر درج ہو، بس یہ اہلیت ہے۔ اب یہ دیکھنا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے یا نہیں؟ قوم کے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی معیار نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انگوٹھا چھاپ لوگ منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔

''جمہوریت'' اور ''شورائیت'' کا فرق

اسلام میں ''شورائیت'' ضرور ہے، لیکن مجلسِ شوریٰ کے لئے معیارِ اہلیت ہے، یعنی ایسے شخص سے مشورہ کرو جو اس کام کی اہلیت رکھتا ہے اور اس کی بصیرت رکھتا ہے۔ اسلام کی ''شورائیت'' اور موجودہ مغربی جمہوریت میں یہی بڑا فرق ہے، جمہوریت میں اکثریت کی بنیاد پر فیصلے ہوتے ہیں، جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾(۱)

اگر آپ زمین کے رہنے والوں میں سے اکثر کی اتباع کرو گے تو وہ اللہ کے راستے سے تم کو گمراہ کر دیں گے۔ لہٰذا جب کسی کے پاس مشورہ کے لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ اس شخص کو اس معاملے میں بصیرت حاصل ہے یا نہیں؟

فن کے ماہر سے مشورہ کرو

مثلاً بعض لوگ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں کہ فلاں بیماری میں مبتلا ہوں، آپ مشورہ دیجئے کہ کس طرح اس کا علاج کراؤں اور کس سے کراؤں؟ اب میں بیماری کو اور اس کے علاج کو کیا جانوں۔ بھائی! کسی طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جاؤ، اگر اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرو گے تو اس سے کیا حاصل ہوگا! جو شخص وہ کام جانتا نہ ہو تو وہ اس کے بارے میں کیا مشورہ دے گا۔ یاد رکھو! مشورہ ہمیشہ اس شخص سے لو جو اس کام کا اہل ہو۔ میرے پاس روزانہ بے شمار لوگوں کے خط اور فون آتے ہیں کہ ہم

---

(۱) الانعام: ۱۱٦

نے یہ خواب دیکھا ہے، آپ اس کی تعبیر بتادیجئے، حالانکہ مجھے ساری عمر خواب کی تعبیر سے مناسبت نہیں ہوئی۔

لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ فلاں کام کے لئے تعویذ دے دیجئے اور مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ بھائی! جس آدمی کے پاس اس کام کی اہلیت نہ ہو، اس کے پاس اس کام کے لئے کیوں جاتے ہو؟ ہر شخص سے وہ کام لو جس کام کی اہلیت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے۔

دین کے معاملات میں علماء سے مشورہ کریں

بہر حال، مشورہ کے لئے سب سے پہلا کام صحیح آدمی کی تلاش ہے۔ بعض اوقات دین کے معاملات میں لوگ ایسے لوگوں کے پاس مشورے کے لئے چلے جاتے ہیں جن کو دین کا علم نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس سے مشورہ لیا گیا اس نے غلط جواب دے دیا اور سوال کرنے والے نے اس پر عمل شروع کر دیا، خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرں کو بھی گمراہ کیا۔ مشورہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جا رہا ہے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ اب بہت سے لوگ میرے پاس تجارت کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے آجاتے ہیں کہ یہ تجارت کریں یا فلاں تجارت کریں۔ اب مجھے کیا معلوم کہ تجارت کیا ہوتی ہے اور کس کے لئے کون سی تجارت مفید ہے۔

مشورہ کے لئے اہلیت کی ضرورت

لہٰذا مشورہ کرنے سے پہلے اس کے اندر اہلیت دیکھو کہ یہ شخص اس بارے میں مشورہ دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اگر انجینئرنگ کا کوئی کام ہو اور وہ مشورہ کرنے کے لئے ڈاکٹر کے پاس چلا جائے، اور جب گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے انجینئر کے پاس چلا جائے، اب بتایئے وہ شخص احمق ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح جب دین کے معاملات میں کسی سے مشورہ لینے کے لئے جاؤ تو پہلے یہ دیکھو کہ جس سے مشورہ لے رہا ہوں ہو مستند عالمِ دین ہے یا نہیں؟ آج ہمارا پورا معاشرہ اس گمراہی کے اندر مبتلا ہے کہ دین کے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور مشورے کے لئے ایسے لوگوں کے پاس چلے جاتے ہیں جن کے پاس دین کا کما حقہ علم نہیں ہوتا، مثلاً کسی کے بارے میں یہ سن لیا کہ وہ بڑی لچھے دار تقریر کرتے ہیں، یا کسی کو دیکھ لیا کہ ان کا حلیہ بڑا بزرگانہ اور دیندارانہ ہے، بس ان سے دین کے بارے میں مشورے شروع کر دیئے اور ان سے فتوے پوچھنے شروع کر دیئے۔ یاد رکھئے! مشورے کے لئے غلط آدمی کا انتخاب انسان کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔

کن معاملات میں مشورہ کیا جائے؟

مشورے کے بارے میں دوسری بات سمجھنے کی یہ ہے کہ مشورہ کس چیز کے بارے میں کیا جائے؟ جو کام شریعت نے فرض قرار دے دیئے ہیں یا جو کام واجب قرار دے دیئے ہیں یا حرام کر دیئے ہیں تو ایسے تمام کام مشورے کا محل نہیں ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض و واجب قرار دے کر کرنے کا حکم دے دیا، وہ تو کرنے ہی ہیں، اور جن کاموں کو حرام قرار دے کر ان سے روک دیا، ان سے تو ضرور رکنا ہی ہے، ان میں مشورے کا کیا سوال؟ مثلاً کوئی شخص یہ مشورہ کرے کہ نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں، یا یہ مشورہ کرلے کہ شراب پیوں یا نہ پیوں؟ ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں مشورہ کرنا حماقت ہے، کیونکہ یہ کام مشورے کے محل ہی نہیں ہیں۔

''مشیر'' کا پہلا فرض: اہلیت ہونا

تیسری بات یہ ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اس کے کچھ فرائض ہیں۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ))(۱)

''جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے''

یہ مشورہ لینا ایسا ہے جیسے دوسرے کے پاس امانت رکھوادی۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور خیانت نہ کرے، لہٰذا جس شخص سے مشورہ لیا جارہا ہے اگر اس کو اس معاملے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، تو اس کو صاف صاف کہہ دینا چاہئے کہ مجھے اس بارے میں بصیرت حاصل نہیں ہے، اس لئے میں اس سلسلے میں مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوں۔ لیکن آج کل اگر کسی سے کسی معاملے میں مشورہ لیا جائے تو چاہے اس کو اس معاملے میں بصیرت ہو یا نہ ہو، لیکن کچھ نہ کچھ جواب اور مشورہ ضرور دے دیتے ہیں۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ مشورہ دینا امانت کی بات ہے، اور میں اس کا اہل نہیں، لہٰذا مشورہ لینے کے لئے ایسے آدمی کے پاس جاؤ جو مشورہ دینے کا اہل ہو۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الأدب، باب إن المستشار مؤتمن، رقم: ۲۷۴۷، سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی المشورة، رقم: ۴۴۶۳، سنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب المستشار مؤتمن، رقم: ۳۷۳۵، مسند أحمد، رقم: ۲۱۳۲۶، سنن الدارمی، کتاب السیر، باب فی المستشار مؤتمن، رقم: ۲۳۴۱

دوسرا فرض: امانت داری

اور اگر آپ کے اندر اہلیت ہے تو پھر مشورہ لینے والے کی پوری خیر خواہی مدِنظر رکھتے ہوئے اس کے مناسب جو مشورہ ذہن میں آئے، دیانت داری کے ساتھ اس کے سامنے بیان کر دے، اس مشورہ دینے میں اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اگر میں اس کو یہ مشورہ دوں گا تو شاید اس کا دل ٹوٹ جائے گا یا یہ مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جائے گا، کیونکہ جب اس نے مشورہ طلب کیا ہے تو اب اس کو وہ بات بتاؤ جو تمہارے نزدیک دیانتدارانہ طور پر اس کے حق میں خیر خواہی کی ہو، یہ نہ ہو کہ اس کو راضی اور خوش کرنے کے لئے اس کو غلط مشورہ دے دیا تاکہ وہ خوش ہو کر چلا جائے، چاہے وہ بعد میں گڑھے میں جا گرے اس کی پرواہ نہیں، یہ بات درست نہیں۔

مثلاً میرے پاس بعض لوگ کتاب لکھنے کے بارے میں مشورہ لینے کے لئے آتے ہیں۔ اب بظاہر اس کی دلداری کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور کتاب لکھنے پر اس کو مبارکباد دی جائے، لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ شخص کتاب لکھنے کا اہل نہیں ہے تو اس کو نرمی سے اور پیار سے سمجھا دیا کہ یہ کتاب لکھنا آپ کا کام نہیں، یہ آپ کا میدان نہیں ہے، آپ کوئی اور کام کریں۔ لہٰذا اس کے مناسب مشورہ یہی تھا، اب چاہے اس مشورے سے ناراض ہو یا خوش ہو۔

مشورہ دینے میں ضرورۃً غیبت جائز ہے

یا مثلاً کسی شخص نے رشتہ مانگنے کا مشورہ لیا کہ فلاں جگہ رشتہ کروں یا نہ کروں۔ اس وقت آپ کے نزدیک اس کے حق میں جو خیر خواہی کی بات ہو وہ بتادو، چاہے وہ راضی ہو چاہے ناراض ہو۔ اس کے بارے میں جتنی معلومات حاصل ہیں وہ بتادو۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس میں شریعت نے ''غیبت'' کو بھی معاف کیا ہے، مثلاً رشتہ کے معاملے میں کوئی شخص آپ سے مشورہ کر رہا ہے اور آپ کے علم میں اس کی کوئی بات خرابی اور عیب کی ہے اور آپ نے اس مشورہ لینے والے کو بتا دیا کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو اس سے غیبت کا گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ جو مشورہ لے رہا ہے اس کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتا دی جائے، یہ نہ سوچے کہ اگر میں اس کو بتادوں گا تو فلاں شخص ناراض ہو جائے گا، اس سے دشمنی کھڑی ہو جائے گی، اور اس وجہ سے خاموش رہے، یہ بات ٹھیک نہیں۔

بلکہ اس کو بتادے اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ میں آپ کی خیر خواہی کے تحت آپ کو بتا رہا ہوں، لیکن اگر اس کو علم ہو گیا کہ یہ بات میں نے بتائی ہے تو اس کو صدمہ ہوگا، لہٰذا آپ اس کو نہ بتائیں۔ حدیث کے الفاظ ((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ)) کے یہ معنی ہیں یعنی جس سے مشورہ لیا گیا ہے، وہ

امانت دار ہے، اور امانت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صحیح مشورہ دے۔

''مشیر'' کا تیسرا فرض: رازداری

اور ((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ)) کا ایک مطلب اور بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص تمہارے پاس مشورہ لینے کے لئے آیا ہے اس نے تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے، اپنے دل کی بات اس نے تم سے کہہ دی ہے، اپنی مشکل تمہارے سامنے رکھ دی ہے۔ اب یہ تمہارے اور اس کے درمیان رازداری کا معاملہ ہو گیا، تم اس کے امانت دار ہو، یہ نہ ہو کہ وہ تو آپ سے مشورہ لینے آیا اور اس نے اپنی کوئی الجھن آپ کے سامنے پیش کی، اب آپ نے ساری دنیا میں اس کو لوگوں کے سامنے گانا شروع کر دیا کہ فلاں شخص تو یہ بات کہہ رہا تھا، یا اس کے اندر تو یہ خرابی ہے۔ بھائی! جب اس نے تم سے مشورہ لیا ہے اور تمہیں اپنا ہمراز بنایا ہے تو اس کے راز کو راز رکھنا تمہارا فرض ہے، وہ تمہارے پاس امانت ہے، اب اس مشورے کی بات کو دوسرں سے ذکر کرنا راز کا افشاء کرنا ہے، جو گناہ ہے اور ایک مسلمان کو رُسوا کرنا ہے۔

مثلاً کوئی شخص اپنی کسی بیماری کے سلسلے میں آپ سے مشورہ کرنے آیا، آپ نے اس کو مشورہ دے دیا، تو اب اس بات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھو، اپنے اور اس کے درمیان محدود رکھو، کسی اور سے اس کا ذکر نہ کرو، کیونکہ وہ مشورہ تمہارے پاس اس کی امانت ہے، اس امانت کے اندر اگر تم خیانت کرو گے تو بہت بڑی خیانت ہو گی اور بہت بڑا گناہ ہو گا۔

راز فاش کرنا گناہ ہے

آج کل ہمارے معاشرے میں اس بارے میں کتنی خرابی پائی جاتی ہے اور مشورہ لینے دینے میں ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ بیچارہ ایک شخص آپ کو خیر خواہ سمجھ کر آپ سے مشورہ لینے کے لئے آیا تھا، تم نے اس کا راز افشاء کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اسی کے نتیجے میں جھگڑے، فسادات اور دشمنیاں پھیلتی ہیں، اور پھر آپس میں ناچاقیاں ہو جاتی ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے ((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ)) کہہ کر ان تمام چیزوں کا دروازہ بند کر دیا۔

چوتھا فرض: صحیح مشورہ دینا

پھر جانتے بوجھتے غلط مشورہ دینا، یعنی آپ جانتے ہیں کہ جو مشورہ میں دے رہا ہوں وہ صحیح نہیں، لیکن اس کی بدخواہی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آپ نے اس کو غلط مشورہ دے دیا تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا کہ جس شخص سے دوسرے بھائی نے مشورہ کیا اور اس نے اس کو

غلط مشورہ دے دیا تو فرمایا:

((فَقَدْ خَانَهُ))

''اس نے اس کی امانت میں خیانت کی''(۱)

یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص تمہارے پاس امانت کے طور پر پیسے رکھوائے اور تم ہڑپ کر جاؤ، جیسے ان پیسوں کو ہڑپ کرنا حرام ہے اسی طرح یہ بھی حرام ہے۔

''مشیر'' کا عمر میں بڑا ہونا ضروری نہیں

مشورے کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مشورے کے اندر اہلیت تو دیکھنی چاہئے، لیکن اس میں چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں ہے، یعنی مشورہ کرنے والا یہ نہ سوچے کہ میں بڑا ہوں، چھوٹے سے کیا مشورہ کروں، بلکہ جو بھی اہلیت رکھنے والا ہو اس سے مشورہ کرو۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک تمہارے ضابطے کے بڑے دنیا میں موجود ہوں اس وقت تک اپنے بڑوں سے مشورہ کرو، ضابطے کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بزرگی بعلم است نہ بسال

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی عمر میں بڑا ہے لیکن درجے میں چھوٹا ہے، اور ایک شخص عمر میں کم ہے لیکن درجے میں بڑا ہے۔

بڑے آپ، عمر میری زیادہ

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ رشتے میں آپ کے چچا تھے لیکن عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: چچا جان! میں بڑا ہوں یا آپ بڑے ہیں؟ مقصد یہ تھا کہ کس کی عمر زیادہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت جواب دیا۔ فرمایا کہ بڑے تو آپ ہی ہیں، عمر میری زیادہ ہے۔(۲)

بہر حال، عمر میں بڑا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان درجے میں بھی بڑا ہو، چھوٹے کا علم

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب العلم، باب التوقي في الفتيا، رقم: ۳۱۷۲، مسند أحمد، رقم: ۷۹۱۸

(۲) قيل للعباس بن عبد المطلب: أيما أكبر أنت أم النبي صلى الله عليه وسلم؟ فقال: "هو أكبر مني وأنا ولدت قبله" كنز العمال، رقم: ۳۷۳۴۸ (۱۳/۴۶۸)، مصنف ابن أبي شيبة (۸/۴۸)، المستدرك للحاكم، رقم: ۵۴۰۵ (۱۲/۳۲۵)

زیادہ ہوسکتا ہے، چھوٹے کا تقویٰ زیادہ ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں چھوٹے کی فضیلت زیادہ ہوسکتی ہے۔ اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "ضابطے کے بڑے" اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن ضابطے میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بڑا بنایا ہے جیسے بیٹے کے لئے باپ، شاگرد کے لئے استاد، مرید کے لئے شیخ، چھوٹے بھائی کے لئے بڑا بھائی، یہ ضابطے کے بڑے ہیں، جب تک یہ زندہ ہوں ان سے مشورہ کرو۔

ہم عمروں اور چھوٹوں سے مشورہ

پھر فرمایا: جب ضابطے کے بڑے موجود نہ رہیں تو اپنے برابر کے لوگوں سے مشورہ کرو، اور جب اپنے برابر کے لوگ بھی موجود نہ رہیں تو اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرو۔ اور یہ دیکھئے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾(۱)

اب ظاہر ہے کہ آپ سے درجے میں کوئی دوسرا شخص تو بڑا ہوسکتا نہیں، لیکن آپ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ صحابہ کرام سے مشورہ کریں۔ اس کے ذریعہ یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ بڑے کو بھی اپنے آپ کو مشورے سے بے نیاز نہیں سمجھنا چاہئے، چاہے چھوٹوں سے مشورہ کرنا پڑے، لیکن پھر بھی مشورہ کرے۔ مشورے میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ لہٰذا مشورہ لیتے وقت یہ نہ دیکھو کہ جس سے میں مشورہ لے رہا ہوں یہ بڑا ہے یا چھوٹا ہے۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا بھی ایسا مشورہ دے دیتا ہے کہ بڑے کے ذہن میں وہ بات نہیں آتی۔ دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھا، اور جب مکہ مکرمہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے آپ کو اور صحابہ کرام کو روک دیا اور کہا کہ ہم آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اب صحابہ کرام عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں، اور احرام باندھ کر آئے ہوئے ہیں، جب کفارِ مکہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا تو صحابہ کرام کو غصہ آ گیا کہ یہ لوگ عمرہ کی عبادت ادا کرنے میں رکاوٹ بن رہے ہیں، بالآخر مذاکرات ہوئے اور مذاکرات کے نتیجے میں صلح ہوگئی، اور صلح اس بات پر ہوئی کہ اس مرتبہ تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام واپس مدینہ منورہ چلے جائیں، اس مرتبہ

(۱) آل عمران: ۱۵۹

عمرہ نہیں کریں گے اور آئندہ سال اس عمرے کی قضا کریں گے۔

اب بظاہر کفارِ قریش کا یہ مطالبہ بالکل غلط تھا، کیونکہ یہ حضرات حرم کے دروازے تک پہنچے ہوئے ہیں، پھر بھی ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ یہیں سے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ ادا کرنے کے لئے آئیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لئے دبی ہوئی شرائط تھیں، لیکن چونکہ حضورِ اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم تھا کہ اس وقت ان کی یہ شرائط مان لی جائیں اگرچہ مسلمانوں کے لئے وہ دبی ہوئی شرائط ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے مان لیں، اس مان لینے میں بھی بہت سی حکمتیں تھیں۔

چونکہ حضورِ اقدس ﷺ اور صحابہ کرام حالتِ احرام میں تھے، اس لئے یہاں سے شریعت کا یہ مسئلہ سامنے آیا کہ جب کوئی احرام باندھ کر آئے اور پھر اس کے لئے عمرہ کرنا ممکن نہ رہے اور کوئی دشمن روک دے تو اس وقت اس کو کیا کرنا چاہئے اور کس طرح احرام کھولنا چاہئے؟ اس وقت قرآن کریم کے ذریعہ یہ حکم نازل ہوا کہ اگر یہ صورت پیش آئے تو ایک جانور قربان کرنے کے لئے حرم بھیج دو، جس وقت وہ جانور حرم میں ذبح ہو جائے اس وقت محرم اپنے سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دے۔ چنانچہ حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ سب اپنے اپنے جانور حرم بھیج دیں اور جانور ذبح ہو جانے کے بعد احرام کھول دیں۔ صحابہ کرام نے جانور بھیج دیئے اور ان کی قربانی ہوگئی۔

پھر حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے سر منڈوا دو اور احرام کھول دو، تاکہ پھر مدینہ منورہ واپس چلیں۔ لیکن صحابہ کرام میں سے کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ شاید پوری سیرتِ طیبہ کے دور میں یہ ایک واقعہ ایسا ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ کرام کو کسی کام کا حکم دیا اور صحابہ کرام اس کے لئے آگے نہیں بڑھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ صحابہ کرام کی طبیعت میں یہ جوشیلے جذبات تھے کہ اگر ہم چاہیں تو قریشِ مکہ کو مزہ چکھا دیں اور ان پر حملہ کر کے زبردستی عمرہ کر لیں۔ اس قسم کے جذبات کی وجہ سے آپ کا حکم ماننے کے لئے اور احرام کھولنے اور سر منڈوانے کے لئے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے دوبارہ صحابہ کرام کو حکم دیا کہ سر منڈوا کر احرام کھول دیں، لیکن پھر بھی کوئی اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھا۔ یہ وہ صحابہ ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کی طرف سے بات چیت کرنے کے لئے جو ایلچی آیا تھا، اس نے واپس جا کر لوگوں کو بتایا کہ میں نے صحابہ کرام کا عجیب منظر دیکھا، وہ یہ کہ جب حضورِ اقدس ﷺ وضو فرماتے ہیں تو وضو کا پانی ابھی زمین پر نہیں گرتا کہ اس سے پہلے ہی صحابہ کرام اس کو لے کر اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں، اور آپ کا تھوک زمین پر نہیں گرتا، بلکہ صحابہ کرام آگے بڑھ کر اس کو اپنے جسم پر مل لیتے ہیں، ایسے فدا کار صحابہ کرام ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ ان سے احرام کھولنے کے لئے فرما رہے ہیں لیکن احرام کھولنے کے

لئے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ کرنا

اس کے بعد آپؐ اپنے خیمے کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کی زوجۂ مطہرہ اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں آپ کے ساتھ تھیں، آپ نے جاکر ان سے فرمایا کہ آج میں نے عجیب معاملہ دیکھا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، یہ وہ لوگ ہیں جو میرے ایک اشارے پر جان چھڑکنے کے لئے تیار ہیں، لیکن آج میں نے دو مرتبہ احرام کھولنے کے لئے کہا لیکن کوئی بھی احرام کھولنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ گویا کہ آپ نے اس بارے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ حالانکہ وہ آپ سے چھوٹی ہیں، ان کو آپ سے کیا نسبت؟ لیکن چونکہ مشورہ کا حکم ہے اس لئے ان سے مشورہ کیا۔ بہر حال! حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ حضرات صحابہ جذبات اور جوش کے عالم میں مغلوب ہیں، اس لئے آپ ان کے اس طرزِ عمل کا خیال مت کیجئے، کیونکہ ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، اور بار بار ان کو کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ ایک کام کیجئے! وہ یہ کہ آپ باہر تشریف لے جائیں اور خود اپنا سر منڈوا کر اپنا احرام کھول دیں، پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

اس مشورے کا نتیجہ

آپ نے ان سے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ خیمے سے باہر تشریف لے گئے، اور ایک صحابی کو بلا کر خود حلق کرانا شروع کر دیا، بس آپ کے حلق کرانے کی دیر تھی کہ صحابہ کرام نے ایک دوسرے کے سر حلق کرنے شروع کر دیئے اور احرام کھولنا شروع کر دیا، اور یہ سوچا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کھول دیا تو ہم آپ سے زیادہ غیرت کرنے والے کون ہیں۔ (۱)

اب دیکھئے کہ یہ مشورہ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے دیا۔ چنانچہ انہی حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ عاقلات میں سے تھیں، یعنی ان خواتین میں سے تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور فہم وفراست کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا، اور یہ مشورہ ان کے اعلیٰ فہم کی دلیل ہے، اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نفسیات کو سمجھتی تھیں کہ جب یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام کرتا ہوا دیکھیں گے تو پھر ان سے نہیں رہا جائے گا بلکہ فوراً آپ کی اتباع میں وہ کام کرنا شروع کر دیں گے۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، رقم: ۲۵۲۹، مسند أحمد، رقم: ۱۸۱۶۶، جامع الأصول من أحاديث الرسول، رقم: ۶۱۰۸ (۶۱۸۳/۱)

بہر حال! حضورِ اقدس ﷺ نے اپنے سے چھوٹے سے مشورہ کیا۔ اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں وہ بات آگئی جو ابتداءً حضورِ اقدس ﷺ کے ذہن میں نہیں آئی۔ بہر حال! اس واقعے سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ چھوٹے سے مشورہ کرنا بھی شریعت کا تقاضا ہے۔ اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ چھوٹے کے دل میں وہ بات ڈال دیتے ہیں جو بڑوں کے دل میں بھی نہیں آتی۔ نہ جانے کتنے مواقع پر حضورِ اقدس ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ لہٰذا چھوٹے سے مشورہ کرتے ہوئے عار اور شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

جذبات کی تسکین کا نام ''دین'' نہیں ''دین'' اتباع کا نام ہے

حدیبیہ کے اس واقعہ سے ایک دوسرا بڑا عظیم الشان سبق بھی ملتا ہے، وہ یہ کہ اپنے جذبات کی تسکین کا نام ''دین'' نہیں ہے، اپنے جوش کو ٹھنڈا کرنے کا نام ''دین'' نہیں ہے، بلکہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع کا نام ہے، خواہ جذبات کچھ بھی ہوں، مگر اس وقت میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کا جو مطالبہ ہے وہ کرو، یہی دین ہے۔ اب دیکھئے! صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کے جذبات تو یہ تھے کہ کفار سے مقابلہ ہو جائے اور ہم بزدلی میں مبتلا ہو کر ان کی دبی ہوئی شرائط کو کیوں مانیں؟ لیکن جب حضورِ اقدس نبی کریم ﷺ کا عمل دیکھا تو سارے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔

لیڈر اور قائد کیسا ہو

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ بڑی پیاری بات فرمایا کرتے تھے، وہ یہ کہ لیڈر اور قائد وہ ہوتا ہے جو عوام کو جس طرح جوش دلا کر چڑھائے، اسی طرح ان کا جوش اُتار بھی سکے، یہ نہ ہو کہ بانس پر چڑھا تو دیا لیکن جب اُتارنے کا وقت آیا تو خود بے قابو ہو گئے۔ عوام کے اندر جوش و خروش پیدا کر دیا، اور اس کے نتیجے میں لوگ قابو سے باہر ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر قائد عوام کے پیچھے چلتا ہے، اور عوام جو کہتی ہے وہی وہ کرتا ہے، حالانکہ قائد کا کام تو رہنمائی کرنا ہے، اگر لوگ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو ان کی رہنمائی کرے۔ لہٰذا قائد وہ ہے جو عوام کو جوش دلا کر چڑھائے تو اُتار بھی سکے۔

قائد ہو تو ایسا......

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں حضورِ اقدس ﷺ نے جذبۂ جہاد پیدا فرمایا، لیکن جب جہاد کا

موقع نہیں تھا جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر تو پھر ان کو اس طرح اُتار دیا کہ ایک صحابی نے بھی اس موقع پر ایک تلوار نہیں لہرائی۔ اس سے پتہ چلا کہ دین درحقیقت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع کا نام ہے، اس وقت مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ کا کیا مطالبہ ہے؟ اس مطالبے کو پورا کرنے کا نام دین ہے، اپنے جذبات اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے کہا وہ کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا نمونہ بن کر دکھا دیا کہ جب غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں فدا کاری اور جاںنثاری کا موقع آیا تو وہاں پہاڑوں کی مانند ڈٹ گئے، اور جہاں پیچھے ہٹنے کا موقع آیا جیسے صلح حدیبیہ پر تو وہاں پر حضورِ اقدس ﷺ کے حکم کے عین مطابق پیچھے ہٹ گئے۔ اسی کا نام دین ہے۔ بہرحال! بات یہ چل رہی تھی کہ مشورہ چھوٹوں سے بھی ہوتا ہے۔

مشورہ پر عمل ضروری نہیں

مشورہ کے بارے میں ایک اور مسئلہ سنئے! وہ یہ کہ مشورہ لینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ مشورہ لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک صاحبِ بصیرت شخص کی رائے سامنے آجائے، لیکن جس نے مشورہ لیا ہے وہ آپ کے مشورے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے، اگر اس کے دل میں وہ مشورہ اُتر جائے تو اس پر عمل کرے، اور اگر اس کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ یہ مشورہ تو مناسب معلوم نہیں ہو رہا ہے تو اس مشورے پر عمل نہ کرے، شرعی اعتبار سے اس کو اختیار ہے۔ اب مثلاً فرض کریں کہ آپ نے کسی کو کسی بات پر مشورہ دیا اور اس نے اس مشورے پر عمل نہیں کیا تو اس میں ناراض ہونے کی کوئی بات نہیں کہ اس نے ہماری بات نہیں رکھی اور ہماری بات نہیں مانی یا ہمارا مشورہ قبول نہیں کیا، اس لئے کہ مشورہ کا مقصد تو آپ کی رائے معلوم کرنی تھی، وہ معلوم ہوگئی، اب اس کو اختیار ہے، چاہے اس مشورے پر عمل کرے اور چاہے عمل نہ کرے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضورِ اقدس ﷺ سے زیادہ کون اس دنیا میں صاحب الرائے ہوگا، لیکن ایک صحابیہ تھیں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، یہ پہلے باندی تھیں، بعد میں مسلمان ہوگئی تھیں، ان کے آقا نے ان کا نکاح حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی کی باندی ہو تو آقا اس کا ولی اور سرپرست ہوتا ہے، اور آقا کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنی باندی کا جس سے چاہے نکاح کر دے، وہ باندی منع نہیں کر سکتی۔ بہرحال! آقا نے ان کا نکاح کر دیا، اور کچھ عرصہ کے بعد آقا نے ان کو آزاد کر دیا۔ اور شریعت کا دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر باندی آزاد کر دی جائے اور آقا نے اس کا نکاح پہلے کسی سے کر رکھا

ہو تو باندی کو آزادی کے بعد اختیار ملتا ہے کہ چاہے اس نکاح کو برقرار رکھے یا چاہے تو ختم کر دے۔ چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد ہوئیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کا یہ حکم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا کہ اب تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو اپنے شوہر کے نکاح میں رہو اور چاہو تو علیحدگی اختیار کر لو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر سے خوش نہیں تھیں، اس لئے انہوں نے علیحدگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو ان سے بہت محبت تھی، وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت بریرہ اس نکاح کو ختم نہ کریں بلکہ باقی رکھیں۔

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی حالتِ زار

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے جا رہے ہوتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوتے تھے، اور ان سے کہہ رہے ہوتے تھے کہ خدا کے لئے میرے ساتھ نکاح کو ختم نہ کریں۔ لیکن حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نہیں مان رہی تھیں۔

آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟

بالآخر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ حضرت بریرہ نکاح ختم نہ کریں، لیکن ان کا ارادہ نکاح ختم کرنے کا ہے، آپ کچھ سفارش فرما دیں کہ یہ میرے ساتھ نکاح کو برقرار رکھیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ نکاح کیوں برقرار نہیں رکھتیں، اس نکاح کو برقرار رکھو۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ حضور! آپ یہ جو فرما رہے ہیں کہ اس نکاح کو برقرار رکھو، یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے؟ اگر حکم ہے تو مجھے سرتابی کرنے کی مجال نہیں، پھر تو یقیناً اس حکم کو مانوں گی اور اس نکاح کو برقرار رکھوں گی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرا حکم نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: پھر تو میں آزاد ہوں کہ اس مشورے کو قبول کروں یا نہ کروں۔ بات یہ ہے کہ ان کے ساتھ میری زندگی گزرنی مشکل ہے، اس لئے میں ان سے علیحدگی اختیار کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ (۱)

(۱) صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب شفاعة النبی فی زوج بریرة، رقم: ٤٨٧٥، سنن النسائی، کتاب آداب القضاة، باب شفاعة الحاکم للخصوم قبل فصل الحکم، رقم: ٥٣٢٢، سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب خیار الأمة إذا أعتقت، رقم: ٢٠٦٥

صحابیات کی فراست

اب آپ صحابیات کی فہم وفراست دیکھئے! ایک طرف نبی کریم ﷺ کی عظمت کا بھی حق ادا فرمایا اور آپ سے یہ پوچھ لیا کہ اگر آپ کا یہ حکم ہے تو پھر اپنی رائے، اپنی خواہش، اپنے جذبات، ہر چیز کو آپ کے حکم پر قربان کردوں گی۔ لیکن اگر آپ کا مشورہ ہے تو مشورہ کے اندر شریعت نے اختیار دیا ہے کہ چاہے مشورہ پر عمل کریں یا عمل نہ کریں، لہٰذا مشورہ کی صورت میں میں اپنی رائے کو اختیار کروں گی۔ چنانچہ خود حضورِاقدس ﷺ نے بھی اس بات کا برانہیں منایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اے بریرہ! تم نے ہمارے مشورے کو بھی نہیں مانا؟ ہمارے مشورے کو قبول نہیں کیا؟ کوئی برانہیں منایا، بلکہ ایک اعتبار سے ان کے اس فعل کی توثیق فرمائی۔

''حکم'' اور ''مشورے'' میں فرق

اور شریعت کا یہ حکم بتادیا کہ جب کوئی بڑا کسی کام کو کہے تو پہلے یہ اندازہ کرلو کہ آیا وہ حکم دے رہا ہے یا مشورہ دے رہا ہے، اگر حکم دے رہا ہے تو اس کی بات ماننی چاہئے، مثلاً باپ یا استاد یا شیخ کسی بات کا حکم دے رہے ہیں تو ان کی بات ماننی چاہئے، لیکن اگر مشورہ دے رہے ہیں تو مشورے کے اندر دونوں راستے کھلے ہیں۔ لہٰذا جب حضورِاقدس ﷺ نے اپنا مشورہ نہ ماننے پر برانہیں منایا تو ہم اور آپ کیوں برا مناتے ہیں کہ میں نے فلاں کو یہ مشورہ دیا تھا لیکن ہمارا مشورہ نہیں مانا گیا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ دوسرے کو مشورہ دیتے وقت یہ ذہن میں نہ رکھیں کہ وہ ہمارا مشورہ مانتا ہے یا نہیں مانتا، بس اپنی طرف سے آپ صرف اس بات کے مکلّف ہیں کہ دیانتدارانہ طور پر اس کی خیرخواہی کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو مشورہ دینا چاہیں وہ دے دیں، آگے اس کو اختیار ہے۔ اور آپ سے آخرت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے آپ کے مشورے پر کیوں عمل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو داروغہ نہیں بنایا ہے، آپ کا فرض ادا ہوگیا، اب اس کا کام ہے کہ وہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو

خلاصہ

یہ مشورے کے آداب ہیں جو ہمیں قرآن کریم نے سکھائے ہیں، اور نبی کریم ﷺ کی سنت نے ہمیں سکھائے ہیں۔ ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے مشورہ لیا جائے اور مشورہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، پھر اس مشورے سے کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے کوئی ناچاقی، عداوت اور اختلافات پیدا نہیں ہوتے، لیکن جب ان احکام کو نظرانداز کردیا جاتا ہے تو پھر لوگوں کے درمیان اس کی وجہ سے ناچاقیاں اور عداوتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سو کر اُٹھنے کی مسنون دُعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۝﴾(۱)

جناب رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر جو دعائیں ارشاد فرمائیں، ان دعاؤں کی تھوڑی تھوڑی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے وہ دعا جو بیدار ہوتے وقت پڑھنا منقول ہے، اس کی تھوڑی سی تشریح عرض کرتا ہوں۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب صبح کے وقت بیدار ہوتے تو یہ کلمات فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ))(۲)

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف زندہ ہو کر جانا ہے"

اس دعا میں ایک طرف تو اس بات پر شکر ادا ہو رہا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی مل گئی، کیونکہ ہو سکتا تھا کہ میں سوتے سوتے مر جاتا جیسے بہت سے لوگ سوتے سوتے مر جاتے ہیں، لیکن اے اللہ! آپ نے مرنے کے بعد مجھے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ دوسری طرف اس دعا میں اس بات کا

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/الف تا ز)

(۱) البقرة: ۱۸٦، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا نام، رقم: ۵۸۳۷، صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ۴۸۸٦، سنن الأدب، باب ما يقال عند النوم، رقم: ۴۳۹۰، سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء باب ما يدعو به إذا انتبه من الليل، رقم: ۳۸۷۰، مسند أحمد، رقم: ۱۰۷۸۴

استحضار ہو رہا ہے کہ یہ زندگی جو مل گئی ہے، یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک وقت مجھے ضرور اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

وہ شخص کیسا دن گزارے گا؟

لہٰذا جو شخص صبح اُٹھتے ہی اپنے اللہ کو یاد کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے اور جو زندگی ملی ہے اس کو نعمت سمجھ رہا ہے اور ساتھ میں یہ بھی سمجھ رہا ہے کہ یہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے بلکہ ایک وقت مجھے یہاں سے جانا بھی ہے، اگر ایک شخص صبح اُٹھ کر یہ باتیں سوچے گا تو ایسا شخص اس دن کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں گزارنے کی کوشش کرے گا۔

وہ شخص ناکام نہیں ہوگا

جب ایک شخص نے صبح اُٹھتے ہی کوئی کام نہیں کیا، نہ ابھی وضو کیا، نہ کسی سے بات کی، نہ کوئی اور کام کیا بلکہ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور یہ دعا پڑھ لی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ))

کیا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نامراد کریں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ناکام کریں گے جو صبح اُٹھ کر سب سے پہلے یہ کہتا ہے کہ یا اللہ! میں کسی سے تعلق قائم نہیں کرتا بلکہ سب سے پہلے آپ سے تعلق جوڑتا ہوں۔

فرشتے اور شیطان کا مقابلہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بندہ صبح بیدار ہوتا ہے تو بیدار ہوتے ہی اس کے پاس ایک فرشتہ اور ایک شیطان پہنچ جاتا ہے۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص میرا بن جائے اور صبح سے ہی میں اس کو اپنے قابو میں کرلوں اور اپنے ماتحت کرلوں اور یہ شخص میرے حکم پر چلے، جبکہ فرشتہ یہ چاہتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دن گزارے۔ پھر دونوں میں مقابلہ ہوتا ہے کہ دیکھیں یہ شخص شیطان کی بات مانتا ہے یا فرشتے کی بات مانتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر اس وقت وہ بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلے تو شیطان نامراد ہو جاتا ہے کہ اب یہ میرا بندہ نہیں رہا، اس نے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرلیا، لہٰذا اب میرا اس کے اُوپر بس نہیں چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور شیطان نامراد ہو جاتا ہے۔

رات کو پھر مقابلہ

اسی طرح رات کو جب بندہ سونے کا ارادہ کرتا ہے اور بستر کی طرف جانے لگتا ہے تو اس وقت بھی ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کے پاس آجاتے ہیں۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ یہ میرا بندہ بن کر سوئے تاکہ رات کو اگر اس کا انتقال ہوجائے تو میں اس کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جاؤں۔ لیکن اگر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوتا ہے تو شیطان نامراد ہوجاتا ہے کہ اب اس کے اوپر میرا داؤ نہیں چلے گا(۱)

یہ بات حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ اس لئے فرمایا کہ صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلو۔

صبح کی دعا

وہ اللہ کا بندہ جس نے صبح سب سے پہلے اٹھتے ہی اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرلیا اور پھر اس کے بعد بھی جو کام کر رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر کر رہا ہے، جب صبح ہو رہی ہے تو یہ دعا کر رہا ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَى وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ))(۲)

اے اللہ! یہ جو صبح ہو رہی ہے، یہ آپ کی بدولت ہو رہی ہے، اگر آپ کی رحمت نہ ہوتی تو یہ صبح کہاں سے آتی۔ ذرا غور کریں کہ ان الفاظ میں کیا کیا معانی پوشیدہ ہیں، ایک یہ کہ سوتے سوتے ہمارا انتقال نہیں ہوا، ہم مرے نہیں، کتنے لوگ ہیں جو سوتے سوتے مرجاتے ہیں۔

دن کی روشنی اللہ تعالیٰ کی نعمت

دوسرے یہ کہ یہ جو صبح ہوئی، کیا ہمارے بس میں تھا کہ اس صبح کو لے آتے، اگر رات کا اندھیرا

---

(۱) كنز العمال، رقم: ٤١٣٠٦ (١٥/٥٥٠)، المستدرك للحاكم، رقم: ١٩٦٩ (٥/٦٧)، جامع الأحاديث، رقم: ٣٦٧١٩ (٣٤/١٠)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٤/٣٩٣)، مسند أبى يعلى، رقم: ١٧٩١ (٣/٣٢٦)

(۲) سنن الترمذى، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء فى الدعاء إذا أصبح وإذا أمسى، رقم: ٣٣١٣، سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، رقم: ٤٤٠٦، سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب ما يدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسى، رقم: ٣٨٥٨، مسند أحمد، رقم: ٨٢٩٥، اس مسنون دعا کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ! ہم آپ کے نام سے صبح کرتے ہیں اور آپ ہی کے نام سے شام کرتے، آپ کی مرضی سے ہم جیتے ہیں اور آپ کی ہی مرضی سے ہم مریں گے اور ہمیں آپ کی طرف لوٹ کر آنا ہے"

چھپا ہوا ہوتا اور چھپا ہی رہتا تو کیا ہمارے بس میں تھا کہ ہم روشنی نکال لاتے؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيكُم بِضِيَآءٍ﴾(۱)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر دائمی طور پر رات مسلط کردے تو کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جو تمہارے پاس روشنی لے کر آئے۔ یا اللہ! یہ صبح آپ کے تخلیق کردہ نظام کے تحت ہو رہی ہے، آپ نے ایسا نظام مقرر کردیا ہے کہ جب سورج غروب ہوتا ہے تو ستارے نکل آتے ہیں، پھر جب ستارے غروب ہوتے ہیں تو سورج نکل آتا ہے۔ اس دعا میں اسی طرف اشارہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ))

آخر میں فرمایا: وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔ اس جملے سے یہ بات یاد دلائی جارہی ہے کہ آخر میں اے اللہ! آپ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

شام کی دعا

پھر جب شام ہوجائے تو یہ دعا پڑھو:

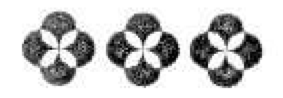
((اَللّٰهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ))

یا اللہ! یہ جو شام ہوئی، یہ بھی آپ کی بدولت ہوئی اور جو صبح ہوئی تھی وہ بھی آپ کی بدولت ہوئی تھی، ہم آپ کی بدولت زندہ ہیں اور آپ کی بدولت مرتے ہیں، آخر میں آپ کی طرف ہمارا ٹھکانہ ہوگا۔

ایسا شخص محروم نہیں ہوگا

جب بندہ صبح شام اس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو محروم کردیں گے؟ ایسا بندہ کبھی محروم نہیں ہوسکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بہرحال! حضور اقدس ﷺ نے جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان کا اہتمام کریں، خود بھی ان کو یاد کریں اور اپنے بچوں کو بچپن سے ان اذکار کے پڑھنے کی عادت ڈالیں اور ان دعاؤں پر کبھی کبھی ترجمہ کے ساتھ غور کیا کریں کہ معانی کی عجیب کائنات ان کے اندر پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



(۱) القصص: ۷۱

بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلنے کی دعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾(۱)

جناب رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان دعاؤں کی تھوڑی تھوڑی تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے پہلی دعا جو سرکارِ دو عالم ﷺ سے بیدار ہوتے وقت پڑھنا منقول ہے، اس کی تھوڑی سی تشریح پچھلے جمعہ میں عرض کی تھی۔

بیت الخلاء میں جانے کی دعا

بیدار ہونے کے بعد عام طور پر انسان کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے یہ تلقین فرمائی ہے کہ جب آدمی قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء میں جانے لگے تو داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))(۲)

"اے اللہ! میں خبیث مذکر مخلوقات سے اور خبیث مؤنث مخلوقات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں"

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۴۱ تا ۵۲)، قبل از نمازِ جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب ما یقول عند الخلاء، رقم: ۱۳۹، صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب ما یقول إذا أراد دخول الخلاء، رقم: ۵۶۳، سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب ما یقول إذا دخل الخلاء، رقم: ٦، سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب القول عن دخول الخلاء، رقم: ۱۹، سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم: ٤، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما یقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم: ۲۹۲

دین اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ ان مواقع پر جہاں پر انسان ذکر کرتے ہوئے شرماتا ہے، وہاں کے لئے بھی حضور اقدس ﷺ نے کوئی نہ کوئی دعا اور کوئی نہ کوئی ذکر تلقین فرمایا ہے، تاکہ اس موقع پر بھی انسان کا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ قائم رہے۔

خبیث مخلوقات سے پناہ مانگنے کی حکمت

اس دعا میں خبیث مذکر اور خبیث مؤنث مخلوقات سے پناہ مانگنے کی جو تلقین فرمائی گئی ہے، اس کی حکمت نبی کریم ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمائی:

((إِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ فَإِذَا أَتٰى أَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ))(۱)

یعنی وہ مقامات جہاں انسان قضاء حاجت کے لئے جاتا ہے، وہ شیاطین کی آماجگاہ ہوتے ہیں، کیونکہ شیاطین عام طور پر گندے اور ناپاک مقامات پر پائے جاتے ہیں، اور چونکہ یہ خود خبیث مخلوق ہے، اس لئے گندی جگہ کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تم ان گندے مقامات پر جاؤ تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ، کیونکہ وہ شیاطین بسا اوقات تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

شیاطین جسمانی نقصان پہنچاتے ہیں

اب سوال یہ ہے کہ یہ شیاطین انسان کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس کی تفصیل تو نبی کریم ﷺ نے بیان نہیں فرمائی، لیکن دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین جسمانی طور پر بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور روحانی طور پر بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جسمانی نقصان یہ پہنچا سکتے ہیں کہ تمہیں ظاہری گندگی میں ملوث کر دیں اور اس کے نتیجے میں تمہارے کپڑے اور جسم ناپاک ہو جائیں۔ اور بعض اوقات جسمانی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں، چنانچہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شیاطین نے ان گندے مقامات پر باقاعدہ کسی انسان پر حملہ کیا اور بالآخر اس کو موت کے منہ میں پہنچا دیا۔

بہر حال! ان مقامات پر اس بات کا احتمال ہے کہ شیاطین کی طرف سے انسان کی صحت کو نقصان پہنچانے والے کام سرزد ہوں۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے جراثیم شیاطین ہی کا

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم: ٥، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم: ٢٩٢، مسند أحمد، رقم: ١٨٤٨٣

ایک حصہ ہوتے ہیں، لہٰذا ان مقامات پر انسان کی صحت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے اور جسمانی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔

شیاطین روحانی نقصان پہنچاتے ہیں

اس کے علاوہ شیاطین روحانی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں، وہ اس طرح کہ ان مقامات پر شیاطین موجود ہوتے ہیں اور انسان وہاں پر ستر کھلا ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، اس وقت شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے، غلط قسم کے خیالات، غلط قسم کی خواہشات، غلط قسم کی آرزوئیں انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، چنانچہ ان مقامات پر انسان کے سفلی جذبات، سفلی خواہشات زیادہ زور دکھاتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی پناہ شاملِ حال نہ ہو تو انسان ان مقامات پر گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔

اس وجہ سے نبی کریم ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے تم اللہ جل شانہ کی پناہ میں آجاؤ اور یہ کہو کہ یا اللہ! میں ایسی جگہ پر جارہا ہوں جہاں شیاطین کا اجتماع ہوگا اور جہاں شیاطین انسان کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں، اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں تاکہ ان شیاطین کے شر سے محفوظ رہوں۔

اس دعا کے پڑھنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگئے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمہارا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ جڑ گیا، اس گندی حالت میں بھی انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے ہے، اس کے نتیجے میں وہ انشاء اللہ وہاں پر گناہوں سے اور غلط کاموں سے محفوظ رہے گا۔

بایاں پاؤں پہلے داخل کرنا

اور حضورِ اقدس ﷺ نے یہ بھی سنت قرار دیا کہ جب آدمی بیت الخلاء میں داخل ہو تو پہلے بایاں پاؤں اندر داخل کرے اور اندر داخل ہونے سے پہلے وہ دعا پڑھ لے جو اُوپر گزری۔

بیت الخلاء سے نکلتے وقت کی دعا

پھر انسان جب فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر نکلے تو اس وقت کے لئے حضورِ اقدس ﷺ نے دوسری دعا تلقین فرمائی اور دوسرا ادب بیان فرمایا۔ وہ یہ کہ جب باہر نکلنے لگو تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالو اور پھر یہ دعا پڑھو:

((غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ))[1]

"غُفْرَانَكَ" کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ کس چیز سے مغفرت مانگتا ہوں؟ اس لئے کہ اس موقع پر بظاہر کسی گناہ کا ارتکاب تو نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر دو باتوں سے مغفرت مانگتا ہوں۔ ایک اس بات سے کہ اس وقت میں جس حالت میں تھا، ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلط عمل سرزد ہوگیا ہو، اس سے مغفرت مانگتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ پر جتنے انعامات فرمائے ہیں، میں ان انعامات پر شکر کا حق ادا نہیں کرپایا، اب ایک نعمت اور مجھے حاصل ہوگئی ہے۔

جسم سے گندگی کا نکل جانا نعمت ہے

کیونکہ جسم سے نجاست کا نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ اب اس وقت اے اللہ! آپ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس نعمت کے شکر کا حق ادا نہیں کرسکتا، اس پر میں آپ سے پہلے ہی مغفرت مانگتا ہوں۔ مغفرت مانگنے کے بعد یہ دعا فرمائی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ))

یعنی اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ سے گندگی کو دور کردیا اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔ اگر اس دعا میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اس مختصر سی دعا میں نبی کریم ﷺ نے معانی کی عظیم کائنات بیان فرمادی ہے۔

بیت الخلاء سے نکلنے کی ایک اور دعا

اس کے علاوہ ایک اور روایت میں حضورِ اقدس ﷺ سے دوسری دعا بھی منقول ہے جس میں اس سے زیادہ وضاحت ہے۔ وہ یہ کہ حضورِ اقدس ﷺ جب بیت الخلاء سے واپس تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے:

---

(۱) جب نبی کریم ﷺ بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو بعض اوقات صرف "غُفْرَانَكَ" کہتے: سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب ما یقول إذا خرج من الخلاء، رقم: ۷، سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل إذا خرج من الخلاء، رقم: ۲۸، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما یقول إذا خرج من الخلاء، رقم: ۲۹۶، مسند أحمد، رقم: ۲٤۰٦۳- اور بعض اوقات یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذی أذهب عنی الأذی وعافانی: سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما یقول إذا خرج من الخلاء، رقم: ۲۹۷

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذَاقَنِیْ لَذَّتَهٗ وَاَبْقٰی فِیَّ قُوَّتَهٗ وَاَذْهَبَ عَنِّیْ اَذَاهُ))(۱)

اس دعا میں عجیب وغریب فقرے ہیں، ایسے فقرے کہنا پیغمبر کے علاوہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کھانے کی لذت عطا فرمائی اور اس کھانے میں جو قوت والے اجزاء تھے اور جو میرے جسم کو طاقت بخش سکتے تھے، وہ اجزاء میرے جسم میں باقی رکھے اور جو اجزاء تکلیف دہ اور گندے تھے، وہ میرے جسم سے دور کر دیئے۔ آپ غور کریں کہ انسان دن رات یہ کام کرتا رہتا ہے لیکن اس کے نعمت ہونے کی طرف دھیان نہیں جاتا۔

زبان کے ذائقے کے لئے کھاتے ہیں

ہم جب کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے پیش نظر صرف زبان کا ذائقہ اور لذت ہوتی ہے، کھاتے وقت اس طرف دھیان نہیں ہوتا کہ یہ کھانا ہمارے اندر جا کر کیا فساد مچائے گا، چنانچہ جس چیز کے کھانے کو دل چاہا کھالیا، روٹی بھی کھالی، گوشت بھی کھالیا، چاول بھی کھالیے، پھل بھی کھالیے، میٹھی چیز بھی کھالی، کبھی چٹخارے دار چیز بھی کھالی، سب کچھ منہ کے ذریعہ اندر جا رہا ہے، لیکن کچھ پتہ نہیں کہ یہ سب کچھ اندر جا کر کیا فساد مچائے گا۔ اب اگر آپ ان اشیاء کا تجزیہ کریں جن کو آپ بغیر سوچے سمجھے کھاتے رہے ہیں تو یہ نظر آئے گا کہ کسی چیز کا جسم پر کوئی اثر ہے اور کسی چیز کا جسم پر کوئی اثر ہے۔

جسم کے اندر خودکار مشین لگی ہوئی ہے

وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر انسان کے جسم میں خودکار مشین لگائی ہوئی ہے، وہ مشین تمہارے کھانے کے تمام اجزاء کا تجزیہ کرتی ہے، جو اجزاء جسم کے لئے نقصان دہ ہیں، ان کو الگ کرتی ہے، اور جو اجزاء فائدہ مند ہیں، ان کو الگ کرتی ہے، اگر یہ مشین خراب ہو جائے تو تمہارے لئے آج ہزاروں روپیہ خرچ کرنے کے باوجود اور لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کرانے کے باوجود بھی یہ فیصلہ کرانا آسان نہ ہوتا کہ کون سے اجزاء تمہارے لئے مفید ہیں اور کون سے اجزاء تمہارے لئے مضر ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم کے اندر جو مشین رکھی ہے، وہ مشین خود ٹیسٹ کرتی ہے اور اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ جو کچھ اس بے وقوف انسان نے کھایا ہے، اس نے تو صرف اپنی زبان کے ذائقے کی خاطر کھالیا ہے، اس غذا کے کتنے حصے سے خون بنانا ہے اور کتنے حصے سے ہڈیوں کو طاقت پہنچانی ہے، کتنے حصے سے گوشت بنانا ہے، کتنے حصے سے بینائی کو تقویت دینی ہے، کتنے حصے سے بالوں کو تقویت دینی ہے اور بالوں کو لمبا اور سیاہ کرنا ہے۔ یہ خودکار مشین اس غذا کے ہر حصے کو چھانٹ

(۱) کنز العمال، رقم: ۱۷۸۷۷

چھانٹ کر الگ کرتی ہے۔

جسم کے اجزاء اور ان کے کام

اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس غذا میں کون سے اجزاء مضر ہیں کہ اگر وہ اجزاء جسم کے اندر رہ گئے تو وہ اجزاء اس آدمی کو بیمار کردیں گے اور یہ بیماریوں کا شکار ہو جائے گا، پھر ان مضر اجزاء کو یہ مشین الگ کرتی ہے۔ اس پوری مشین کے ہر حصے نے اپنا اپنا کام الگ الگ تقسیم کررکھا ہے، مثلاً معدہ کھانے کو ہضم کرتا ہے، جگر خون بناتا ہے، گردہ یہ کام کرتا ہے کہ جسم کو جتنے پانی کی ضرورت ہے، اس کو باقی رکھتا ہے اور باقی زائد پانی کو پیشاب بنا کر خارج کرتا ہے، آنتیں سارے فضلے کو جمع کر کے خارج کرتی ہیں۔ اور ہر انسان کے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسا سیورج نظام قائم فرمادیا ہے کہ آج کی بڑی سے بڑی سائنس کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ایسا سیورج نظام قائم کردے، یہ نظام اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اس کی طلب کے بغیر، محنت کے بغیر اور اس کے لئے پیسے خرچ کیے بغیر دے رکھا ہے۔

اگر گردہ فیل ہو جائے تو!

اگر اس مشین کے کسی پرزے میں ذرا سی خرابی پیدا ہو جائے، مثلاً گردہ فیل ہو گیا اور باقی سب پرزے صحیح کام کررہے ہیں، جگر بھی صحیح کام کررہا ہے، دل بھی صحیح ہے، معدہ بھی صحیح ہے، آنتیں بھی صحیح کام کررہی ہیں، صرف گردہ فیل ہو گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مشین جو سیال اشیاء میں سے مفید اجزاء کو باقی رکھنے کے لئے اور مضر اجزاء کو خارج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، وہ مشین کام نہیں کررہی ہے، اب جب ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ہر ہفتہ میں تین مرتبہ ڈائی لیسز (گردوں کی صفائی) کرانا ہوگا، اس کے نتیجے میں تھوڑا بہت اس کا تدارک ہو جائے گا، اور ایک ڈائی لیسز پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ گردہ کے عمل کو صرف اس حد تک برقرار رکھنے کے لئے کہ انسان زندہ رہ سکے، اس پر ایک ہفتہ میں ہزارہا روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

یہ مشین ہر ایک کو حاصل ہے

لیکن اللہ جل شانہ نے ہر انسان کو چاہے وہ امیر ہو یا غریب ہو، شہری ہو یا دیہاتی ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ ہو، ہر ایک کو یہ مشین دے رکھی ہے۔ یہ خودکار مشین ہے جو بغیر مانگے

ہوئے اور بغیر پیسہ خرچ کیے ہوئے دے رکھی ہے۔ اس مشین کا ہر جز اپنا اپنا کام کر رہا ہے اور اس کام کرنے کے نتیجے میں جو اجزاء قوت والے اور جسم کے لئے فائدہ مند ہیں، ان کو محفوظ رکھ رہا ہے اور جو بے فائدہ ہیں ان کو پیشاب پاخانہ کے ذریعہ خارج کر رہا ہے۔

قضاء حاجت کے بعد شکر ادا کرو

اس لئے جب تم قضاء حاجت سے فارغ ہو تو اس پر شکر ادا کر لو اور کہو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ))

دیکھئے! یہ کام ایک مسلمان بھی کرتا ہے اور ایک کافر بھی کرتا ہے، لیکن مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جب تم بیت الخلاء سے باہر نکلو تو ذرا اس کا تصور کر لیا کرو کہ یہ نجاست، یہ گندگی، یہ تکلیف دہ اجزاء اگر میرے جسم سے خارج نہ ہوتے بلکہ اندر ہی رہ جاتے تو نہ جانے یہ میرے جسم کے اندر کیا خرابیاں اور کیا بیماریاں پیدا کرتے، اے اللہ! آپ کا شکر ہے اور آپ کا فضل و کرم ہے کہ آپ نے مجھ سے یہ گندگی دور فرما دی اور مجھے عافیت عطا فرما دی۔

یہ دعائیں دھیان سے پڑھنی چاہئیں

اگر ہر مسلمان روزانہ بیت الخلاء جاتے وقت داخل ہونے کی دعا پڑھے اور نکلتے وقت خارج ہونے کی دعا پڑھے اور اس دھیان کے ساتھ پڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے تو کیا اس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کی عظمت اور محبت پیدا نہیں ہوگی؟ کیا اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا نہیں ہوگی کہ جو مالک بے نیاز میرے جسم میں اتنی قیمتی مشینیں لگا کر میرے لئے یہ کام کرا رہا ہے، کیا میں اس کے حکم کی نافرمانی کروں؟ کیا میں اس کی نافرمانی پر کمربستہ ہو جاؤں؟ کیا میں اس کی مرضی کے خلاف زندگی گزاروں؟ کیا میں اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غلط استعمال کروں؟ اگر انسان یہ تصور کرنے لگے تو پھر کبھی گناہ کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ بیت الخلاء سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لو۔ یہ کوئی منتر نہیں ہے جو حضورِ اقدس ﷺ نے سکھا دیا ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے اور معانی کی پوری کائنات ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا ان دعاؤں کو پڑھنے کی عادت ڈالئے اور اس تصور کے ساتھ پڑھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وضو

ظاہری اور باطنی پاکی کا ذریعہ ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ٥﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضورِ اقدس ﷺ نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، وہ اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی حکمتِ بالغہ کا احساس اور اس کے ساتھ تعلق کو قوی کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں، اس لئے ان کی تشریح گزشتہ چند جمعوں سے شروع کی ہے۔ جب انسان صبح کے وقت بیدار ہو، اس وقت کیا دعا پڑھے؟ اور جب آدمی اپنی طبعی ضرورت کے لئے بیت الخلاء جائے تو اس وقت کیا دعا پڑھے؟ اور وہاں سے جب باہر نکلے تو اس وقت کیا دعا پڑھے؟ ان دعاؤں کی تشریح پچھلے جمعوں میں عرض کر دی۔

سب سے پہلے نماز کی تیاری

جب آدمی اپنی ضروریات سے فارغ ہو جائے تو سنت یہ ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلے وضو کرے، اگر صبح صادق سے پہلے اُٹھنے کی توفیق ہوئی ہے تو وضو کر کے تہجد کی نیت سے چند رکعات ادا کر لے، اور اگر فجر کے وقت بیدار ہوا ہے تو مسلمان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز ادا کرے اور نماز کی ادائیگی کے لئے پہلے وضو کرے۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۵۳تا۶۶)

(۱) البقرۃ: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

وضو کا ظاہری اور باطنی پہلو

اس وضو کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی پہلو ہے۔ اس کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ انسان کے ہاتھ منہ صاف ہو جائیں اور اس کا میل کچیل دور ہو جائے۔ اس مقصد کے تحت تو سب انسان ہاتھ منہ دھوتے ہیں، چاہے وہ مسلمان ہو، چاہے وہ کافر ہو۔ وضو کا باطنی پہلو یہ ہے کہ جس طرح وضو سے ظاہری اعضاء دھل رہے ہیں اور ان اعضاء کا میل کچیل دور ہو رہا ہے اور صفائی حاصل ہو رہی ہے، اسی طرح جب یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہو رہا ہو اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہو رہا ہو اور آپ ﷺ کی اتباع میں ہو رہا ہو تو اس عمل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کے باطن کے اندر ایک روحانیت اور نورانیت پیدا فرما دیتے ہیں اور قلب میں ایمان کا نور پیدا فرما دیتے ہیں اور اتباع سنت کی برکات عطا فرما دیتے ہیں۔ وضو کے یہ دو فائدے ہیں۔

تیمّم میں باطنی پہلو موجود ہے

چنانچہ اگر کسی وقت انسان کو وضو کے لئے پانی نہ ملے یا پانی تو ہے لیکن بیماری کی وجہ سے وہ پانی استعمال نہیں کر سکتا، تو اس وقت شریعت کا حکم یہ ہے کہ وضو کے بجائے تیمّم کر لو، یعنی مٹی پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے پر اور اپنے ہاتھ پر پھیر لو۔ اس تیمّم میں ہاتھ اور چہرے کی ظاہری صفائی کا تو کوئی پہلو نہیں ہے، بلکہ اُلٹا ہاتھ اور چہرے پر مٹی لگا رہے ہیں، لیکن باطنی پہلو پھر بھی موجود ہے، وہ یہ کہ اس تیمّم کے ذریعہ باطن کے اندر روحانیت اور نورانیت پیدا ہو رہی ہے اور دل میں ایمان کا نور حاصل ہو رہا ہے۔

صرف ظاہری صفائی مقصود نہیں

اس سے معلوم ہوا کہ وضو کے ذریعہ محض ہاتھ منہ کو ظاہری میل کچیل سے صاف کر لینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اگر یہ چیز مقصود ہوتی تو اللہ تعالیٰ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کا حکم نہ دیتے، بلکہ یہ حکم دیتے کہ ایسی صورت میں اسپنج کر لیا کرو اور اپنے تولیے کو پانی سے بھگو کر منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا کرو، تا کہ اس کے ذریعہ تمہارے ہاتھ منہ کا میل کچیل دور ہو جائے، لیکن اللہ جل شانہ نے اس صورت میں اسپنج کا حکم دینے کے بجائے تیمّم کا حکم دیا۔

روح کی صفائی بھی مقصود ہے

اب بظاہر تو یہ بات اُلٹی معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ اگر پانی سے منہ دھوتے تو ہاتھ منہ کی مٹی دور ہوتی، اور اب تیمم کا حکم دے کر یہ کہا جا رہا ہے کہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھ پر پھیر لو۔ اس کے ذریعہ یہ حقیقت بتلانی مقصود ہے کہ نہ پانی کی کوئی حقیقت ہے اور نہ وضو کی کوئی حقیقت ہے، بلکہ اصل بات ہمارے حکم کی اتباع میں ہے، جب ہم نے یہ حکم دیا کہ پانی استعمال کرو تو وہ پانی تمہارے لئے پاکی، صفائی، نورانیت اور روحانیت کا سبب بن گیا اور جب ہم نے یہ کہا کہ مٹی استعمال کرو تو وہی مٹی جو بظاہر دیکھنے میں انسان کو میلا بناتی ہے لیکن وہ تمہاری روح کو پاک وصاف کر دے گی اور تمہارے باطن کے اندر نور پیدا کر دے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وضو کا اصل مقصد صرف ہاتھ منہ کی صفائی نہیں ہے بلکہ روح کی صفائی بھی مقصود ہے۔

وضو کی حقیقت سے ناواقفیت کا نتیجہ

چنانچہ آج کل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ نے نماز کے لئے وضو کرنے کا جو حکم دیا تھا، اس کا مقصود ظاہری صفائی حاصل کرنا تھا، اور وضو میں پاؤں دھونے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس زمانے میں عرب کے لوگ کاشتکاری کا کام کرتے تھے، جس کے نتیجے میں ان کے پاؤں میلے ہو جاتے تھے، اب تو آدمی صاف ستھرا رہتا ہے، ہر وقت موزے اور بوٹ پہنے ہوئے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے پاؤں کو مٹی لگتی ہی نہیں، لہٰذا اگر ہم پاؤں نہ دھوئیں یا جو کپڑے کے موزے ہم نے پہنے ہوئے ہیں، اس کے اوپر مسح کر لیں تو مقصد حاصل ہو جائے گا، پھر پاؤں دھونے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ باتیں وضو کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنیاد پر کہی جاتی ہیں، اس لئے کہ لوگ وضو کی حقیقت صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں صاف ہو جائیں۔

ورنہ نیت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی

یاد رکھئے! صرف ہاتھ پاؤں کا صاف ہو جانا تنہا یہ مقصد نہیں ہے، کیونکہ اگر تنہا یہ مقصد ہوتا تو پھر شرعاً یہ حکم نہ ہوتا کہ جب آپ نے ایک مرتبہ اچھی طرح منہ ہاتھ دھو لیے، لیکن وضو کی نیت نہیں کی تو وضو کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں تو صاف ہو گئے اور وضو بھی ہو گیا، لیکن وضو کے انوار و برکات حاصل نہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف ہاتھ پاؤں کا صاف ہونا تنہا یہ مقصود نہیں۔

دوبارہ وضو کرنے کا حکم کیوں؟

اسی طرح اگر کسی شخص نے نیت کر کے وضو کیا اور ہاتھ پاؤں اچھی طرح دھو لیے، لیکن وضو کرنے کے بعد ہی وضو ٹوٹ گیا، اب شریعت کا حکم یہ ہے کہ دوبارہ وضو کرلو۔ اگر صرف ہاتھ پاؤں کی صفائی مقصود ہوتی تو دوبارہ وضو کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، کیونکہ ابھی ابھی تو اس نے وضو کیا ہے اور مکمل صفائی حاصل کی ہے، لیکن حکم یہ ہے کہ اگر وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کرو۔ اس لئے کہ صرف ظاہر کی صفائی مقصود نہیں، بلکہ باطن کی صفائی بھی مقصود ہے، اور باطن کی صفائی یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر ہر لمحے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا تابع بن جائے، اس کے حکم کا فرمانبردار بن جائے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ اس طرح پیدا ہو جائے کہ جب اس کا حکم آجائے گا تو میں اس کے حکم کے آگے سر جھکا دوں گا، چاہے وہ حکم میری سمجھ میں آرہا ہو یا سمجھ میں نہ آرہا ہو، اس حکم کی عقلی حکمت معلوم ہو یا معلوم نہ ہو ــــ اسی کا نام باطن کی صفائی ہے۔

حکم ماننے سے روحانیت مضبوط ہوگی

لہٰذا اگر کسی نے ابھی وضو کیا اور وضو کرتے ہی وضو ٹوٹ گیا، تو اب اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ نیا وضو کرو، حالانکہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے، کیونکہ ابھی ابھی تو وضو کر کے بیٹھے ہیں، ابھی ابھی تو لیے سے ہاتھ منہ صاف کیے ہیں، اب دوبارہ وضو کرنے سے کیا حاصل؟ لیکن عقل میں اس حکم کی حکمت نہ آنے کے باوجود جب آدمی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں یہ کام کرے گا تو اس کے باطن میں اتباع سنت کا نور پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے جذبے کے نتیجے میں اس کی روحانیت مضبوط ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوگا۔

پاکی اور صفائی میں فرق

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکی اور صفائی دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یہ بات درست نہیں، پاکی اور صفائی میں فرق ہے، اسلام میں پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے، تنہا صفائی سے کام نہیں چلے گا، لہٰذا اگر آپ نے صفائی تو حاصل کر لی لیکن پاکی حاصل نہیں کی تو مقصود حاصل نہیں ہوا، کیونکہ ''پاکی'' کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کہہ دیں کہ یہ پاک ہے تو وہ پاک ہے اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ یہ کہہ دیں کہ یہ ناپاک ہے تو وہ ناپاک ہے، لہٰذا اگر کوئی چیز دیکھنے میں کتنی ہی صاف نظر آرہی ہو، لیکن اگر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے

مطابق وہ چیز پاک نہیں تو مقصود حاصل نہیں ہوا۔

خنزیر صاف ہونے کے باوجود ناپاک ہے

دیکھئے! خنزیر کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ وہ ناپاک ہے۔ اب آج کل جو قومیں خنزیر کھاتی ہیں وہ خنزیر کی بہت صاف ستھرے فارم میں پرورش کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ دیکھنے میں بڑا صاف ستھرا نظر آتا ہے، لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ خنزیر سر سے لے کر پاؤں تک ناپاک ہے، چاہے وہ دیکھنے میں کتنا ہی صاف ستھرا نظر آرہا ہو، لہٰذا وہ صاف تو ہے لیکن پاک نہیں ہے۔

شراب صاف ہونے کے باوجود ناپاک ہے

دیکھئے! شراب کو اللہ تعالیٰ نے ناپاک قرار دیا ہے اور بالکل اسی طرح ناپاک ہے جس طرح پیشاب ناپاک ہے۔ اب وہ شراب دیکھنے میں بظاہر صاف ستھری ہے، صاف شفاف خوبصورت بوتلوں میں رکھی ہوئی ہے، اور باقاعدہ لیبارٹریز میں ٹیسٹ کی ہوئی ہے کہ اس میں کوئی مضرِ صحت جراثیم موجود نہیں ہیں، لیکن ان سب کے باوجود وہ شراب ''پاک'' نہیں، اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے فرمادیا کہ یہ ناپاک ہے، اب بندہ کا کام یہ ہے کہ اس کو ناپاک ہی سمجھے۔

وہ پانی ناپاک ہے

مثلاً ایک بالٹی پانی کی بھری ہوئی ہے، اس بالٹی میں ایک قطرہ پیشاب کا گر گیا، دیکھئے! پیشاب کے ایک قطرے کے گرنے سے بظاہر بالٹی کے پانی کے صاف ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر اسی بالٹی کے پانی سے کوئی کپڑا دھوگے تو وہ کپڑا بالکل صاف ستھرا ہو جائے گا، لیکن وہ کپڑا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پاک نہیں ہوگا، چنانچہ اگر اس کو پہن کر نماز پڑھوگے تو نماز نہیں ہوگی۔

پاکی اور صفائی دونوں مطلوب ہیں

اگر ایک کپڑے میں پیشاب کا قطرہ لگ گیا اور آپ نے اس کپڑے کو تین مرتبہ پانی سے دھولیا تو وہ کپڑا پاک ہو جائے گا، اگرچہ وہ میلا ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا وہ کپڑا صاف تو نہیں ہے لیکن پاک ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صاف چیز پاک ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر پاک چیز صاف بھی ہو، دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اسلام میں دونوں چیزیں مطلوب ہیں، پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے۔ اسی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ جمعہ کے روز

طہارت بھی حاصل کرو، غسل کرو، وضو کرو، پاک کپڑے پہنو، لیکن ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ جتنا ہو سکے انسان جمعہ کے دن صاف کپڑے پہن کر مسجد میں آئے، میلے کچیلے کپڑے پہن کر نہ آئے، تا کہ ساتھ بیٹھنے والے کو تکلیف نہ ہو۔(۱)

لہٰذا اِسلام میں پاکی بھی مطلوب ہے اور صفائی بھی مطلوب ہے اور ایک کو حاصل کرنے سے دوسرا حاصل نہیں ہوتا۔ وضو کے اندر اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں رکھی ہیں، اس میں پاکی بھی ہے اور صفائی بھی ہے۔

انگریزوں کی ظاہری صفائی کی حقیقت

یہ انگریز اور مغربی ممالک کے لوگ دیکھنے میں بڑے صاف ستھرے نظر آتے ہیں اور ساری دنیا پر ان کی صفائی ستھرائی کا رعب جما ہوا ہے، لیکن اگر ان کی اندرونی زندگی میں جھانک کر دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ ان کے یہاں پاکی کا کوئی تصور نہیں، چنانچہ جب وہ لوگ قضاء حاجت سے فارغ ہوتے ہیں تو اس کے بعد پانی کے استعمال کا کوئی تصور نہیں، صرف ٹائیلٹ پیپر سے اپنی نجاست صاف کر لیتے ہیں۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ انسان ٹائیلٹ پیپر سے کس حد تک نجاست کو صاف کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی نے بہت زیادہ صفائی حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے یہ کیا کہ غسل کرنے کے ٹب میں پانی بھر کے اسی گندگی اور ناپاکی کی حالت میں جا کر بیٹھ گیا اور اسی میں بیٹھ کر صابن بھی لگا لیا۔ اب اس ٹب کا پانی صابن اور نجاست کا مکسچر بن گیا اور اسی مکسچر میں اس نے دو چار غوطے لگا لیے۔ غوطے لگانے کے نتیجے میں ظاہری طور پر جسم پر سے میل کچیل صاف ہو گیا۔ اور اگر کسی کو اس سے زیادہ صفائی کا خیال آیا تو اس نے شاور لے لیا اور اس سے اپنے بدن کو دھو لیا، لیکن اکثر شاور کی نوبت نہیں آتی، بلکہ اسی حالت میں ٹب سے نکل کر جسم خشک کر لیا اور پاؤڈر اور کریم لگا کر ظاہری ٹیپ ٹاپ کر کے غسل خانے میں سے باہر آ گئے اور صاف ستھرے ہو گئے، یہ ہے ان انگریزوں کی صفائی کی حقیقت۔

مسلمانوں میں پاکی اور صفائی کا اہتمام

لیکن اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو دونوں چیزوں کا ایک ساتھ حکم دیا، طہارت کا بھی حکم دیا اور نظافت کا بھی حکم دیا، فرمایا کہ پاک بھی رہو اور صاف ستھرے بھی رہو۔ اسی لئے اللہ جل شانہ نے استنجاء کرنے کا ایسا طریقہ مقرر فرمایا کہ گندگی سے پاکی حاصل کرنے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، رقم:۸۵۲، کتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة، رقم:۸۳٤

ہوسکتا، چنانچہ آپ اگر مسلمانوں کے علاقوں کے علاوہ دنیا کے جس علاقے میں چلے جائیں تو وہاں آپ کو قضاء حاجت کے بعد صفائی ستھرائی حاصل کرنے کا ایسا انتظام نہیں ملے گا جو مسلمانوں کے ہاں آپ کو نظر آئے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دونوں باتوں کا حکم دیا ہے، طہارت کا بھی اور صفائی کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے یہ نعمت مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

ایک یہودی کا اعتراض اور اس کا جواب

حضورِ اقدس ﷺ نے استنجاء کرنے کی عملی صورتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائیں، یہاں تک کہ ایک یہودی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بطور اعتراض کے یہ کہنے لگا:

"عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ"

"تمہارے نبی ﷺ بھی بڑے عجیب ہیں کہ تمہیں گندی گندی باتیں بھی سکھاتے ہیں کہ بیت الخلاء میں کس طرح داخل ہوں اور کس طرح فارغ ہوں"

اس نے یہ بات اعتراض کے طور پر کہی کہ نبی کی شان تو بڑی ہوتی ہے، وہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں کیوں الجھتے ہیں۔ جواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَجَلْ"(۱)

یعنی ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ قضاء حاجت کا طریقہ بھی سکھایا ہے، کیونکہ ہمارے نبی ہمارے اوپر شفیق باپ کی طرح ہیں، ماں باپ جس طرح بچے کو دوسری باتیں سکھاتے ہیں، اسی طرح بچے کو یہ بھی سکھاتے ہیں کہ قضاء حاجت کیسے کی جائے اور پاکی کیسے حاصل کی جائے۔

قضاء حاجت کے بارے میں حضور ﷺ کی تعلیم

چنانچہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں بتایا کہ جب قضاء حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلے کی طرف رخ کر کے نہ بیٹھو اور نہ ہی قبلے کی طرف پشت کر کے بیٹھو۔ اور ہمیں حکم فرمایا کہ تین پتھر استعمال کرو۔ اس زمانے میں پتھر استعمال ہوتے تھے۔ اور ہمیں وہ چیزیں بتائیں کہ ہم کس چیز سے استنجاء کر سکتے ہیں اور کس چیز سے استنجاء نہیں کر سکتے۔ لہٰذا تم تو ان چیزوں پر اعتراض کر رہے ہو لیکن ہمارے لئے یہ

---

(۱) صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، رقم: ۳۸۵، سنن الترمذي، كتاب الطهارة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب الاستنجاء بالحجارة، رقم: ۱٦، سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم: ٦

باعثِ فخر ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں یہ سب باتیں بتائی ہیں اور الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ایسا جامع دین عطا فرمایا ہے۔

وضو سے ظاہری اور باطنی پاکی حاصل ہوتی ہے

بہر حال! جو وضو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے، یہ محض ہاتھ منہ صاف کرنے کا ذریعہ نہیں، بیشک اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ہاتھ منہ صاف ہوتے ہیں، اور جو شخص دن میں پانچ مرتبہ وضو کرے گا، اس کے جسم پر گندگی نہیں رہے گی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ وضو ایک روحانی عمل بھی ہے جس کے ذریعہ باطن کی صفائی کی جارہی ہے، باطن کا تزکیہ کیا جارہا ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وضو کے وقت تمہاری زبان پر ذکر ہونا چاہئے، تاکہ باطن کی صفائی پختہ اور مستحکم اور دیرپا ہو جائے، چنانچہ فرمایا کہ وضو کرتے وقت بلاضرورت باتیں مت کرو اور یہ کوشش کرو کہ جتنا وقت وضو میں لگ رہا ہے، وہ وقت بھی اللہ کے ذکر میں صرف ہو۔ چنانچہ احادیث میں وضو کے دوران جو اذکار حضورِ اقدس ﷺ سے منقول ہیں، ان کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

آج کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تم وضو کرنے بیٹھو تو اس وقت ذرا دھیان اور توجہ کو اس طرف لگاؤ کہ جو کام میں شروع کر رہا ہوں، اس سے صرف ظاہری اعضاء ہی کی صفائی مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے باطن کو بھی صاف کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا مجھے یہ کام سنت کے مطابق کرنا چاہئے، تاکہ یہ دونوں مقصد ایک ساتھ حاصل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



وضو کے دوران کی مسنون دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۝﴾(۱)

ادعیۂ ماثورہ کی تشریح کا بیان پچھلے کئی جمعوں سے چل رہا ہے۔ پچھلے جمعہ وضو کے اذکار کا بیان شروع کیا تھا اور یہ عرض کیا تھا کہ وضو شروع کرنے سے پہلے جو ذکر مسنون ہے، وہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے، اس کی کچھ تفصیل گزشتہ جمعہ کو عرض کر دی تھی۔

وضو کرنے کے دوران جناب رسول اللہ ﷺ جو دعا بکثرت مانگا کرتے تھے، وہ یہ دعا ہے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ))(۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۰۲ تا ۱۲۳) قبل از نماز جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) سنن الترمذي، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء في عقد التسبيح باليد، رقم: ۳۴۲۲، مسند أحمد، رقم: ۱۶۰۰۴، مصنف ابن أبي شيبة ۲۹۳۹۱ (۶/۵۰)، المعجم الكبير للطبراني، رقم: ۸۷۳ (۱۹/۳۵۹)، مجمع الزوائد (۱۰/۶۲)، السنن الكبرىٰ للنسائي، رقم: ۹۹۰۸ (۶/۲۴)، مسند أبي يعلى الموصلي، رقم: ۷۱۱۲ (۱۵/۸۱)، جامع الأصول من أحاديث الرسول، رقم: ۵۲۱۳ (۷/۵۲۱۳) یہ دعا وضو کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسرے مواقع پر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ کتب احادیث میں اس دعا کے پڑھنے کے مختلف مواقع درج ہیں۔ مسند ابی یعلیٰ اور السنن الکبریٰ للنسائی میں مذکور ہے کہ یہ دعا حضور ﷺ نے وضو کے بعد پڑھی تھی۔ جامع الاصول من احادیث الرسول کے مطابق یہ دعا رسول اللہ ﷺ نے وضو کے دوران پڑھی تھی۔ جبکہ دوسرے مصادر کے مطابق اسے وضو کے علاوہ دوسرے مقامات پر پڑھا گیا ہے۔

تین جملوں کی جامعیت

یہ دعا تین جملوں پر مشتمل ہے، پہلا جملہ ہے:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ"

''اے اللہ! میرے گناہ کی مغفرت فرما''

دوسرا جملہ ہے:

"وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ"

''اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی اور وسعت پیدا فرما''

تیسرا جملہ ہے:

"وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ"

''اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرما''

اگر آپ غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ یہ تینوں جملے ایسے ہیں کہ اگر ایک مرتبہ بھی اللہ جل شانہ اس دعا کو قبول فرمالیں تو دنیا و آخرت میں انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ کیونکہ یہ گناہوں کی مغفرت، گھر کی کشادگی اور رزق کی برکت کی دعا ہے، اگر انسان کو یہ بات حاصل ہو جائے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے اور اس کے گھر میں کشادگی حاصل ہو جائے اور رزق میں برکت ہو جائے تو انسان کو اور کیا چاہئے، دنیا اور آخرت کی ساری حاجتیں اور سارے مقاصد اور سارے اغراض نبی کریم ﷺ نے ان تینوں جملوں میں سمیٹ دیئے ہیں، کیونکہ ان میں سے پہلی دعا آخرت کے بارے میں ہے اور دوسری دعائیں دنیا سے متعلق ہیں۔

پہلا جملہ طلبِ مغفرت

پہلا جملہ جو آخرت سے متعلق ہے، وہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ))

''اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما''

اب اگر کسی کو مغفرت مل گئی تو اس کو آخرت کی ساری نعمتیں حاصل ہو گئیں، کیونکہ جنت میں جانے میں رکاوٹ یہ گناہ ہیں، جب اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں تو یہ رکاوٹ دور ہو گئی اور جنت پکی ہو گئی۔ کوئی بھی انسان ایسا نہیں ہے جو گناہوں سے پاک ہو، غلطیوں سے مبرا ہو، ہر انسان سے کبھی نہ کبھی کوئی غلطی کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا ہو جاتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے

بے نیاز ہو۔ صرف نبی کریم ﷺ کی ایک ذات ایسی تھی جن کو مکمل طور پر گناہوں سے پاک کہا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گناہوں سے اس طرح معصوم تھی کہ کوئی گناہ آپ سے سرزد ہو ہی نہیں سکتا اور اگر کوئی چھوٹی موٹی بھول چوک ہو بھی گئی ہو تو اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾(۱)

''اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی تمام بھول چوک کو بھی معاف فرمادیا ہے''

اس کے باوجود سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں:

((إِنِّيْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً))(۲)

''میں روزانہ ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں''

اور یہ ستر کا لفظ بھی گنتی کے بیان کے لئے ارشاد نہیں فرمایا بلکہ کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بیان فرمایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ستر سے زیادہ مرتبہ آپ استغفار کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا مغفرت طلب کرنا

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ حکم فرما رہے ہیں:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ﴾(۳)

''اے نبی ﷺ! آپ فرمائیے کہ اے پروردگار! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور آپ سارے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ خود بھی کثرت سے استغفار فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی مغفرت کا اعلان فرمادیا ہے، اس کے بعد بھی آپ سے یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ مجھ سے مغفرت طلب کریں، ایسا کیوں ہے؟

(۱) الفتح: ۲

(۲) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبی فی الیوم واللیلة، رقم: ۵۸۳۲، سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللّٰه، باب ومن سورة محمد، رقم: ۳۱۸۲، سنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب الاستغفار، رقم: ۳۸۰۶، مسند أحمد، رقم: ۷۴۶۱۔ **بعض روایات میں سو مرتبہ استغفار کرنے کا حکم ہے:** صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه، رقم: ۴۸۷۰، سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الاستغفار، رقم: ۱۲۹۴

(۳) المؤمنون: ۱۱۸

نامعلوم گناہوں سے استغفار

بات دراصل یہ ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہے کہ جس چیز کو وہ گناہ اور برائی سمجھتا ہے، وہ اسی سے پرہیز کرلے گا، لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ سے یہ غلط کام ہوا ہے، حالانکہ حقیقت میں وہ غلط کام ہوتا ہے۔

مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں، یہ نماز حقیقت میں تو بڑی عبادت ہے، بڑے ثواب کا کام ہے، اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے، لیکن جس انداز میں ہم نماز پڑھتے ہیں کہ جیسے ہی تکبیر تحریمہ "اللہ اکبر" کہہ کر نیت باندھی تو بس ایک سوئچ آن ہوگیا اور پھر وہ زبان خود کار طریقے پر چل رہی ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار ہے، اور جو الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں، نہ ان کی طرف توجہ ہے، دل کہیں ہے، دماغ کہیں ہے، دھیان کہیں ہے، اگر نماز کے بعد یہ پوچھا جائے کہ پہلی رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی تو بعض اوقات وہ بھی یاد نہیں آتا۔ حالانکہ یہ نماز درحقیقت اللہ جل شانہ کے دربار میں حاضری ہے اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری ہے، اگر ایک معمولی سے بادشاہ اور معمولی سے سربراہِ حکومت کے دربار میں تمہاری حاضری ہو جائے اور وہاں پر یہ رویہ اختیار کرو کہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو اور تمہارا دماغ اپنے دفتر میں ہو یا گھر میں ہو یا تجارت میں ہو، نہ تم اس بادشاہ کی بات سن رہے ہو اور نہ تمہیں اس بات کا دھیان ہے کہ میں بادشاہ کے دربار میں کیا درخواست پیش کر رہا ہوں، تو بادشاہ کے دربار میں ایسی حاضری قابلِ سزا ہونی چاہئے کہ تم بادشاہ کے دربار میں آئے ہو یا اپنا کاروبار کرنے آئے ہو۔ اصل تقاضا تو یہ تھا کہ اس حاضری کو منہ پر مار دیا جائے اور اس حاضری پر سزا دی جائے۔

ہماری نمازیں ان کی شایانِ شان نہیں

لیکن اللہ جل شانہ کا بڑا کرم ہے کہ ہماری ان زیادتیوں کے باوجود اور ہماری طرف سے ان کوتاہیوں کے باوجود محض اپنے فضل و کرم سے ان نمازوں کو قبول فرما لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ نماز جس کو ہم عبادت کہہ رہے ہیں، حقیقت شناس نگاہوں سے دیکھو تو یہ نماز اللہ تعالیٰ کی توہین ہے، مگر اس طرح نماز پڑھتے ہوئے ہمیں کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں۔ اس لئے بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں یہ خیال بھی نہیں آتا، لیکن حقیقت میں وہ مغفرت کے قابل ہوتی ہیں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

((رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاعْفُ عَنَّا وَتَكَرَّمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا لَا نَعْلَمُ))(۱)

اے اللہ! ہماری مغفرت فرمائیے اور ہم پر رحم فرمائیے اور ہمیں معاف کر دیجئے اور کرم فرمائیے اور ہمارے ان گناہوں سے درگزر کیجئے جو آپ کے علم میں ہیں، کیونکہ آپ کے علم میں ہمارے وہ گناہ بھی ہیں جو ہمارے علم میں نہیں۔ یہ گناہ ہم نے کیے تھے، لیکن ہمیں ان کے گناہ ہونے کا پتہ نہیں، لہٰذا کوئی انسان کسی بھی لمحے استغفار سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

توبہ سے ترقیٔ درجات

استغفار کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا نسخۂ کیمیا عطا فرمایا ہے کہ یہ مٹی کو سونا بنا دے اور گندگی اور نجاست کو پاک چیز میں تبدیل کر دے۔ گناہ گندگی اور نجاست ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ گناہ کرنے کے بعد خلوصِ دل سے استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو وہ گناہ اس کی ترقیٔ درجات کا سبب بن جاتا ہے، گناہ ہو جانے کے بعد جب دل میں ندامت، شرمندگی اور عاجزی پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ یا اللہ! مجھ سے سخت غلطی ہوئی، اپنی رحمت سے مجھے معاف فرما دیں تو یہ معافی انسان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ گندگی کو بھی پاکی سے تبدیل فرما دیتے ہیں، اس لئے ہر مرحلے پر استغفار کرتے رہنا چاہئے، یہاں تک کہ عبادت کے بعد بھی استغفار کرنا چاہئے۔

نماز کے بعد استغفار کیوں ہے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو سلام پھیرنے کے بعد پہلا لفظ جو زبان سے ادا فرماتے، وہ تین مرتبہ استغفار ہوتا تھا، "استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ"(۲)

اب سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ استغفار تو کسی گناہ کے بعد ہونا چاہئے، لیکن یہاں تو ایک عبادت انجام دی اور ایک ثواب کا کام کیا، اس کے بعد استغفار کیوں کیا؟ استغفار اس بات سے کیا کہ یا اللہ! نماز ادا کرنے کا جو حق تھا، وہ ہم سے ادا نہیں ہو سکا:

---

(۱) إحياء علوم الدين (۷۳/۳)، نبی پاک ﷺ یہ دعا سعی کے دوران پڑھا کرتے تھے۔

(۲) سنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سلم من الصلاة، رقم: ۲۷۶، سنن أبی داؤد، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل إذا سلم، رقم: ۱۲۹۲، مسند أحمد، رقم: ۲۱۳۳۱

((مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ))

اے اللہ! ہم سے آپ کی عبادت کا حق ادا نہیں ہو پایا، نہ جانے کتنی کوتاہیاں اور کتنی غلطیاں اس عبادت کے اندر سرزد ہوئیں، اے اللہ! ہم پہلے آپ سے ان کوتاہیوں اور غلطیوں پر مغفرت مانگتے ہیں جو ہم سے اس نماز کے ادا کرنے کے دوران سرزد ہوئیں۔

ہر عبادت کے بعد دو کام کرو

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کوئی عبادت انجام دے تو اس عبادت کو انجام دینے کے فوراً بعد دو کام کرے، چاہے وہ عبادت نماز ہو، تلاوت ہو، صدقہ ہو، روزہ ہو، ذکر ہو، ان سب کے بعد دو کام انجام دے، ایک یہ کہ "الحمدللہ" کہے اور دوسرے "استغفراللہ" کہے۔ الحمدللہ اس بات پر کہے کہ اے اللہ! آپ نے مجھے یہ عبادت انجام دینے کی توفیق عطا فرمادی، اگر آپ توفیق نہ دیتے تو مجھ سے یہ عبادت انجام نہ پاتی، اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی توفیق نہ ہوتی، لہٰذا پہلے اس عبادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرلو کہ اس نے اتنی توفیق دے دی کہ اس کی بارگاہ میں آکر کھڑے ہوگئے، ورنہ کتنے لوگ ہیں جو اس سے محروم ہیں۔

حقِ عبادت ادا نہ ہوسکنے پر استغفار

پھر اس کے بعد "استغفراللہ" کہے کہ یا اللہ! اس عبادت کا جو حق تھا وہ مجھ سے ادا نہ ہوسکا، جس طرح اس عبادت کو ادا کرنا چاہئے تھا، اس طرح ادا نہیں کیا، اس لئے اے اللہ! میں اس کوتاہی پر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ لہٰذا انسان کسی بھی لمحے استغفار سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ یہ بڑی عظیم دولت ہے، نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائیں، ان میں استغفار کو بھی شامل فرمایا، چنانچہ وضو کے دوران کی دعا میں بھی پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ))

ظاہری اور باطنی میل کچیل دور ہو جائے

وضو کے دوران اس جملے کو پڑھنے میں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ جس وقت انسان وضو کرتا ہے تو اس کے ذریعہ وہ اپنے ظاہری اعضاء کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے، اس جملے کے ذریعہ حضورِ اقدس ﷺ وضو کرنے والے کو اس طرف متوجہ فرمارہے ہیں کہ وہ اپنے باطنی میل کچیل کی صفائی

کا بھی خیال کرے اور اس کی بھی فکر کرے، کہیں ایسا نہ ہو وضو کے ذریعہ اس نے اپنے چہرے کو تو دھو کر صاف کرلیا اور اب وہ چہرہ صاف ستھرا نظر آرہا ہے، لیکن باطن کے اندر گناہوں کی گندگی جمی ہوئی ہے تو پھر اس ظاہری صفائی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے فرمایا کہ جب تم ظاہری اعضاء کو دھو رہے ہو اور اس کا میل کچیل دور کررہے ہو تو اس وقت تم اللہ تعالیٰ سے اندرونی میل کچیل کی صفائی بھی مانگو اور کہو:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ))

اے اللہ! میرے اندر کے میل کچیل کو بھی صاف کردیجئے اور میرے گناہوں کو بھی معاف فرمادیجئے۔

صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہوں کی معافی

اس دعا میں ایک اور نکتہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صغیرہ گناہ تو وضو کے ذریعہ خود بخود معاف ہوتے رہتے ہیں، چاہے توبہ کرے یا نہ کرے، چنانچہ جو صغیرہ گناہ ہاتھوں کے ذریعہ کیے ہیں، وضو میں ہاتھ دھونے سے وہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں، آنکھ سے جو گناہ کیے ہیں، وہ چہرہ دھونے سے معاف ہوجاتے ہیں، کان سے جو گناہ کیے ہیں، وہ کان کا مسح کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں، جو گناہ پاؤں کے ذریعہ چل کر کیے ہیں، وہ پاؤں دھونے سے معاف ہوجاتے ہیں، لہٰذا صغیرہ گناہ تو اس طرح خود بخود معاف ہوجاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہ خود بخود معاف نہیں ہوتے جب تک توبہ نہ کی جائے، اس لئے حضور اقدس ﷺ یہ ترکیب بتارہے ہیں کہ صغیرہ گناہ تو اللہ تعالیٰ خود معاف فرمارہے ہیں البتہ کبیرہ گناہوں کے لئے تم اللہ تعالیٰ سے اس وقت مغفرت مانگ لو اور کہو:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ))

اے اللہ! جو میرے بڑے گناہ ہیں، ان کی بھی مغفرت فرما، اس طرح صغیرہ اور کبیرہ دونوں قسم کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو بندہ نیک نیتی سے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما ہی دیتے ہیں۔ بہرحال! یہ جملہ تو آخرت سے متعلق ہے۔

گھر میں دونوں قسم کی کشادگی مطلوب ہے

اس کے بعد دو جملے دنیا سے متعلق ارشاد فرمائے، پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ))

اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ گھر کی کشادگی

مطلوب ہے، تنگی مطلوب نہیں۔ اور یہ کشادگی دو قسم کی ہوتی ہے، ایک کشادگی ظاہری ہوتی ہے کہ گھر لمبا چوڑا ہے، کمرے بڑے ہیں، صحن بڑا ہے، برآمدہ وسیع و عریض ہے، ایک کشادگی تو یہ ہے۔ دوسری کشادگی معنوی ہے، وہ یہ کہ جب آدمی گھر کے اندر جائے تو اس کے دل کو سکون نصیب ہو، آرام اور راحت نصیب ہو، لیکن اگر گھر تو بہت بڑا ہے، بڑی کوٹھی اور بنگلہ ہے، مگر جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو گھر والوں کا طرزِ عمل اور بیوی بچوں کا طرزِ عمل ایسا ہے جس سے انسان کو ضیق اور تنگی ہوتی ہے اور اس گھر میں اس کو آرام اور سکون نہیں ملتا تو اس صورت میں گھر کی ظاہری کشادگی کس کام کی، وہ کشادگی بیکار ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے جو کشادگی مانگی، اس کے اندر دونوں قسم کی کشادگی داخل ہے، یعنی اے اللہ! ظاہری کشادگی بھی عطا فرما اور باطنی کشادگی بھی عطا فرما، تاکہ جب میں گھر میں جاؤں تو راحت اور سکون نصیب ہو۔

گھر کا اصل وصف ''سکون'' ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ م بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے سکون کی جگہ بنایا۔ لہٰذا گھر کا سب سے اعلیٰ وصف یہ ہے کہ اس کے اندر جانے کے بعد انسان کو سکون نصیب ہو، اگر سکون نصیب نہیں تو پھر وہ گھر چاہے کتنا ہی بڑا بنگلہ ہو، اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ اور اگر جھونپڑی ہو اور اس کے اندر سکون حاصل ہو جائے تو وہ بڑے بڑے محلات سے بہتر ہے، اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

گھر میں خوبصورتی سے زیادہ کشادگی مطلوب ہے

اور حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ میرے گھر کو خوبصورت بنا دیجئے یا میرے گھر کو عالیشان بنا دیجئے، بلکہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ''کشادگی'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ گھر کی اصل صفت یہ ہے کہ اس میں کشادگی ہو، تنگی نہ ہو، کیونکہ اگر تنگی ہوگی تو وہ انسان کے لئے تکلیف دہ ہوگی اور کشادگی انسان کے لئے راحت کا سبب ہوگی، باقی ٹیپ ٹاپ اور آرائش یہ زائد چیزیں ہیں، انسان کی اصل ضرورت یہ ہے کہ گھر کے اندر کشادگی ہو، اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی۔

(۱) النحل: ۸۰

تین چیزیں نیک بختی کی علامت ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں انسان کی سعادت میں سے ہیں، ایک اچھی بیوی، دوسرے کشادگی والا گھر، تیسرے خوشگوار اور آرام دہ سواری۔ (۱)

اس لئے آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے گھر میں کشادگی عطا فرما۔

دلوں کا ملا ہوا ہونا کشادگی میں داخل ہے

پھر ''کشادگی'' کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ گھر بڑا ہو، بلکہ اس کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر والوں کے دل باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں، اگر گھر تو بڑا ہے لیکن گھر والوں کے دل ملے ہوئے نہیں ہیں تو وہ گھر بڑا ہونے کے باوجود گھر کی راحت اس میں حاصل نہیں ہو سکے گی۔ لہٰذا اس دعا کے اندر یہ بات بھی داخل ہے کہ گھر کے ماحول کے اندر راحت ملے۔ یہ نہ ہو کہ گھر میں داخل ہو کر انسان ایک عذاب کے اندر مبتلا ہو جائے۔

برکت کی دعا کی وجہ

تیسرا جملہ ارشاد فرمایا:

((وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ))

اے اللہ! میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ اس جملہ میں بھی غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ اے اللہ! مجھے بہت زیادہ رزق عطا فرما، میرے مال میں اضافہ فرما، بلکہ یہ دعا فرمائی کہ میرے رزق میں برکت عطا فرما۔ اس کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ نے یہ سبق دے دیا کہ مال و دولت ہو یا دنیا کے اور ساز و سامان ہوں، چاہے کھانے پینے کا سامان ہو یا پہننے اور اوڑھنے کا سامان ہو، یا گھر کے اندر برتنے کا سامان ہو، یہ سب رزق کے اندر داخل ہے۔ بہر حال! یہ جتنے بھی سامان ہیں، محض ان کی گنتی بڑھ جانے سے کچھ نہیں ہوتا، یا بینک بیلنس بڑھ جانے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس مال میں برکت نہ ہو۔

مانگنے کی چیز ''برکت'' ہے

اگر اللہ تعالیٰ برکت عطا فرما دیں تو مزدور کی تھوڑی سی تنخواہ میں بھی برکت عطا فرما دیتے ہیں

---

(۱) صحيح ابن حبان، رقم: ٤١٠٧ (١٧/٦٨)، شعب الإيمان للبيهقي، رقم: ٩٢٣٤ (٢٠/٤٤)

جس سے اس کو سکون اور چین نصیب ہو جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ برکت اٹھالیں تو کروڑ پتی اور ارب پتی انسان کے لئے اس کا مال راحت کا سبب بننے کے بجائے اُلٹا عذاب کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی چیز گنتی کا اضافہ نہیں ہے بلکہ مانگنے کی چیز ''برکت'' ہے۔ گنتی کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے کافر کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ ہمزہ میں فرمایا:

﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝﴾(۱)

افسوس ہے اس کافر کے لئے جو دوسروں پر طعنے مارتا پھرتا ہے اور دوسروں کی عیب جوئی کرتا پھرتا ہے اور مال جمع کر کے پھر ہر وقت گنتا رہتا ہے۔ کیونکہ اس کو گنتی کرنے میں مزہ آتا ہے کہ اب اتنے ہو گئے اور اب اتنے ہو گئے۔ قرآن کریم نے اس کو مذمت کے پیرائے میں بیان فرمایا کہ گنتی بڑھ جانے میں دھوکہ ہی دھوکہ ہے، دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ اس گنتی بڑھنے کے نتیجے میں تجھے سکون کتنا ملا اور تجھے راحت اور آرام کتنا نصیب ہوا۔ اگر گنتی تو لاکھوں اور اربوں تک پہنچ گئی اور جائیدادیں بنالیں، لیکن خود جیل خانے میں پڑا ہے تو وہ ساری دولت راحت کا سبب بننے کے بجائے اُلٹا عذاب کا سبب بن رہی ہے، اس دولت میں برکت نصیب نہیں ہوئی۔ دوسری طرف ایک معمولی سے مزدور کو جو آٹھ گھنٹے محنت کرنے کے بعد تھوڑے سے پیسے ملے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پیسوں میں برکت عطا فرمادی، اس کے نتیجے میں اس نے بھرپور بھوک کے ساتھ کھانا کھایا، اطمینان کے ساتھ وہ کھانا ہضم ہوا اور رات کو آٹھ گھنٹے تک بھرپور نیند لی اور صبح تازہ دم ہو کر بیدار ہوا۔

ایک سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ لکھنؤ کے ایک بہت بڑے نواب صاحب بہت بڑے جاگیردار تھے، ان کے محلّات اور قلعے تھے، نوکر چاکر، حشم و خدم تھے، انواع و اقسام کی نعمتیں مہیا تھیں، مگر ان نواب صاحب کے معدے میں ایک ایسی بیماری پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کے معالج نے یہ کہہ دیا تھا کہ اب آپ کی غذا ساری عمر ایک ہی ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ بکری کا آدھا پاؤ قیمہ لیا جائے اور اس کو ململ کے کپڑے میں رکھ کر اس کا جوس نکالا جائے، بس وہ جوس آپ کی غذا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی چیز آپ نہیں کھا سکتے۔ اب گھر میں انواع و اقسام کے کھانے پک رہے ہیں، پھل فروٹ موجود ہیں، میوے موجود ہیں، اور دنیا بھر کی نعمتیں موجود ہیں، لیکن نواب صاحب کو صرف قیمہ کا جوس ملتا ہے اور کچھ نہیں ملتا۔

---

(۱) الھمزۃ: ۱۔۲، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''بڑی خرابی ہے اس شخص کی جو پیٹھ پیچھے دوسروں پر عیب لگانے والا، اور منہ پر طعنے دینے کا عادی ہو، جس نے مال اکٹھا کیا ہو، اور اسے گنتا رہتا ہو''

اللہ تعالیٰ یہ دولت لے لیں اور سکون کی نیند دے دیں

ایک دن وہ نواب صاحب دریائے گومتی کے کنارے اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے اور دریا کا نظارہ کر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ایک مزدور آیا، دوپہر کا وقت تھا، وہ دریا کے کنارے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور پھر اس نے اپنی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے جو کی دو موٹی موٹی روٹیاں نکالیں اور پیاز نکالی، اور پھر ان روٹیوں کو اس پیاز کے ساتھ خوب شوق اور رغبت کے ساتھ کھایا، پھر دریا سے پانی پیا اور پھر اسی درخت کے نیچے سو گیا اور خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ نواب صاحب اُوپر سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ نواب صاحب نے کہا کہ میں اس پر راضی ہوں کہ یہ ساری دولت، یہ کوٹھی، یہ بنگلے وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ مجھ سے لے لیں اور آرام وسکون کی جو نیند اس مزدور کو حاصل ہے، وہ مجھے مل جائے۔ لہٰذا دولت ہے لیکن برکت نہیں۔

آج سب کچھ ہے، مگر برکت نہیں

اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ ہمارا آج کا مسئلہ یہ ہے کہ آج ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن برکت نہیں ہے۔ جو شخص ماہانہ ایک ہزار روپے کما رہا ہے اور وہ شخص جو ماہانہ ایک لاکھ روپے کما رہا ہے، دونوں کی زبان سے ایک ہی جملہ سننے کو ملے گا کہ ''گزارہ نہیں ہوتا''، بلکہ بعض اوقات لاکھوں کمانے والا اس مزدور کے مقابلے میں زیادہ شکوہ کر رہا ہوتا ہے جو مہینے میں دو ہزار روپے کماتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج برکت اُٹھ گئی ہے، نہ مال میں برکت ہے، نہ کھانے میں برکت ہے، نہ پانی میں برکت ہے، نہ لباس میں برکت ہے، نہ اوقات میں برکت ہے۔

آج وقت میں برکت نہیں

آج کے دور میں سائنس کی ایجادات نے انسان کا کتنا وقت بچایا ہے۔ پہلے زمانے میں پکانے کے لئے چولہا جھونکنا پڑتا تھا، لکڑیاں سلگائی جاتی تھیں، اگر ایک کپ چائے بنانی ہو تو آدھا گھنٹہ چاہیے۔ مگر آج کے دور میں تم نے چولہے کا کان موڑا اور چولہا جل گیا اور دو منٹ میں چائے تیار ہو گئی، گویا کہ اس چولہے نے تمہارا آدھا گھنٹہ بچالیا۔ لیکن ذرا غور کرو کہ یہ آدھا گھنٹہ کہاں گیا؟ اسی طرح پہلے سفر پیدل ہوتے تھے یا گھوڑوں اور اُونٹوں پر ہوتے تھے، آج تیز رفتار سواریاں موجود ہیں، یہاں تک کہ صرف تین گھنٹے میں ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچ سکتے ہو، چوبیس گھنٹے میں پوری دنیا کے گرد چکر لگا سکتے ہو، لہٰذا ان تیز رفتار سواریوں سے ہمارا کتنا وقت بچ گیا، لیکن اس کے

باوجود یہ رونا ہے کہ وقت نہیں ملتا، فرصت نہیں ہے۔ نئی ایجادات نے جو اوقات بچائے وہ کہاں گئے؟ یہ سب اوقات بے برکتی کی نذر ہو رہے ہیں کہ اوقات میں برکت نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی برکت

جب اللہ تعالیٰ وقت میں برکت عطا فرماتے ہیں تو پھر تیئس سال کے اندر پوری دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھئے! اگر تعلیم کی طرف نظر ڈالیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ساری عمر تعلیم ہی دیتے رہے، اگر اصلاح کے کام کی طرف دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ ساری عمر لوگوں کی اصلاح ہی کرتے رہے، اگر جہاد کے کام کو دیکھو تو یہ نظر آئے گا کہ آپ ساری عمر جہاد ہی کرتے رہے، لیکن اللہ جل شانہ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیئس سال میں سارے بڑے بڑے کام انجام دلوا دیئے، یہ سب وقت کی برکت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں جو برکت عطا فرمائی تھی، سرکار کے ان غلاموں کے اوقات میں بھی وہ برکت عطاء فرما دی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو سر کا تاج سمجھا، تھوڑے وقت میں اللہ تعالیٰ نے ان سے بھی کتنے بڑے بڑے کام لے لیے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کی برکت

بہت دور کی بات نہیں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کو دیکھئے! ایک ہزار تصانیف چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے، آج اگر کوئی شخص ان کی تصانیف کو اوّل سے آخر تک صرف پڑھنا ہی چاہے تو اس کے لئے بھی سالہا سال درکار ہیں۔ ان تصانیف کے ساتھ ساتھ مجالس بھی جاری تھیں، اصلاح و ارشاد کا کام بھی جاری تھا، خط و کتابت بھی جاری تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں یہ برکت عطا فرمائی تھی۔

برکت حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ سے اصل مانگنے کی چیز برکت ہے، جب یہ برکت اُٹھ جاتی ہے تو پھر رونا ہی رونا ہوتا ہے، کھانے میں رونا، پینے میں رونا، پیسے میں رونا، مکان میں رونا، وقت میں رونا، ہر چیز میں رونا ہوتا ہے، یہ سب برکت کے فقدان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی کہ یہ دعا کرو:

((وَبَارِكْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ))

''اے اللہ میرے رزق میں برکت عطا فرما''

وہ رزق چاہے تھوڑا ہو لیکن برکت والا ہو، پھر دیکھو کہ اس رزق میں کیا لطف آتا ہے۔

تمام حاجتیں ان دعاؤں میں سمٹ گئیں

سرکار دو عالم ﷺ نے مندرجہ بالا جو تین دعائیں وضو کے دوران تلقین فرمائیں، اگر انسان پانچوں نمازوں کے وقت وضو کرتے ہوئے یہ دعائیں مانگے تو کبھی نہ کبھی تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے انشاء اللہ۔ اور جب اس نیت سے یہ دعائیں مانگو گے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں مانگی ہیں تو ممکن نہیں ہے کہ یہ دعائیں قبول نہ ہوں، انشاء اللہ ضرور قبول فرمائیں گے اور دنیا و آخرت کی کوئی حاجت ایسی نہیں ہے جو ان تین دعاؤں میں سمٹ نہ گئی ہو۔

وضو کے دوران کی دوسری دعا

وضو کے دوران حضور اقدس ﷺ سے جو دوسرا ذکر ثابت ہے، وہ یہ ہے:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ وضو کے دوران یہ ذکر فرمایا کرتے تھے اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وضو کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر یہ ذکر فرمایا کرتے تھے۔(۱)

وضو کے بعد کی دعا

وضو کے ختم ہونے کے بعد حضور اقدس ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ))(۲)

---

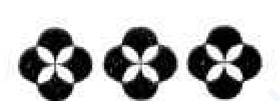
(۱) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الذكر المستحب عقب الوضوء، رقم: ۳۴۵، سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب فيما يقال بعد الوضوء، رقم: ۵۰، سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا توضأ، رقم: ۱۴۵، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما يقال بعد الوضوء، رقم: ۴۶۲، مسند أحمد، رقم: ۱۳۲۹۱۔ سنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب القول بعد الوضوء، رقم: ۷۱۰۔ مسند أحمد میں ''ثم رفع نظره إلى السماء'' اور سنن الدارمی میں ''ثم رفع بصره إلى السماء'' کا اضافہ بھی ہے۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب فيما يقال بعد الوضوء، رقم: ۵۰

''اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے اور پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنا دیجئے''

اس دعا کی کچھ تفصیل اور بزرگوں نے وضو کے دوران جو ہر ہر عضو کے دھونے کے وقت کی دعائیں بتائی ہیں، اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ اگلے جمعہ کو اس کی تفصیل عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کے حق میں ان دعاؤں کو قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائے، ہمارے گھروں میں بھی کشادگی عطا فرمائے اور ہمارے رزق میں بھی برکت عطا فرمائے اور وضو کو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



وضو کے دوران ہر عضو دھونے کی علیحدہ دعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ٥﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو ان دعاؤں کا بیان ہوا تھا جو دعائیں حضورِ اقدس ﷺ سے وضو کے دوران پڑھنا ثابت ہیں، لیکن بزرگوں نے وضو کے دوران ہر عضو کو دھوتے وقت مستقل دعاؤں کی بھی تعلیم دی ہے، یہ دعائیں حضورِ اقدس ﷺ سے اس طرح ثابت نہیں کہ آپ وضو کے دوران فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے اور فلاں عضو کو دھوتے وقت فلاں دعا پڑھا کرتے تھے، البتہ یہ دعائیں حضورِ اقدس ﷺ ہی سے دوسرے مواقع پر پڑھنا ثابت ہے۔ بزرگوں نے وضو کے دوران اعضاء کو دھوتے وقت بھی ان دعاؤں کو پڑھنے کی تعلیم دی تاکہ انسان کو وضو کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رہے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتا رہے۔

وضو شروع کرتے وقت کی دعا

چنانچہ بزرگوں نے فرمایا کہ جب آدمی وضو شروع کرے تو یہ دعا پڑھے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ"

"اس اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بلند اور عظیم ہے اور تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ملتِ اسلام کی دولت عطا فرمائی"

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/ ۱۲۵ تا ۱۳۸)

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

گٹوں تک ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب گٹوں تک ہاتھ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرْكَةَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهَلَاكَةِ"

"اے اللہ! میں آپ سے خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور نحوست اور ہلاکت سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں"

کلّی کرنے کی دعا

اس کے بعد جب کلّی کرے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ أَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"

"یا اللہ! تلاوتِ قرآن کریم کرنے پر اور آپ کا ذکر کرنے پر اور آپ کا شکر ادا کرنے پر اور آپ کی بہتر طریقے سے عبادت کرنے پر میری اعانت فرما"

ناک میں پانی ڈالتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب ناک میں پانی ڈالے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ أَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَةَ النَّارِ"

"اے اللہ! مجھے جنت کی خوشبو سنگھایئے اور جہنم کی خوشبو نہ سنگھایئے"

چہرہ دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب چہرہ دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِیْ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ"

"اے اللہ! جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، اس دن میرے چہرے کو سفید بنایئے گا"

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾(۱)

"اس دن میدانِ حشر میں کچھ چہرے سفید چمکتے ہوئے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے"

---

(۱) آل عمران: ۱۰۶

مومنوں کے چہرے جنہوں نے عمل صالح کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ٥ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ٥ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ٥ تَظُنُّ أَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ٥﴾(۱)

''قیامت کے دن کچھ چہرے تو شاداب ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھ رہے ہوں گے، اور کچھ چہرے مرجھائے ہوئے پژمردہ اور کملائے ہوئے ہوں گے اور ان کا یہ گمان ہوگا کہ اب ہمارے ساتھ کمر توڑنے والا معاملہ کیا جائے گا''

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ٥ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ٥ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ٥ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ٥ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ٥﴾(۲)

بہت سے چہرے اس دن روشن، ہنستے اور خوشیاں کرتے ہوں گے اور کچھ چہرے ایسے ہوں گے کہ ان پر اس دن غبار اور سیاہی چھائی ہوگی، یہی لوگ کافر اور فاجر ہوں گے۔

قیامت کے دن اعضاء چمکتے ہوں گے

بہر حال! میدانِ حشر ہی میں چہروں کی سیاہی اور سفیدی سے انسان کو اپنے انجام کا پتہ لگ جائے گا کہ مجھے کہاں جانا ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں وضو کرنے کے عادی تھے، اللہ تعالیٰ ان کو اس حال میں اُٹھائیں گے کہ ان کے چہرے، ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں، یہ سب اعضاء چمکتے ہوئے ہوں گے اور اس چمک کی وجہ سے دور سے یہ نظر آئے گا کہ یہ بندہ نماز کے لئے وضو کیا کرتا تھا۔(۳) اور حضورِ اقدس ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ قیامت

---

(۱) القیامۃ: ۲۲۔ ۲۵

(۲) عبس: ۳۸۔ ۴۲، آیات مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اس روز کتنے چہرے تو چمکتے دمکتے ہوں گے، ہنستے، خوشی مناتے ہوئے، اور کتنے چہرے اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر خاک پڑی ہوگی، سیاہی نے انہیں ڈھانپ رکھا ہوگا، یہ وہی لوگ ہوں گے جو کافر تھے، بدکار تھے''

(۳) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الغر المحجلون من آثار الوضوء، رقم: ۱۳۳، صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، رقم: ۳۶۲، سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب حلية الوضوء، رقم: ۱۵۰، سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ثواب الطهور، رقم: ۲۸۰

کے روز میری اُمت کے لوگ "غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ" کی صورت میں اُٹھائے جائیں گے، یعنی ان کے چہرے بھی سفید ہوں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بھی سفید ہوں گے۔

چونکہ وہ دن آنے والا ہے اور چہرے کی سفیدی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونے کی علامت ہے اور چہرے کی سیاہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مردود ہونے کی علامت ہے، اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران چہرہ دھوتے وقت یہ دعا کیا کرو:

"اے اللہ! میرا چہرہ اس دن سفید رکھئے جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے"

دایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد دایاں ہاتھ کہنی تک دھوئے تو اس وقت یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِيَمِيْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا يَّسِيْرًا"

"اے اللہ! میرا نامۂ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں دیجئے گا اور میرا حساب آسان فرمائیے گا"

اس دعا میں قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖo فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًاo وَيَنْقَلِبُ إِلٰی أَهْلِهٖ مَسْرُوْرًاo﴾(۱)

"جس شخص کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور پھر وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش آئے گا"

یعنی اس سے سرسری حساب لے کر اس سے کہا جائے گا کہ جاؤ۔ کیونکہ جس شخص سے باقاعدہ حساب لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اپنے ایک ایک عمل کا پورا حساب دو تو اس کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے:

((مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ))(۲)

جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے اور اس کو ایک ایک عمل کا جواب دینا پڑے تو بالآخر

(۱) الانشقاق: ۷۔ ۹

(۲) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب من نوقش الحساب عذب، رقم: ۶۰۵۵، صحیح مسلم کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب إثبات الحساب، رقم: ۵۱۲۲، سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب عیادة النساء، رقم: ۲۶۸۹، مسند أحمد، رقم: ۲۳۰۶۹

اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

مجموعی زندگی درست کرنے کی فکر کریں

یہ ایمان کی دولت ایسی چیز ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دولت کسی کو عطا فرمادیتے ہیں تو اس پر یہ کرم ہوتا ہے کہ اگر اس کی مجموعی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزری ہے، اگرچہ اس سے چھوٹے چھوٹے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے حساب کتاب میں زیادہ جانچ پڑتال نہیں کریں گے بلکہ اس کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرمائیں گے، بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی پیشی ہوگی اور پیشی ہونے کے بعد اس کا نامۂ اعمال سرسری طور پر دکھا دیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم کا معاملہ فرمائیں گے اور جنت میں بھیج دیں گے۔ لیکن جس شخص کی مجموعی زندگی معصیت میں گزری ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کو بھولا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا احساس ہی دل سے جاتا رہا تھا، ایسے شخص سے حساب پورا پورا لیا جائے گا، اور جس شخص سے پورا پورا حساب لیا جائے گا وہ عذاب میں دھر لیا جائے گا۔ اسی لئے خود بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا مانگا کرو:

''اے اللہ! میرا نامۂ اعمال مجھے دائیں ہاتھ میں عطا فرمایئے گا اور میرا حساب آسان لیجئے گا''

عربی کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اُردو میں یہ دعا کرلیا کرو۔

بایاں ہاتھ دھونے کی دعا

اس کے بعد جب بایاں ہاتھ دھوئے تو یہ دعا کرے:

"اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ"

''اے اللہ! میرا نامۂ اعمال میرے بائیں ہاتھ میں نہ دیجئے گا اور نہ پشت کی طرف سے دیجئے گا''

قرآن کریم میں آیا ہے کہ مؤمنوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور کافروں کو اور بدعمل لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال پشت کی جانب سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس لئے یہ دعا کرنی چاہئے:

''اے اللہ! میرا نامۂ اعمال نہ تو بائیں ہاتھ میں دیجئے اور نہ پشت کی جانب سے دیجئے تاکہ کافروں اور بدعملوں میں میرا شمار نہ ہو''

سر کا مسح کرتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب انسان سر کا مسح کرے تو اس کے لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کرنی چاہئے:

"اَللّٰھُمَّ أَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّ عَرْشِكَ"

"اے اللہ! مجھے اپنے عرش کا سایہ عطا فرمایئے گا اس دن جس دن آپ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا"

ہر مسلمان جانتا ہے کہ جب میدانِ حشر میں لوگ جمع ہوں گے تو وہاں پر شدید گرمی کا عالم ہوگا اور سورج قریب ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لوگ اس دن اپنے پسینے میں غرق ہوں گے، بعض لوگوں کے گھٹنوں تک پسینہ ہوگا، بعض لوگوں کی کمر تک پسینہ ہوگا، بعض لوگوں کے سینے تک پسینہ ہوگا اور بعض لوگوں کے ہونٹوں تک پسینہ ہوگا، اس طرح لوگ اپنے پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن کی اس گرمی سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو:

"اے اللہ! جس دن آپ کے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، مجھے اس دن اپنے عرش کا سایہ عطا فرما"

عرش کے سائے والے سات افراد

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے، ان میں سات قسم کے لوگوں کا بطورِ خاص ذکر فرمایا:

(۱) ایک وہ نوجوان جس نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری ہو اور بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا ذوق عطا فرمایا ہو۔

(۲) دوسرے وہ شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں اٹکا ہوا ہو، ایک نماز پڑھ کر گھر گیا، اب دوسری نماز کی فکر اور اس کا انتظار لگ گیا کہ مجھے دوبارہ مسجد میں جانا ہے۔

(۳) تیسرے وہ شخص جس کو کسی صاحبِ منصب اور حسن و جمال والی عورت نے گناہ کی دعوت دی ہو، لیکن اس نے جواب میں کہا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

(۴) چوتھے وہ شخص جس نے دوسرے شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کی ہو، کسی دنیاوی غرض کے لئے دوستی اور محبت نہ کی ہو۔

(۵) پانچویں وہ شخص جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دیا ہو کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا ہو کہ کیا دیا ہے۔

(۶) چھٹا وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے نتیجے میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(۷) ساتویں امام عادل۔[1]

ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ اس لئے سر کا مسح کرتے وقت یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! مجھے اس دن عرش کا سایہ عطا فرما جس دن عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

گردن کے مسح کے وقت کی دعا

اس کے بعد جب آدمی گردن کا مسح کرے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ أَعْتِقْ رَقَبَتِيْ مِنَ النَّارِ"

''اے اللہ! میری گردن کو آگ (جہنم) سے آزاد کر دیجئے''

دایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب داہنا پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمَيَّ عَلَى الصِّرَاطِ يَوْمَ تَضِلُّ فِيْهِ الْأَقْدَامُ"

''اے اللہ! میرے پاؤں کو اس دن پل صراط پر ثابت قدم رکھئے گا جس دن وہاں پر لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے''

یہ پل صراط جہنم کے اوپر ایک پُل ہے جس سے گزر کر آدمی جنت میں جائے گا۔ جو لوگ جہنمی ہوں گے ان کے پاؤں اس پُل پر پھسل جائیں گے جس کے نتیجے میں وہ جہنم کے اندر جا گریں گے۔

پُل صراط پر ہر ایک کو گزرنا ہوگا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جہنم میں آنکڑے لگے ہوئے ہیں، جب کوئی جہنمی اس پُل کے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الصدقة بالیمین، رقم:١٣٣٤، صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل إخفاء الصدقة، رقم:١٧١٢، سنن الترمذی، کتاب الزھد عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، باب ماجاء فی الحب فی اللہ، رقم:٢٣١٣، سنن النسائی، کتاب آداب القضاء، باب الإمام العادل، رقم:٥٢٨٥، مسند أحمد، رقم:٩٢٨٨، مؤطا الإمام مالك، الکتاب الجامع، باب ماجاء فی المتحابین فی اللہ، رقم:١٥٠١

اوپر سے گزرے گا تو نیچے سے آنکڑا آ کر اس کو کھینچ کر جہنم میں گرا دے گا۔ (۱) العیاذ باللہ العلی العظیم۔

یہ وقت بہت سخت ہوگا اور ہر شخص کو اس پُل پر سے گزرنا ہوگا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ (۲)

یعنی تم میں سے ہر شخص کو جہنم پر سے گزرنا ہی ہے، چاہے وہ مؤمن ہو یا کافر ہو، نیک ہو یا برا ہو۔ لیکن اگر اس کے اعمال اچھے ہوں گے اور وہ اطاعت گزار ہوگا تو وہ بجلی کی طرح تیزی سے اس پُل پر سے گزر جائے گا، جہنم کی کوئی تپش اس کو نہیں پہنچے گی، لیکن اگر وہ کافر ہوگا یا فاسق و فاجر ہوگا تو اس صورت میں جہنم کے آنکڑے اس کو اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ! مجھے اس دن ثابت قدم رکھئے گا جس دن لوگوں کے پاؤں پھسل رہے ہوں گے۔

بایاں پاؤں دھوتے وقت کی دعا

اس کے بعد جب بایاں پاؤں دھوئے تو یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِيْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْيِيْ مَشْكُوْرًا وَّتِجَارَتِيْ لَنْ تَبُوْرَ"

اے اللہ! میرے گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور میں نے جو کچھ عمل کیا ہے اپنے فضل سے اس کا اجر مجھے عطا فرمایئے اور جو میں نے تجارت کی ہے یعنی جو زندگی گزاری ہے، جو حقیقت میں تجارت ہی ہے، اس کا نتیجہ آخرت میں ظاہر ہونے والا ہے، تو اے اللہ تعالیٰ! میری زندگی کی تجارت کو گھاٹے کی تجارت نہ بنایئے گا بلکہ نفع کی تجارت ہو کر آخرت میں اس کا اجر مجھے مل جائے۔

بہر حال! بزرگوں نے فرمایا کہ وضو کے دوران یہ دعائیں پڑھتے رہنا چاہئے، بہترین دعائیں ہیں۔ حضورِ اقدس ﷺ سے بھی دوسرے مواقع پر ان دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، اگرچہ وضو کے وقت پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر ان میں ایک دعا بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی تو ان شاء اللہ تعالیٰ بیڑہ پار ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں یہ ساری دعائیں قبول فرمالے۔

دعاؤں کے عربی الفاظ یاد کرلیں اور جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اس وقت تک اُردو ہی میں مانگ لیں تو اس وضو کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ باطنی صفائی بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکات ہم سب کو عطا فرمائے اور ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جهنم، رقم: ٦٠٨٨، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، رقم: ٢٦٩، مسند أحمد، رقم: ٧٣٩٢

(۲) مریم: ٧١

وضو کے بعد کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَإِنِّىْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ O﴾(۱)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! اللہ جل شانہ سے تعلق قوی اور مضبوط کرنے کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ادعیۂ ماثورہ تعلیم فرمائی ہیں، صبح سے شام تک تمہاری زندگی میں جو مختلف موڑ آتے ہیں، ہر موڑ کے لئے ایک دعا تلقین فرمادی ہے کہ یہ دعا مانگا کرو، جب صبح بیدار ہو تو یہ دعا کرو، جب گھر سے باہر نکلو تو یہ دعا کرو، جب بازار جاؤ تو یہ دعا کرو، جب بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ دعا کرو، جب مسجد میں جاؤ تو یہ دعا کرو، وغیرہ۔ انہی ادعیۂ ماثورہ میں سے بعض کی تشریح پچھلے جمعوں میں عرض کی تھی۔

وضو کے دوران پڑھنے کی دعا

وضو کی دعاؤں کا بیان چل رہا تھا، وضو کے دوران نبی کریم ﷺ جو دعا پڑھا کرتے تھے وہ یہ تھی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِىْ ذَنْبِىْ وَوَسِّعْ لِىْ فِىْ دَارِىْ وَبَارِكْ لِىْ فِىْ رِزْقِىْ))(۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۳۹تا۱۴۶)

(۱) البقرة: ۱۸٦، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) سنن الترمذى، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء فى عقد التسبيح باليد، رقم: ۳٤۲۲، مسند أحمد، رقم: ۱٦۰۰٤ ،مصنف ابن أبى شيبة۲۹۳۹۱ (٦/۵۰)، المعجم الكبير للطبرانى،رقم:۸۷۳ (۱۹/۳۵۹)، مجمع الزوائد(۱۰/٦۲)، السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم: ۹۹۰۸ (٦/۲٤)،مسند أبى يعلى الموصلى، رقم:۷۱۱۲ (۱۵/۸۱)، جامع الأصول من أحاديث الرسول،رقم:۵۲۱۳(۷/۵۲۱۳)

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وضو کے دوران اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وضو کے بعد آپ ﷺ یہ پڑھا کرتے تھے:

((أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))(۱)

وضو کے بعد کی دعا

جب آدمی وضو سے فارغ ہو جائے تو اس وقت کیا دعا کرے؟ نبی کریم ﷺ سے اس موقع پر دو دعائیں پڑھنا ثابت ہے، ایک یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ))(۲)

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ جب بندہ وضو کرتا ہے تو ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ باطنی صفائی بھی کرتے جاتے ہیں، اور ہر عضو سے ارتکاب کیے ہوئے صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرماتے جاتے ہیں، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب بندہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو وہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہو چکا ہوتا ہے۔ البتہ ابھی اس کے ذمے کبیرہ گناہ باقی ہوتے ہیں، اب کبیرہ گناہوں سے پاکی کے لئے اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ))

یعنی اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں اور ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو طہارت اور پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔

صغیرہ کے ساتھ کبیرہ کی بھی معافی

اس دعا میں دو جملے ارشاد فرمائے، ایک جملہ یہ کہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے۔ اس جملے کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ وضو کے ذریعہ صغیرہ گناہ تو معاف ہو گئے، اس

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، رقم: ۳٤٥، سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب فیما یقال بعد الوضوء، رقم: ٥٠، سنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل إذا توضأ، رقم: ١٤٥، سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ما یقال بعد الوضوء، رقم: ٤٦٢، مسند أحمد، رقم: ١٣٢٩١۔ سنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب القول بعد الوضوء، رقم: ٧١٠۔ مسند أحمد "ثم رفع نظره إلی السماء" اور سنن الدارمی میں "ثم رفع بصره إلی السماء" کا اضافہ بھی ہے۔

(۲) سنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب فیما یقال بعد الوضوء، رقم: ٥٠

لئے کہ صغیرہ گناہ نیک اعمال کے ذریعہ معاف ہو جاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہوں کے بارے میں قانون یہ ہے کہ وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اس لئے اس موقع پر یہ دعا تلقین فرمائی کہ اے اللہ! میرے صغیرہ گناہ تو معاف ہو گئے لیکن میرے بڑے بڑے گناہ ابھی باقی ہیں، ان سے پاک ہونے کے لئے اے اللہ! مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے تاکہ اس توفیق کے بعد میں توبہ کروں اور اس کے نتیجے میں میرے کبیرہ گناہ بھی معاف ہو جائیں۔

بار بار توبہ کرنے والا بنادیں

اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ مجھے توبہ کی توفیق عطا فرمایئے بلکہ یہ فرمایا کہ مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں مبالغہ کا صیغہ کیوں استعمال فرمایا، جبکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ سے توبہ کرے گا، میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا، اب بہت توبہ کرنے کا کیا مطلب؟ مطلب اس کا یہ ہے کہ یا اللہ! میں اس وقت تو توبہ کرلوں گا اور اس کے نتیجے میں آپ میری مغفرت بھی فرمادیں گے، لیکن اس کے بعد بھی مجھے اپنے اُوپر بھروسہ نہیں ہے، نہ جانے کب دوبارہ پھسل جاؤں اور پھر دوبارہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤں، اگر ایسا ہو جائے تو اے اللہ! مجھے دوبارہ توبہ کرنے کی توفیق دیجئے گا۔ جس طرح انسان کے کپڑے ایک مرتبہ دھلنے کے بعد دوبارہ میلے ہو جاتے ہیں اور ان کو دوبارہ دھونے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، اسی طرح انسان توبہ کے ذریعہ پاک ہو جاتا ہے اور پاک ہونے کے بعد جب وہ دوبارہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر ناپاک ہو جاتا ہے اور پھر دوبارہ توبہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اوّل تو میری حفاظت فرمایئے اور اگر گناہ ہو جائے تو مجھے دوبارہ توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔

بہت زیادہ رجوع کرنے والا بنادیں

اس جملے کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اس میں لفظ "توّاب" آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "بہت لوٹنے والا اور بہت رجوع کرنے والا"۔ دعا کے اب معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنا دیجئے جو ہر وقت آپ سے رجوع کرتے ہیں، ہر وقت آپ کی طرف لوٹتے ہیں، جنہوں نے آپ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر رکھا ہے، ان کو جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو یہ لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ دعا اس وقت کی جارہی ہے جب آدمی ابھی وضو سے فارغ ہوا ہے اور وضو کے دوران بھی ادعیۂ ماثورہ پڑھتا رہا ہے، اب یہ دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ! مجھے کثرت سے آپ کی طرف رجوع کرنے والا بنا دیجئے تاکہ ہر وقت میں آپ سے رابطہ قائم رکھوں۔

باطن کو بھی پاک کرنے والا بنادیں

اس دعا کا دوسرا جملہ یہ ہے:

((وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ))

اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنادیجئے جو کوشش کرکے پاکی حاصل کرتے ہیں۔ ''طاہر'' کے معنی ہیں ''پاک'' لیکن لفظ مُتَطَهِّرِیْنَ ''باب تفعّل'' سے ہے اور باب تفعّل کی خاصیت مشقت اور تکلف ہے، لہٰذا اس لفظ کے معنی یہ ہوئے کہ جو اہتمام کرکے اور کوشش کرکے پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہری پاکی کے ساتھ ساتھ باطنی پاکی بھی حاصل کرتے ہیں اور اپنے دل کی دنیا کو بھی پاک کرتے ہیں۔ لہٰذا اے اللہ! وضو کرنے کے نتیجے میں میرے اعضاء تو دھل گئے اور ان پر جو ظاہری میل کچیل تھا وہ بھی زائل ہو گیا، لیکن اب میرے باطن کا میل کچیل بھی دور کردیجئے۔ وضو کے بعد حضور اقدس ﷺ سے ایک تو یہ دعا پڑھنا ثابت ہے۔

وضو کے بعد کی دوسری دعا

وضو کے بعد ایک اور ذکر بھی حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، آپ یہ پڑھا کرتے تھے:

((سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ))(۱)

اے اللہ! میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور آپ کی حمد کرتا ہوں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں آپ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ اس دعا میں بھی وہی بات دوبارہ آگئی، یعنی صغیرہ گناہ تو وضو سے خود بخود معاف ہو گئے تھے، کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ کی ضرورت تھی، اس لئے وضو کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی:

"أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ"

اے اللہ! میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور آپ سے توبہ کرتا ہوں۔ لہٰذا توبہ کے ذریعہ کبیرہ گناہوں کو بھی معاف کرالیا۔

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في كفارة المجلس، رقم: ٤٢١٦، مسند أحمد، رقم: ١٥١٧٠۔ عام طور پر محدثین نے اس دعا کو کفارۂ مجلس کے لئے نقل فرمایا ہے۔

ایسا شخص محروم نہیں رہے گا

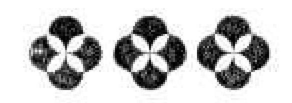
آپ ذرا تصور کریں کہ جو انسان دن میں پانچ مرتبہ وضو کرے گا اور وضو کرنے کے دوران وہ اذکار پڑھے گا جو حضورِ اقدس ﷺ نے تلقین فرمائے اور ہر وضو کے بعد یہ کہے گا:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ))

اور یہ کہے گا کہ اے اللہ! میں آپ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، تو گویا کہ وہ شخص دن میں پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ اور استغفار کرے گا، تو کیا اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی توبہ قبول نہیں فرمائیں گے؟ کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ مضبوط تعلق نہیں عطا فرمائیں گے؟ جو بندہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے اپنی طرف رجوع کرنے والا بنا دیجئے اور اپنی طرف مائل ہونے والا بنا دیجئے تو کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ محروم فرما دیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ارے وہ تو رحمٰن الرحیم ہیں، وہ تو ہمارے پروردگار ہیں، اگر ایک بیٹا اپنے باپ سے یا اپنی ماں سے روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ایک درخواست کرے، وہ درخواست بھی نامعقول نہ ہو، تو کیا کوئی باپ ایسا ہوگا جو اس کی درخواست کو قبول نہیں کرے گا؟ ضرور قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ تو ماں باپ سے کہیں زیادہ رحیم و کریم ہیں، مہربان ہیں، وہ کیسے بندے کی اس دعا کو رد فرما دیں گے، بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ دعا ضرور قبول ہوگی اور قبول ہونے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے ساتھ مضبوط تعلق عطا فرمائیں گے اور اس تعلق کے نتیجے میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی زندگی درست ہو جائے گی۔

بہرحال! یہ وضو کے بعد پڑھنے کی دعائیں تھیں جو نبی کریم ﷺ نے تلقین فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



نمازِ فجر کے لئے جاتے وقت کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز!

فجر کی نماز کے لئے جب مسلمان بیدار ہوگا اور وضو کرے گا اور وضو کے بعد وہ نمازِ فجر باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف جائے گا تو فجر کی نماز کے لئے جاتے ہوئے راستے میں جو دعا پڑھنا حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّتَحْتِيْ نُوْرًا وَّأَمَامِيْ نُوْرًا وَّخَلْفِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِيْ نُوْرًا وَّأَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ أَعْطِنِيْ نُوْرًا))(۲)

اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما دیجئے۔ دیکھئے! فجر کا وقت ہے اور آدمی نمازِ فجر کے لئے جا رہا ہے، اس وقت میں رات کی تاریکی جا رہی ہوتی ہے اور دن کی روشنی آ رہی ہوتی ہے، دن کی روشنی

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۴۷ تا ۱۶۲)

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه بالليل، رقم: ۵۸۴۱، صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه، رقم: ۱۲۷۴، سنن النسائي، كتاب التطبيق، باب الدعاء في السجود، رقم: ۱۱۰۹، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل، رقم: ۱۱۴۸، مسند أحمد، رقم: ۲۴۳۶

کی آمد کے وقت حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! یہ ظاہری روشنی تو آپ پھیلا رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں بھی نور عطا فرمائیے، میری آنکھوں میں نور عطا فرمائیے، میرے کانوں میں نور عطا فرمائیے، میرے دائیں طرف نور ہو، میرے بائیں طرف نور ہو، میرے اُوپر نور ہو، میرے نیچے نور ہو، میرے آگے نور ہو، میرے پیچھے نور ہو، اے اللہ! میرے لئے نور مقرر فرمادیجئے، اے اللہ! میرے نور کو بڑا کردیجئے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرمائیے۔ ایک روایت میں اس لفظ کا اضافہ ہے:

((وَاجْعَلْنِيْ نُوْرًا))

''اے اللہ! مجھے سراپا نور بنادیجئے''

فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت حضورِ اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا کہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

ایسا شخص محروم نہیں رہے گا

اگر ایک شخص روزانہ بلا ناغہ صبح کے وقت نماز کے لئے جاتے ہوئے راستے میں یہ دعا مانگ رہا ہے کہ اے اللہ! مجھے سراپا نور بنادیجئے، میرے دل میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور ہو، میرے کانوں میں نور ہو، میرے آگے، میرے پیچھے، میرے اوپر، میرے نیچے، میرے دائیں، میرے بائیں نور ہو، میرے ہر طرف نور ہو، اے اللہ! مجھے نور بنادیجئے، تو کیا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں فرمائیں گے؟ جو شخص روزانہ یہ دعا مانگ رہا ہو اور ایسے وقت میں مانگ رہا ہو جبکہ وہ بستر کو چھوڑ کر نیند کی قربانی دے کر اپنی خواہشات کو پامال کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے نکلا ہے، وضو کر کے پاک صاف ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جارہا ہے، کیا اس کی دعا قبول نہیں فرمائیں گے؟ کیا اس کو نور عطا نہیں فرمائیں گے؟ ضرور عطا فرمائیں گے۔

دل کے اندر نور ہونے کا مطلب

پھر ہر چیز کا نور الگ ہوتا ہے، چراغ اور بجلی کا نور روشنی ہے، آنکھوں کا نور بینائی ہے، لیکن یہ بینائی ظاہری نور ہے، البتہ ہر چیز کا حقیقی اور باطنی نور یہ ہے کہ جب اعضاء میں وہ نور پیدا ہو تو یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال ہوں، یہ ہے اصل نور۔ لہٰذا اس دعا میں یہ جو فرمایا کہ میرے قلب میں نور ہو، قلب میں نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرے قلب میں ایسے خیالات آئیں جو منور ہوں، ایسے ارادے پیدا ہوں جو نور والے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں، اور قلب کے اندر سے نفاق کی بیماری دور ہو، قلب کے اندر سے تکبر دور ہو، قلب کے اندر سے حسد نکل جائے، حرص

نکل جائے، مال و جاہ کی محبت نکل جائے اور اس کی جگہ اللہ جل شانہ کی محبت دل میں پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی محبت دل میں پیدا ہو، نیکیوں کی محبت دل میں پیدا ہو، یہ سب قلب کا نور ہے۔ جب انسان روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ نور مانگے گا تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو نور نہیں دیں گے؟ ضرور دیں گے۔ البتہ مانگنے والا صدقِ دل سے مانگے، حسنِ نیت سے مانگے، توجہ اور اہتمام اور دھیان سے مانگے تو انشاء اللہ یہ نور ضرور عطا ہوگا۔

آنکھ میں نور ہونے کا مطلب

اور اس دعا میں یہ جو فرمایا کہ میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آنکھ جائز اور حلال چیز کو دیکھے اور ناجائز چیز سے پرہیز کرے، ایسی چیز کو دیکھے جس کو دیکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آنکھ بنائی ہے، اس کا دنیا میں بھی فائدہ ہے اور آخرت میں بھی فائدہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص اپنے گھر میں داخل ہوا اور اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ آنکھ کا جائز اور مستحب بلکہ واجب استعمال ہے۔

ماں باپ کو دیکھنے سے حج وعمرہ کا ثواب

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اولاد اپنے باپ کو یا ماں کو یا دونوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھیں تو ایک مرتبہ ان پر محبت کی نگاہ ڈالنا ایک مقبول حج اور ایک مقبول عمرہ کا ثواب رکھتا ہے۔ (۱)

اب ہم حج کے لئے کتنی محنت کرتے ہیں اور عمرہ کرنے کے لئے کتنی مشقت اُٹھاتے ہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ نے والدین کی نعمت عطا کی ہوئی ہے، وہ دن میں سینکڑوں مرتبہ حج وعمرہ کا ثواب حاصل کر لیتا ہے، یہ آنکھ کا صحیح استعمال ہے۔ لیکن اگر یہ آنکھ ناجائز جگہ پر پڑے، مثلاً لذت حاصل کرنے کی نیت سے نامحرم کو دیکھے، یا کسی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے، ذلت کی نگاہ سے دیکھے، تو یہ اس آنکھ کا ناجائز استعمال ہے، یا کوئی شخص اس آنکھ کو دوسرے کی دل آزاری کے لئے استعمال کرے، یا کوئی ایسی چیز اس آنکھ سے دیکھے جس کو اس کا مالک چھپانا چاہتا ہے، تو یہ آنکھ کا ناجائز استعمال ہے۔

---

(۱) شعب الإیمان، رقم: ۱۱۷۶ (۳۶۵/۱٦)، کنز العمال، رقم: ٤٥٥٣٥ (٤٧٧/١٦)، الدر المنثور (٢٦٤/٥)

دوسروں کے گھروں میں جھانکنا

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی دوسرے کے گھر جاؤ تو پہلے اجازت لے لو، اجازت لینے سے پہلے کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اسی حدیث میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

((فَإِنْ نَظَرَ فَقَدْ دَخَلَ))(۱)

یعنی ایک شخص ابھی دوسرے کے گھر میں داخل نہیں ہوا اور ابھی اس کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی، لیکن وہ گھر کے اندر جھانک رہا ہے، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ اجازت لینے کے انتظار میں دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے کھڑے اندر جھانکنا شروع کر دیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اجازت کے بغیر اندر جھانکنا بھی جائز نہیں۔

اجازت لینے کی اہمیت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے، آپ کے ہاتھ میں ایک کنگھی تھی جس کے ذریعہ آپ اپنے جسم پر خارش فرما رہے تھے، اچانک آپ ﷺ کی نظر دروازے پر پڑی تو دیکھا کہ کوئی شخص دروازے کے سوراخ سے اندر جھانک رہا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو صاحب اندر جھانک رہے تھے ان کی نیت خراب نہیں ہوگی، کیونکہ عام طور پر حضورِ اقدس ﷺ کے گھر میں کوئی ایسی چیز ہوتی نہیں تھی کہ آدمی چوری کرنے یا ڈاکہ ڈالنے کے لئے آئے، بظاہر وہ نبی کریم ﷺ کی محبت میں جھانک رہا تھا کہ آپ ﷺ کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں، لہٰذا ان کی نیت بظاہر خراب نہیں تھی لیکن چونکہ اجازت کے بغیر جھانک رہے تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے جب ان کو اس طرح جھانکتے ہوئے دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے کہ تم اس لائق ہو کہ اس کنگھی سے تمہاری آنکھ پھوڑ دی جائے۔(۲)

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی کراھیة أن یخص الإمام نفسه بالدعاء، رقم: ۳۲۵، مسند أحمد، رقم: ۲۱۳۸۱

(۲) صحیح البخاری، کتاب الإستئذان، باب الإستئذان من أجل البصر، رقم: ۵۷۷۲، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، رقم: ۴۰۱۳، مسند أحمد، رقم: ۲۱۷۳۷، سنن الدارمی، کتاب الدیات، باب من اطلع فی دار قوم بغیر إذنھم، رقم: ۲۲۷۹

یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے گھر میں اجازت کے بغیر دیکھے اور وہ گھر والا اس دیکھنے والے شخص کی آنکھ پھوڑ دے تو وہ شخص اپنے آپ کو ملامت کرے، پھوڑنے والے کو ملامت نہ کرے۔ (۱)

آپ ﷺ نے اتنی سخت سزا اس کی بیان فرمائی۔ بہرحال! یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے۔ اسی طرح ایک شخص کا گھر اُونچا ہے اور دوسرے شخص کا گھر نیچے کی طرف ہے، اور اوپر گھر والا شخص نیچے والے گھر میں جھانک رہا ہے تو یہ نگاہ کا غلط استعمال ہے اور ناجائز استعمال ہے۔

آنکھوں کے ذریعہ گناہ اور ثواب دونوں کما سکتے ہو

لہٰذا اس نگاہ کے ذریعہ اگر کوئی شخص چاہے تو روزانہ بیسیوں مرتبہ حج و عمرہ کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور اس نگاہ کے ذریعہ اپنے دامن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جمع کر سکتا ہے، اور یہی نگاہ ہے کہ اگر انسان اس کو غلط استعمال کرے گا تو اس کے نامۂ اعمال میں گناہوں کا انبار جمع ہوتا رہے گا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری آنکھ میں نور عطا فرمایئے۔ اس نور سے مراد ظاہری بینائی نہیں، ظاہری بینائی تو الحمدللہ پہلے سے موجود ہے، بلکہ اس نور سے مراد آنکھ کا وہ نور ہے جو آنکھ کو جائز استعمال کی حد کے اندر محدود رکھے اور اس کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

کان میں نور ہونے کا مطلب

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

((وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا))

''اے اللہ! میرے کان میں نور عطا فرما''

اب کان میں نور عطا فرمانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس نور کے نتیجے میں کان میں کوئی بلب جل جائے گا یا کوئی چراغ جل جائے گا، بلکہ کان میں نور عطا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کان صحیح کاموں میں استعمال ہو، ناجائز کاموں سے وہ بچے، مثلاً اس کے ذریعہ قرآن کریم کی تلاوت سنی جائے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدیات، باب أخذ حقه أو اقتص دون الرحمٰن، رقم: ۶۳۸۰، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ، رقم: ۴۰۱۷، سنن الترمذی، کتاب الإستئذان والآداب عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الإستئذان قبالة البیت، رقم: ۲۶۳۱

جس کے نتیجے میں ایک ایک لفظ تمہارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر رہا ہے، اس کان کے ذریعہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو اور دین کی باتیں سنو تو اس صورت میں یہ کان عبادت میں مصروف ہے، اللہ تعالیٰ اس پر اجر و ثواب عطا فرما رہے ہیں۔

کان کا صحیح استعمال

ایک شخص کسی کے پاس دین کا علم حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے یا دین کی بات سننے کے لئے جاتا ہے تو اس کے بارے میں حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ))(۱)

''جو شخص علم کی بات سننے کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس راستے پر چلنے کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں''

لہٰذا اگر کوئی شخص گھر سے چل کر مسجد کی طرف آتا ہے اور نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں یہ نیت بھی ہے کہ میں مسجد میں جا کر دین کی باتیں سنوں گا اور قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات اور دین کے احکام سنوں گا تو یہ کان کا صحیح استعمال ہے، اس کے نتیجے میں اس کو حدیث میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

کان کا غلط استعمال

لیکن اگر کوئی شخص اس کان کے ذریعہ فحش باتیں سنتا ہے یا گانا بجانا سنتا ہے، یا نامحرموں کی آواز سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان کی باتیں سنتا ہے، یا اس کان کے ذریعہ غیبت سنتا ہے تو یہ سب کان کا غلط اور ناجائز استعمال ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! میرے کان میں نور عطا فرما، یعنی یہ کان جائز اور حلال کام میں استعمال ہو اور ناجائز اور حرام کام سے بچے، اور یہ کان جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے، یہ کان کا نور ہے۔

(۱) صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع وتلاوة القرآن، رقم: ٤٨٦٧، سنن الترمذي، كتاب العلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب فضل طلب العلم، رقم: ٢٥٧٠، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم: ٢٢١، مسند أحمد، رقم: ٧١١٨

دائیں بائیں، آگے پیچھے نور ہونا

اس کے بعد یہ دعا فرمائی:

((وَّعَنْ يَّمِيْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّأَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا))

''میرے دائیں نور عطا فرما، میرے بائیں نور عطا فرما، میرے آگے نور عطا فرما اور میرے پیچھے نور عطا فرما''

یعنی اے اللہ! میں جس جگہ بھی چل کر جاؤں، وہاں مجھے نورانی ماحول عطا فرمایئے، ایسا ماحول ہو جو مجھے نیکیوں پر اُبھارے اور گناہوں سے بچائے، جو مجھے آپ کا خوف دلائے اور میرے دل میں آخرت کی فکر پیدا کرے۔

شیطان چار طرف سے حملہ کرتا ہے

جس وقت اللہ تعالیٰ ابلیس کو جنت سے نکال رہے تھے تو پہلے تو اس نے یہ چالاکی کی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ مہلت مانگ لی کہ اے اللہ! مجھے قیامت تک زندگی عطا فرمادیں، قیامت تک مجھے موت نہ آئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قیامت تک زندگی عطا فرمادی۔ جب اس کو مہلت مل گئی تو پھر کہتا ہے کہ اب میں آپ کی مخلوق کو گمراہ کروں گا، قرآن کریم میں ہے:

﴿لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ٥﴾(۱)

یعنی انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے آگے سے اس کے پیچھے سے اس کے دائیں طرف سے اور اس کے بائیں طرف سے آؤں گا، چاروں طرف سے انسان پر حملے کروں گا، آپ ان میں سے اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے، وہ ناشکرے ہوں گے اور آپ کے احکام کی تعمیل نہیں کریں گے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے اسی وقت فرمادیا تھا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو کہ میں دائیں طرف سے آؤں گا اور بائیں طرف سے آؤں گا اور چاروں طرف سے آؤں گا اور آپ اکثر بندوں کو شکر گزار نہیں پائیں گے، یہ تو کیا شیخی بھگارتا ہے، حقیقت یہ ہے:

(۱) الأعراف: ۱۷، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''پھر میں ان پر (چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی، اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں طرف سے بھی، اور ان کی بائیں طرف سے بھی، اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گذار نہیں پائے گا''

میرے بندوں پر داؤ نہیں چلے گا

﴿إِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾(۱)

جو میرے بندے ہوں گے، ان پر تیرا کوئی قابو نہیں چلے گا، ان پر تیرا کوئی وار کارگر نہیں ہوگا، ہاں تیرا وار ان پر کارگر ہوگا جو میری بندگی سے ہٹے ہوئے ہوں گے، جو میرا بندہ نہیں بننا چاہتے اور میری بندگی سے انحراف کرنا چاہتے ہیں، وہ تیرے جال میں آجائیں گے، لیکن جہاں تک میرے بندوں کا تعلق ہے، یعنی جن کو اپنا بندہ ہونے کا احساس ہوگا اور اس احساس کے نتیجے میں وہ مجھ سے رجوع کرتے رہیں گے اور یہ کہتے رہیں گے کہ یا اللہ! ہم تیرے بندے ہیں، ہمیں اس شیطان سے بچالے، میرے ان بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا، ان پر تیرا قابو نہیں ہوگا۔ مگر وہ لوگ جو گمراہ ہیں، جن کو یہ احساس ہی نہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، جو اس زمین پر خدا بن کر رہنا چاہتے ہیں، فرعون بن کر رہنا چاہتے ہیں، وہ تیرے داؤ میں آجائیں گے، لیکن میرے بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا۔

میرے بندے کون ہیں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میرے "بندے" سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ تمام انسان اللہ کے بندے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "میرے بندے" کہہ کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اس سے وہ بندے مراد ہیں جن کے دل میں عبدیت کا جذبہ ہو، بندگی کا جذبہ ہو اور جو مجھ سے رجوع کریں، جہاں شیطان گمراہ کرے اور اپنا داؤ چلائے تو وہ فوراً میری طرف رجوع کریں کہ یا اللہ! یہ شیطان مجھے پریشان کر رہا ہے، یہ مجھے بہکانا چاہتا ہے، اے اللہ! مجھے بچالیجئے۔ ایسے بندوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلے گا۔

شیطان کے حملے سے بچاؤ

لہٰذا چونکہ شیطان نے یہ کہا تھا کہ میں انسان کو بہکانے کے لئے دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے آؤں گا، اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے آگے بھی نور عطا فرما، پیچھے بھی نور عطا فرما، دائیں بھی نور عطا فرما اور بائیں بھی نور عطا فرما۔ وہ شیطان تو ظلمت اور تاریکی لا رہا ہوگا، وہ تو معصیت کا اندھیرا لا رہا ہوگا، اے اللہ! آپ ہمارے آگے اور پیچھے،

---

(۱) الحجر: ۴۲، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: "یقین رکھ کہ جو میرے بندے ہیں، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے"

دائیں اور بائیں نور پیدا فرمائیں، تاکہ اس کی لائی ہوئی ظلمت سے ہماری حفاظت ہوجائے۔ اب جو شخص صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے گا تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو نور نہیں دیں گے؟ ضرور دیں گے۔ ارے انہوں نے ہی حضور نبی کریم ﷺ کے دل پر یہ الفاظ القاء فرمائے اور پھر حضورِ اقدس ﷺ نے اپنی اُمت کو یہ الفاظ سکھائے، لہٰذا جب انہی کی طرف سے یہ کہا جارہا ہے کہ مجھ سے یہ چیز اس طرح مانگو تو کیا پھر بھی نہیں دیں گے؟ یہ کام تو ایک معمولی شریف انسان بھی نہیں کرسکتا۔

کوئی شریف انسان بھی ایسا نہیں کرے گا

ایک فقیر آدمی تھا، وہ تم سے مانگ رہا تھا، تم نے اس سے کہا کہ میرے گھر چلو، ہم تمہیں دیں گے، پھر تم اس کو اپنے ساتھ گھر لائے، جب گھر پہنچے تو تم نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ کیا مانگتے ہو؟ اس فقیر نے کہا کہ مجھے اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، اب تم نے اس سے کہا کہ بھاگ جاؤ۔ بتایئے کوئی شریف انسان یہ کام کرے گا؟ کوئی احمق اور کمینہ شخص ہی ایسا کام کرسکتا ہے، کیونکہ گھر پر ساتھ لایا ہے، اسی لئے لایا ہے تاکہ اس کو کچھ دے۔

مانگنے والا ہونا چاہئے

اسی طرح جب اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی معرفت یہ دعائیں ہم سے منگوائیں اور فرمایا کہ مجھ سے مانگو تو اس بات میں کوئی ادنیٰ شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں کہ وہ نہیں عطا کریں گے بلکہ وہ ضرور عطا کریں گے، بس مانگنے والا چاہئے۔ اور جب وہ نور عطا کریں گے تو پھر شیطان کا داؤ ہمارے اُوپر نہیں چلے گا، انشاء اللہ۔ کیونکہ شیطان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ہمیں زبردستی جہنم میں گھسیٹ کر لے جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾(۱)

اللہ ولی ہے یعنی اللہ ذمہ دار ہے، اللہ دوست اور نگراں ہے ایمان والوں کا کہ ان کو اندھیروں

(۱) البقرة: ۲۵۷، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے؛ وہ انہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیریوں میں لے جاتے ہیں۔ وہ سب آگ کے باسی ہیں؛ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے''

سے نور کی طرف نکال کر لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں، ان کے ذمہ دار اور ان کے ولی اور سرپرست شیاطین ہیں جو ان کو نور سے تاریکیوں اور اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ جہنم والے ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

ہم زبردستی نور نہیں دیتے

لہٰذا اللہ تعالیٰ تو ایمان والوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکال کر لانا چاہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ ہم سے نور مانگو، جب تم مانگو گے تو ہم تم کو ضرور دیں گے۔ ہاں! اگر تم ایسے بے نیاز بن جاؤ اور یہ کہو کہ آپ نور دیا کریں لیکن ہمیں ضرورت نہیں، العیاذ باللہ، تو اس کے بارے میں قرآن کریم میں صاف ارشاد ہے:

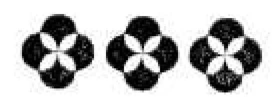
﴿أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾(۱)

یا زبردستی ہم تم کو دے دیں جب تم اس کو ناپسند کر رہے ہو؟ جب تم نور لینا نہیں چاہتے، جب تم ہدایت لینا نہیں چاہتے، پھر بھی ہم زبردستی تم پر نور اور ہدایت تھوپ دیں، ہم ایسا نہیں کریں گے۔

طلب کا اظہار کر کے قدم بڑھاؤ

ہم تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تمہاری طرف سے طلب کا اظہار ہو جائے اور پھر اس طلب کے مطابق تھوڑا قدم بڑھا دو، پھر ہم تم کو دیں گے۔ جب تم فجر کی نماز کے لئے آ رہے ہو، اس وقت تمہارا قدم خیر کی طرف، ایمان کی طرف، عملِ صالح کی طرف اُٹھا ہوا ہے، اس وقت تم زبان سے نور مانگتے ہوئے چلے آؤ تو ان شاء اللہ ضرور عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے بھی اور آپ کو بھی اور سب مسلمانوں کو یہ نورِ ہدایت عطا فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



(۱) ہود: ۲۸

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾ (۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے ان ادعیۂ ماثورہ کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے زندگی کے مختلف مرحلوں میں تلقین فرمائیں۔ اب تک چند دعاؤں کی تشریح بیان کردی گئی ہے یعنی بیدار ہوتے وقت کی دعا، وضو کے دوران پڑھنے کی دعائیں اور صبح کو فجر کی نماز کے لئے جاتے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، آخر میں اس کا بیان ہوا تھا۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ پڑھیں

اس کے بعد انسان مسجد میں نماز کے لئے داخل ہوتا ہے، مسجد میں داخل ہوتے وقت جو دعا حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ)) (۲)

بعض روایتوں میں دعا سے پہلے بسم اللہ اور درود شریف کے اضافہ کے ساتھ اس طرح یہ دعا

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۶۴ تا ۱۷۶)، قبل از نماز جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) البقرۃ: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يقول اذا دخل المسجد، رقم: ۱۱۶۵، سنن النسائي، كتاب المساجد، باب القول عند دخول المسجد وعند الخروج منه، رقم: ۷۲۱، سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب ما يقوله الرجل عند دخوله المسجد، رقم: ۳۹۳

منقول ہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انسان مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے اللہ کا نام لے اور ''بسم اللہ'' کہے، تا کہ اس کے ذریعہ اس بات کا اقرار ہو جائے کہ میرا مسجد میں آنا اللہ جل شانہ کی توفیق سے ہے، اس لئے میں اللہ کا نام لے کر اس کی نعمت کا اعتراف کر کے اور اس کی توفیق کا سہارا لے کر مسجد میں داخل ہو رہا ہوں۔

دعا کے ساتھ درود شریف پڑھیں

''بسم اللہ'' پڑھنے کے بعد حضورِ اقدس ﷺ پر درود و سلام پڑھے اور یہ کہے:

((وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

کیونکہ جس نیکی کے کرنے کی توفیق ہو رہی ہے، وہ درحقیقت حضورِ اقدس ﷺ کی تعلیم و تلقین کا صدقہ ہے۔ اگر آپ کی تعلیمات نہ ہوتیں اور آپ ﷺ کی رہنمائی نہ ہوتی تو کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ جائے۔ اس درود شریف کے ذریعہ اس بات کا اعتراف ہے کہ میں جو مسجد کے دروازے تک پہنچا اور مسجد کے اندر داخل ہونے کی جو توفیق ہو رہی ہے، یہ درحقیقت نبی کریم ﷺ کا احسانِ عظیم ہے۔ لہٰذا جب نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو اس کے ذریعہ ایک طرف آپ ﷺ کے احسان کا اعتراف ہے۔

درود شریف میں اپنا فائدہ بھی ہے

دوسری طرف درود شریف پڑھنا خود اپنے فائدے کی چیز ہے، کیونکہ جب کوئی شخص حضورِ اقدس ﷺ پر درود بھیجتا ہے تو یہ ایک ادنیٰ اُمتی کی طرف سے درحقیقت ایک ہدیہ ہے جو نبی کریم ﷺ کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اور حضورِ اقدس ﷺ کی ساری زندگی کا یہ معمول رہا ہے کہ جب کوئی شخص حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ اس ہدیہ کا کوئی نہ کوئی بدلہ کسی بھی عنوان سے اس کو ضرور عطا فرمایا کرتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی زندگی بھر کا معمول تھا۔ لہٰذا

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ٣٤١٨ (١/٢٩٨)، تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين (١/١٤٥)، زادالمعاد (٢/٣٧٦) دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل ہو، اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''

جب کوئی اُمتی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے تو آپ کی صفت ''رحمۃ للعالمین'' سے یہ اُمید ہے کہ آپ جس طرح زندگی میں ہر ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے تو اس درود و سلام کے ہدیہ کا بدلہ بھی ضرور عطا فرمائیں گے، اب عالمِ دنیا میں اس کا بدلہ دینا تو ممکن نہیں، البتہ عالمِ آخرت میں اس کا یہ بدلہ ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ اس درود و سلام بھیجنے والے اُمتی کے حق میں دعا فرمائیں، لہٰذا جب ہم نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں درود و سلام کا ہدیہ بھیجا تو اُمید یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعائے مغفرت اور دعائے رحمت ہمارے شاملِ حال ہو جائے گی، اور جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا ہمیں ملے گی تو اس کے نتیجے میں مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایسی عبادت کرنے کی توفیق ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگی اور جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگی۔ انشاء اللہ۔

رحمت کے دروازے کھل جائیں

مسجد میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھنے کے بعد یہ دعا تلقین فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔ یعنی اے اللہ! مسجد کا دروازہ تو میرے لئے کھلا ہوا ہے اور میں اس میں داخل ہو رہا ہوں، لیکن میرا مسجد کے اندر داخلہ اسی وقت کارآمد اور مفید ہوسکتا ہے جب اے اللہ! آپ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیں، ورنہ مسجد میں تو فاسق و فاجر لوگ بھی داخل ہو جاتے ہیں، تماشائی بھی داخل ہو جاتے ہیں، محض سیر و تفریح کرنے والے بھی داخل ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ غیر مسلم بھی داخل ہو جاتے ہیں، لیکن اے اللہ! میں مسجد میں اس آرزو کے ساتھ داخل ہو رہا ہوں کہ میرا یہ داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بنے۔

''باب'' کے بجائے ''ابواب'' کہنے کی حکمت

اور پھر اس دعا میں یہ نہیں فرمایا: اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ بَابَ رَحْمَتِكَ اے اللہ! اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیجئے، بلکہ یہ فرمایا: أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مختلف عنوان ہیں، مختلف انواع و اقسام ہیں اور ہر قسم کا ایک دروازہ ہے، لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی تمام قسموں کا محتاج ہوں اور میں ان سب کے کھولنے کی دعا مانگتا ہوں، اے اللہ! میرے لئے وہ سب کھول دیجئے۔

رحمت کی مختلف قسمیں ہیں

اب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کیا کیا قسمیں ہیں؟ کوئی انسان ان کا احاطہ نہیں کر سکتا، دنیا کے اندر نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں، قبر میں نازل ہونیوالی رحمتیں علیحدہ ہیں، آخرت میں نازل ہونے والی رحمتیں علیحدہ ہیں۔ اور پھر دنیا میں نازل ہونے والی رحمتوں کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً صحت اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے، رزق اللہ تعالیٰ کی ایک رحمت ہے، پھر صحت کے اندر رحمتوں کی کئی قسمیں ہیں، جسم کی صحت علیحدہ رحمت ہے، دماغ کی صحت علیحدہ رحمت ہے۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک جتنے اعضاء ہیں، ان سب کی صحت اللہ تعالیٰ کی علیحدہ علیحدہ رحمتیں ہیں۔ اس کے دل پر نازل ہونے والی رحمتیں، خیالات پر نازل ہونے والی رحمتیں، ارادوں پر نازل ہونے والی رحمتیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو انسان صحت مند زندگی نہیں گزار سکتا، اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو دل میں پاکیزہ ارادے پیدا نہیں ہوتے بلکہ برائیوں کے ارادے جنم لیتے ہیں۔ لہٰذا جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی رحمت کی جتنی قسمیں ہیں، میں ان سب کے دروازے کھلنے کی دعا کرتا ہوں۔

''رحمت عطا فرمادیں'' کیوں نہیں فرمایا؟

پھر ایک طریقہ مانگنے کا یہ تھا کہ اے اللہ! میں آپ کی ساری رحمتوں کا محتاج ہوں، آپ مجھے وہ سب رحمتیں عطا فرمادیجئے۔ یہ کہنے کے بجائے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے اُوپر اپنی رحمت کے سارے دروازے کھول دیجئے۔ اس سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اے اللہ! میں اس وقت مسجد میں داخل ہو رہا ہوں اور ایک مسلمان کا مسجد میں داخل ہونے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر نماز پڑھے اور آپ کی عبادت کرے، تو اے اللہ! میں مسجد میں داخل ہو کر جن عبادات کو انجام دینے جارہا ہوں، اے اللہ! یہ عبادتیں میرے لئے رحمت کے دروازے بن جائیں، نماز پڑھوں تو ایسی پڑھوں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہو، تلاوت کروں تو ایسی کروں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہو، ذکر کروں تو ایسا کروں جو آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والا ہو۔ لہٰذا میں مسجد میں عبادت کرنے کے لئے داخل تو ہو رہا ہوں لیکن یہ عبادت اسی وقت کارآمد ہے جب آپ کی طرف سے اخلاص شامل حال ہو جائے، ورنہ اگر میں مسجد میں داخل بھی ہو گیا اور وہاں جا کر نماز بھی پڑھ لی لیکن وہ نماز اخلاص سے نہیں پڑھی اور سنت کے مطابق نہیں پڑھی، بلکہ دکھاوے کے لئے پڑھی اور غلط طریقے پر بے ادبی کے ساتھ پڑھی تو اس نماز کے بارے میں اگرچہ مفتی یہ فتویٰ دے گا کہ یہ نماز درست ہو گئی، لیکن اے اللہ!

آپ کی بارگاہ میں تو قابلِ قبول نہ ہوگی اور آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی نہ ہوگی، لہٰذا میرے لئے رحمت کا ایسا دروازہ کھول دیجئے کہ اس کے نتیجے میں میری یہ عبادت آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق بن جائے اور آپ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی بن جائے اور آپ کی بارگاہ میں قابلِ قبول ہو جائے۔

نماز شروع ہونے سے پہلے رحمت کو متوجہ کرنا

دیکھئے! ابھی نماز شروع نہیں ہوئی اور ابھی عبادت شروع نہیں ہوئی، لیکن پہلے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اے اللہ! جب تک آپ کی توفیق اور رحمت شاملِ حال نہ ہوگی، اس وقت تک وہ عبادت جو مسجد میں جا کر کروں گا، کارآمد اور مفید نہیں ہو سکتی، اس لئے میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے۔

تاکہ یہ وقت میں برباد نہ کر دوں

یہ بھی تو ممکن ہے کہ مسجد میں داخل تو ہو جاؤں لیکن اپنی طبیعت کی ناپاکی کی وجہ سے عبادت کے بجائے کسی اور غلط کام میں مشغول ہو جاؤں، مثلاً مسجد میں جا کر لوگوں سے باتیں کرنا شروع کر دوں یا مسجد میں جا کر تجارت شروع کر دوں، چونکہ یہ سب احتمالات موجود ہیں، لہٰذا اے اللہ! پہلے ہی قدم پر میں آپ سے دعا کر رہا ہوں کہ میرا مسجد میں داخلہ آپ کی رحمت کے دروازے کھولنے کا سبب بن جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس وقت کو ضائع کر دوں اور غلط کاموں میں برباد کر دوں۔

کیا ایسا شخص محروم رہے گا؟

اب آپ اندازہ لگائیے کہ جو بندہ بیدار ہوتے ہی اپنے اللہ کو پکار رہا ہے اور اس کا شکر ادا کر رہا ہے، اور جب بیت الخلاء میں جا رہا ہے تو اپنے اللہ کو پکار رہا ہے، جب بیت الخلاء سے باہر نکل رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا ہے، اور وضو کر رہا ہے تو ہر عضو دھوتے وقت اپنے مالک کو پکار رہا ہے، اور جب وضو کر کے فارغ ہوتا ہے تو اس وقت اپنے مالک کو پکار رہا ہے، اور فجر کی نماز کے لئے جب مسجد کی طرف جا رہا ہے تو راستے میں دعائیں کرتا جا رہا ہے، اب جب مسجد میں داخل ہو رہا ہے تو یہ دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، کیا ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ محروم فرما دیں گے؟ اللہ جل شانہ جو ارحم الراحمین ہیں اور ہر بندے پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، کیا وہ ایسے بندے کو محروم فرما دیں گے؟ جب اس بندے نے صدقِ دل سے مانگ لیا کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، انشاء اللہ جب وہ مسجد میں داخل ہوگا تو ایسی عبادت

کی توفیق ہوگی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول ہوگی، یہ اس دعا کا عظیم فائدہ ہے۔

دعا کرتے وقت سوچ لیا کریں

ہم مسجد میں داخل ہوتے وقت عادۃً یہ دعا پڑھ تو لیتے ہیں، لیکن یہ پورا پس منظر ذہن میں نہیں ہوتا، اسلئے ذرا یہ سوچ کر مانگو کہ مسجد میں داخل ہورہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کے دروازے کھولنے کی استدعا کر رہا ہوں تو انشاء اللہ! اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رضا کے مطابق عبادت کی توفیق بخشیں گے۔

مسجد میں جا کر تحیۃ المسجد پڑھ لیں

جب مسجد میں داخل ہوگئے اور ابھی جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز "تحیۃ المسجد" کی نیت سے پڑھ لیں۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ))(۱)

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ ان رکعتوں کو "تحیۃ المسجد" کہا جاتا ہے۔ لفظ "تحیۃ" عربی زبان میں اس جملے کو کہتے ہیں جو کوئی شخص دوسرے سے ملاقات کے وقت اس کے استقبال کرنے کے لئے کہتا ہے، جیسے مسلمانوں کا تحیۃ "السلام علیکم" ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو وہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہہ کر اس کا استقبال کرتا ہے، اس کو عربی میں "تحیۃ" کہا جاتا ہے۔ دوسری قومیں دوسرے الفاظ استعمال کرتی ہیں، کوئی "گڈ مارننگ" کہتا ہے کوئی "گڈ ایوننگ" کہتا ہے، کوئی "نمستے" کہتا ہے، یہ سب "تحیۃ" ہے، اسی طرح ان دو رکعتوں کا نام "تحیۃ المسجد" رکھا گیا ہے، یعنی یہ دو رکعتیں تمہاری طرف سے مسجد کے نام ایک "تحیۃ" ہے، مسجد سے تمہاری ملاقات ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت اور اس میں داخل ہونے کی توفیق ہوئی تو جس طرح تم کسی انسان سے ملتے وقت پہلے اس کو "السلام علیکم" کرتے ہو، اسی طرح جب تم مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے مسجد کو سلام کرلو اور دو رکعت پڑھ لو، اور اس بات کا اعتراف کرلو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس میں حاضری کی توفیق ہوئی ہے، اس حاضری کی توفیق کے نتیجے میں اس کا اس طرح اکرام کر رہا ہوں کہ داخلے کے فوراً بعد دو رکعت ادا کر رہا ہوں، لہٰذا اگر ابھی جماعت کھڑی نہیں ہوئی تو پہلے دو رکعت "تحیۃ المسجد" کی نیت سے پڑھ لینی چاہئے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب إذا دخل أحدکم المسجد فلیرکع رکعتین، رقم: ۴۲۵، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب تحیۃ المسجد، رقم: ۱۱۶۶، سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء إذا دخل أحدکم المسجد فلیرکع رکعتین، رقم: ۲۹۰

سنتوں میں تحیۃ المسجد کی نیت کرنا

یہ بات یاد رکھیں کہ جن نمازوں میں فرض سے پہلے سنت مؤکدہ ہیں، جیسے ظہر میں فرضوں سے پہلے چار رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں، تو اس میں بہتر تو یہ ہے کہ "تحیۃ المسجد" کی دو رکعتیں علیحدہ پڑھیں اور چار رکعت سنت مؤکدہ علیحدہ پڑھیں، لیکن اگر وقت میں گنجائش نہیں ہے تو شرعاً ہمارے لئے یہ آسانی کردی گئی ہے کہ جو چار رکعت سنت آپ پڑھ رہے ہیں، اسی میں "تحیۃ المسجد" کی نیت بھی کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ وہ دونوں کا ثواب عطا فرمائیں گے، سنتوں کا بھی اور تحیۃ المسجد کا بھی۔

جماعت کے انتظار میں بیٹھے ہوئے یہ دعا پڑھیں

"تحیۃ المسجد" پڑھنے کے بعد وقت باقی ہو اور جماعت کھڑی ہونے میں دیر ہو تو اس وقت کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے تو وہ شخص ایسا ہے جیسا کہ وہ جنت کی کیاریوں میں بیٹھا ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جب تم جنت کی کیاریوں میں بیٹھو تو جنت کے پھل بھی کھایا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! جنت کے پھل کیسے کھائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو تو جتنی دیر بیٹھے ہو اتنی دیر یہ کلمات پڑھتے رہا کرو:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ))(۱)

یہ کلمات پڑھنا ایسا ہے جیسے جنت کے پھل کھانا، کیونکہ اس کے نتیجے میں انشاء اللہ تمہیں آخرت میں پھل ملیں گے۔ لہٰذا جتنا وقت مسجد میں گزرے، اس وقت یہ کلمہ تمہاری زبان پر رہے۔

مسجد میں کرنے کے کام

بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے لئے وقت کی کمی کی وجہ سے "تحیۃ المسجد" پڑھنے کا موقع نہ ہو تو اس وقت اس کو چاہئے کہ وہ یہ کلمات پڑھتا رہے تو وہ شخص انشاء اللہ "تحیۃ المسجد" کی فضیلت سے محروم نہیں رہے گا۔ اس کے علاوہ مسجد کے آداب کا خیال رکھو اور مسجد میں بیٹھ کر بلاضرورت فضول باتیں نہ کرو، ذکر اللہ کی طرف متوجہ رہو، تلاوتِ قرآن کا موقع ہو تو تلاوت کرلو، نفلیں پڑھتے رہو، اور جب جماعت کھڑی ہوجائے تو اس کے آداب اور سنتوں کے مطابق نماز ادا کرو۔

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰہ، باب ما جاء فی عقد التسبیح بالید، رقم: ۳۴۳۱

ان سب کاموں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو دعا داخل ہوتے وقت مانگی تھی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، انشاء اللہ مسجد میں رہتے ہوئے رحمت کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کی وجہ سے ایسی عبادت کی توفیق ہوجائے گی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوگی۔ اب جب نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلو گے تو کامیاب و کامران ہوکر باہر نکلو گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



مسجد سے نکلتے وقت کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کا بیان چل رہا ہے، گزشتہ جمعہ مسجد میں داخل ہونے کی دعا کی تشریح عرض کی تھی۔ اور مسجد سے باہر نکلتے وقت جو دعا حضورِ اقدس ﷺ نے تلقین فرمائی ہے وہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ"(۲)

مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں نکالے

مسنون یہ ہے کہ جب آدمی مسجد سے باہر نکلے تو بایاں پاؤں پہلے نکالے۔ بظاہر تو یہ معمولی سی بات ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں داخل کرے اور جب مسجد سے باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں نکالے، لیکن جب بندہ حضورِ اقدس ﷺ کی اتباع میں یہ کام کرتا ہے تو اللہ جل شانہ کی طرف سے "محبوبیت" کا پروانہ اس کو مل جاتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۷۷ تا ۱۹۲)

(۱) المؤمن: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب ما یقول (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾(۱)

نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں سے فرمایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے۔ لہٰذا ہر وہ عمل جو نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع میں کیا جائے، وہ انسان کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے، چاہے وہ عمل دیکھنے میں کتنا ہی چھوٹا نظر آرہا ہو۔

وہ شخص فضیلت سے محروم ہو گیا

دایاں پاؤں پہلے داخل کرنے میں اور بایاں پاؤں پہلے نکالنے میں کوئی محنت خرچ نہیں ہوتی، کوئی وقت زیادہ نہیں لگتا، کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوتا، لیکن اگر آدمی اس بات کا ذرا اہتمام کر لے اور دھیان سے بایاں پاؤں پہلے نکالے تو اتباع سنت کی عظیم فضیلت اس کو حاصل ہو جاتی ہے، اور اگر بے دھیانی میں دایاں پاؤں پہلے نکال دیا تو اگرچہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہوا، لیکن اتباع سنت کی عظیم فضیلت سے وہ محروم ہو گیا۔ لہٰذا اِس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو دایاں پاؤں پہلے داخل کریں اور جب باہر نکلیں تو بایاں پاؤں پہلے نکالیں۔

داخل ہونے اور نکلنے کی دعاؤں میں فرق

اور مسجد سے نکلتے وقت یہ مختصر سی دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))

اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ دیکھئے جب مسجد میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت یہ دعا کی تھی:

((اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ))

اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، اور جب باہر نکل رہے ہیں تو اب یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں۔ داخل ہوتے وقت اللہ کی رحمت مانگی گئی تھی اور اب نکلتے وقت اللہ کا فضل مانگا جا رہا ہے۔ بظاہر رحمت اور فضل میں کوئی خاص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اذا دخل المسجد، رقم: ۱۱۶۵، سنن النسائی، کتاب المساجد، باب القول عند دخول المسجد وعند الخروج منه، رقم: ۷۲۱، سنن النسائی، کتاب الصلاۃ، باب ما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، رقم: ۳۹۳، مصنف ابن أبی شیبة، رقم: ۳٤۱۸ (۱/۲۹۸)، تحفة الذاکرین بعدة الحصن الحصین (۱/۱٤۵)، زاد المعاد (۲/۳۷٦)

(۱) آل عمران: ۳۱

فرق نظر نہیں آتا، لیکن قرآن وحدیث کی اصطلاح میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔

''رحمت'' سے مراد دینی نعمت

قرآن کریم میں اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ میں جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی دینی نعمت ہوتی ہے جو انسان کو دینی معاملات میں حاصل ہوتی ہے، مثلاً یہ کہ انسان کو صحیح طور پر عبادت کرنے کی توفیق حاصل ہو جائے، انسان کو اخلاص کی اور اتباعِ سنت کی توفیق حاصل ہو جائے، یہ سب دینی رحمت ہے، اور مسجد میں انسان اس لئے داخل ہوتا ہے کہ وہاں جا کر عبادت انجام دے، اس لئے داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگی گئی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے یعنی دینی نعمتوں کے دروازے کھول دیجئے، تاکہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد مجھے عبادت کی توفیق ہو اور نماز ٹھیک ٹھیک طریقے پر انجام دوں اور آپ کی عبادت اخلاص کے ساتھ انجام دوں، ورنہ یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ آدمی مسجد میں داخل ہونے کے بعد فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کر دے یا ایسے کاموں میں وقت گزار دے جس کا کچھ حاصل نہیں۔

''فضل'' سے مراد دنیاوی نعمت

اور ''فضل'' کا لفظ قرآن وحدیث میں اکثر و بیشتر دنیوی نعمتوں کے لئے آتا ہے، مثلاً یہ کہ رزق اچھا ملے، روزگار اچھا ملے، آمدنی اچھی ہو، صحت حاصل ہو، گھر میں خوشحالی ہو، ان سب نعمتوں کو ''فضل'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں نمازِ جمعہ کے بارے میں آیا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾(۱)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو اور بیع و شرا اور تجارت کے معاملات ترک کر دو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم کو سمجھ ہے۔ آگے ارشاد فرمایا: جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا ''فضل'' تلاش کرو''

اللہ کا ''فضل'' تلاش کرنے سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں، تجارت، روزگار کے ذرائع تلاش

(۱) الجمعة: ۹، ۱۰

کرو۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر بھی تجارت کو اور مال کو "فضل" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مسجد سے نکلنے کے بعد فضل کی ضرورت

لہٰذا جب عبادت کرنے کے بعد آدمی مسجد سے باہر نکلے گا تو باہر اس کو دنیاوی ضروریات پیش آئیں گی اور دنیوی حاجتیں اس کو لاحق ہوں گی اور ان حاجتوں کو پورا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اس موقع پر یہ دعا مانگی جارہی ہے کہ اے اللہ! میں اب کاروبارِ زندگی میں نکل رہا ہوں اور معرکۂ حیات میں داخل ہو رہا ہوں، اے اللہ! اس معرکۂ حیات میں مجھے اپنا فضل عطا فرمایئے، آپ کا رزقِ حلال مجھے حاصل ہو، آپ کی طرف سے مجھے کاموں میں برکت حاصل ہو، میرے کاموں میں نور ہو اور جائز طریقے سے میں آپ کا رزق حاصل کروں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت کی ضرورت تھی، اس لئے اس وقت "رحمت" طلب کی اور مسجد سے باہر نکلنے کے بعد "فضل" کی ضرورت تھی، اس لئے اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا "فضل" طلب کیا۔ کیسی باریکی کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے دعائیں تلقین فرمائی ہیں، جس وقت انسان کی جو حاجت ہے، اس حاجت کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے وہ دعا تلقین فرمائی جو اس وقت کے مطابق ہے۔

اگر یہ دعائیں قبول ہوجائیں تو

حضور اقدس ﷺ کی یہ دعائیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک دعا بھی قبول ہوجائے تو انسان کا بیڑہ پار ہوجائے۔ جب مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کی کہ اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دیجئے، اگر یہ دعا قبول ہوجائے اور رحمت کے دروازے کھل جائیں تو ساری دینی نعمتیں حاصل ہوجائیں۔ اور باہر نکلتے وقت جب یہ دعا کی کہ اے اللہ! میں آپ سے فضل کا سوال کرتا ہوں، اگر یہ دعا قبول ہوکر "فضل" مل جائے تو دنیا کی تمام حاجتیں اور تمام مقاصد اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورے ہوجائیں۔

دنیاوی نعمتیں اللہ کا فضل کیسے ہیں؟

جیسا کہ میں نے بتایا کہ قرآن و حدیث میں جب "فضل" کا لفظ آتا ہے تو عام طور پر اس سے رزق، تجارت اور معیشت کے دوسرے وسائل مراد ہوتے ہیں، لہٰذا تجارت، ملازمت، زراعت وغیرہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل کے اندر شامل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ملازمت کو، تجارت کو، زراعت اور

معیشت کو اللہ تعالیٰ کا فضل کیوں کہا گیا؟ حالانکہ آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ تجارت تو ایک دنیوی معاملہ ہے اور ایک رواج چلا آرہا ہے کہ ایک شخص اپنا سامان لے جاکر بازار میں بیٹھ جاتا ہے، خریدار آکر اس سے سامان خریدتے ہیں، اس کے نتیجے میں بیچنے والے کو نفع حاصل ہوتا ہے، یا کوئی شخص ملازم ہے تو وہ پورے مہینے محنت کرتا ہے اور وقت لگاتا ہے تو اس کے نتیجے میں مہینے کے ختم پر اس کو تنخواہ مل جاتی ہے، یا کوئی زراعت کرتا ہے اور ہل جوتتا ہے، بیج ڈالتا ہے، پانی ڈالتا ہے، محنت کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں چھ مہینے کے بعد اس کی فصل تیار ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ سب چیزیں تو انسان کی اپنی محنت کے نتیجے میں حاصل ہو رہی ہیں، تو پھر ان کو اللہ کے ''فضل'' سے کیوں تعبیر کیا جارہا ہے؟

انسان کو دھوکہ لگ گیا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان چیزوں کے لئے لفظ ''فضل'' استعمال فرماکر ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف انسانوں کو متوجہ کیا ہے اور ایک بہت بڑے دھوکہ سے نکالا ہے۔ وہ یہ کہ انسان نے جب تجارت کرنے کے لئے سرمایہ اکٹھا کیا، دکان لگائی، اس دکان میں سامان جمع کیا، اس دکان پر بورڈ لگایا اور پھر صبح سے شام تک اس دکان میں بیٹھا رہا اور اس کے نتیجے میں اس کو منافع ملا اور آمدنی ہوئی تو اس انسان کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ یہ جو آمدنی مجھے حاصل ہوئی، یہ میری محنت اور میری قوتِ بازو کا نتیجہ ہے، میں نے چونکہ پیسہ لگایا، میں نے محنت کی، میں نے وقت لگایا تو اس کے نتیجے میں مجھے یہ منافع حاصل ہوا، پھر اس دھوکہ کے نتیجے میں وہ انسان انہی ظاہری اسباب کو رزق حاصل ہونے کا اصل سبب سمجھنے لگتا ہے۔

اللہ کے فضل کے بغیر کچھ حاصل نہیں کرسکتے

قرآن کریم ہمیں اس طرف متوجہ کررہا ہے کہ خدا کے لئے اس دھوکے میں مت آنا، کیونکہ یہ آمدنی اور جو منافع مل رہا ہے، بیشک تم نے اس کو حاصل کرنے کے لئے محنت کی ہے، تم نے سرمایہ لگایا ہے، تم نے وقت خرچ کیا ہے، لیکن اگر ہمارا ''فضل'' شامل نہ ہوتا تو پھر تم ہزار محنت کرتے، ہزار سرمایہ لگاتے، ہزار وقت لگاتے تب بھی تمہیں ایک پیسے کی آمدنی نہ ہوتی، تمہارے اختیار میں تو بس اتنا تھا کہ تم دکان کھول کر بیٹھ گئے، لیکن گاہک کو لانا تمہارے اختیار میں نہیں تھا، کتنے لوگ ایسے ہیں جو دکان کھول کر بیٹھتے ہیں، صبح سے لے کر شام تک دکان کھولے بیٹھے ہیں لیکن گاہک نہیں آتا، گاہک کو کون بھیج رہا ہے؟ کون اس کے دل میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ فلاں دکان پر جاکر سامان خریدو؟ حالانکہ وہی سودا دوسری دکان پر بھی مل رہا ہے، وہ گاہک وہاں کیوں نہیں جارہا ہے، تمہارے پاس کیوں آرہا ہے؟ لہٰذا

تجارت کے ظاہری اسباب تو تم نے جمع کر لیے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب میں تاثیر پیدا کر کے ان کو تمہارے لئے آمدنی کا ذریعہ بنانا، یہ اللہ جل شانہ کے فضل کے علاوہ کوئی نہیں کرتا۔

گاہک اللہ بھیجتا ہے

میرے بڑے بھائی محمد ذکی کیفی مرحوم، لاہور میں ان کی دینی کتابوں کی دکان تھی، یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک دن جب صبح میں اُٹھا تو بہت تیز موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، بارش مسلسل جاری تھی، یہاں تک کہ دکان کھولنے کا وقت آگیا اور سڑکوں پر گھٹنوں کے برابر پانی بہہ رہا تھا، اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت دکان کھولنے سے کیا حاصل! بارش تیز ہو رہی ہے، لوگوں کے لئے گھر سے باہر نکلنا مشکل ہے، بہت شدید ضرورت کے لئے تو کوئی شخص گھر سے باہر نکلے گا، لیکن اس وقت دینی کتاب خریدنے کے لئے کون نکلے گا، اگر افسانوں اور ناولوں کی دکان ہوتی تو شاید اس موسم کی دلچسپی کے لئے کتاب خریدنے آجاتے، لیکن یہ تو خشک دینی کتابوں کی دکان ہے، کون ایسے موسم میں کتاب خریدنے آئے گا، لہٰذا دکان کھولنے کی کیا ضرورت ہے، چلو آج چھٹی کر لیں۔

لیکن ساتھ ساتھ اس کا جواب بھی میرے دل میں آیا کہ ارے بھائی! تمہارا کام یہ ہے کہ جا کر دکان کھولو، گاہک کو بھیجنا نہ بھیجنا تمہارا کام نہیں، تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دکان کھول کر بیٹھ جاؤ، اگر اللہ کو منظور ہوگا تو گاہک بھیج دیں گے، منظور نہیں ہوگا تو نہیں بھیجیں گے، لیکن اگر تم گاہک کی فکر میں پڑ گئے تو دکان چل گئی۔ چنانچہ میں نے چھتری اُٹھائی اور پانی کے اندر چلتا ہوا دکان پر آگیا اور دکان کھول کر بیٹھ گیا، اور یہ سوچ کر کہ گاہک تو کوئی آئے گا نہیں، بیٹھ کر تلاوت شروع کر دی، لیکن تھوڑی دیر کے بعد میری حیرت کی انتہا ہو گئی کہ لوگ برساتیاں پہن کر اور چھتریاں تان کر دکان پر آنا شروع ہو گئے اور کتابیں خریدنے لگے، میں حیران تھا کہ اس بارش کے موسم میں ان کو ان کتابوں کی ایسی فوری کیا ضرورت پیش آئی کہ یہ لوگ کتابیں خریدنے آرہے ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ جواب بھی ذہن میں آیا کہ یہ لوگ خود نہیں آرہے ہیں، بلکہ کوئی بھیجنے والی ذات ان کو بھیج رہی ہے۔

دینے والا کوئی اور ہے

یہ ہے اللہ کا فضل، انسان کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے اور وہ ظاہری اسباب جمع کر کے یہ سوچنے لگتا ہے کہ مجھے جو کچھ مل رہا ہے وہ مجھے ظاہری اسباب سے مل رہا ہے، میری دکان سے مل رہا ہے، میری محنت سے مل رہا ہے۔ ارے حقیقت میں دینے والا کوئی اور ہے، بیشک تمہارے ذمے یہ ضروری ہے کہ

ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھو بلکہ محنت کرو، اپنا وقت لگاؤ، لیکن محنت اور وقت لگانے کے بعد اس محنت اور وقت کو کارگر بنانے والا سوائے اللہ کے فضل کے کوئی اور نہیں ہے، اگر ان کا فضل نہ ہو تو سارا دن دکان پر بیٹھے رہو اور کوئی گاہک نہ آئے۔

میرا حجازِ مقدس کا پہلا سفر

جب میرا پہلی مرتبہ ۱۹۶۳ء میں حجازِ مقدس جانا ہوا تو ایک صاحب نے وہاں پر اپنا ایک بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ میں بازار میں کپڑا خریدنے گیا، ایک دکان پر جا کر کپڑا دیکھا، کپڑا پسند آیا تو میں نے اس سے بھاؤ تاؤ کیا اور سودا کرلیا، میں نے اس سے کہا کہ اس میں سے اتنا کپڑا مجھے کاٹ دو۔ اس دکاندار نے کہا کہ آپ کو یہ کپڑا پسند ہے؟ میں نے کہا کہ پسند ہے۔ پھر اس نے کہا کہ دام مناسب ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں مناسب ہیں۔ وہ دکاندار کہنے لگا کہ آپ ایسا کریں کہ یہی کپڑا سامنے والی دکان پر اسی دام میں مل جائے گا، آپ وہاں سے جا کر لے لیں۔ میں بڑا حیران ہوا اور اس دکاندار سے کہا کہ میرا سودا آپ سے ہوا ہے، بات آپ سے ہوئی ہے، اب میں دوسری دکان سے کیوں لوں؟ دکاندار نے کہا کہ آپ کو تو کپڑا خریدنے سے مطلب، آپ اس بحث میں نہ پڑیں اور وہاں سے جا کر کپڑا خرید لیجئے۔

میں نے کہا کہ میں سودا وہاں سے نہیں لوں گا، میرا سودا تو آپ سے ہوا ہے، آپ سے ہی لوں گا، ورنہ آپ اس کی وجہ بتائیں کہ آپ سے کپڑا نہ لوں اور اس دکاندار سے جا کر لوں۔ اس دکاندار نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے پاس صبح سے بہت سے گاہک آچکے ہیں اور صبح سے لے کر اب تک الحمدللہ میری آمدنی ہو چکی ہے، لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ میرے سامنے والا دکاندار صبح سے اپنی دکان پر بیٹھا ہے، مگر اس کے پاس صبح سے اب تک کوئی گاہک نہیں آیا، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے پاس بھی گاہک آئے، اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم یہ کپڑا وہاں سے خرید لو تاکہ اس کی بکری ہو جائے۔

اسلامی معاشرے کی ایک جھلک

یہ درحقیقت اس معاشرے کی چھوٹی سی جھلک تھی جو نبی کریم ﷺ نے اس خطے میں پیدا فرمایا تھا کہ صرف اپنا پیٹ نہیں دیکھنا بلکہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنی ہے۔ بہر حال! جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بڑی قدر ہوئی اور میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میں یہ کپڑا وہاں سے خرید لوں گا۔

فضل کے بغیر اسباب میں تاثیر نہیں

لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس تاجر کے دل میں یہ بات ڈالنے والا کون تھا کہ تم اپنے گاہک سے فائدے اُٹھانے کے بجائے اس گاہک کو دوسرے کے پاس بھیجو۔ یہ اللہ کا ''فضل'' نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ دنیا کی ان نعمتوں کو اپنا ''فضل'' قرار دے کر انسان کو اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ تم جو محنت اور کوشش کرتے ہو اور سرمایہ لگاتے ہو، بیشک یہ سب ظاہری اسباب ہیں، لیکن تم اس دھوکے میں نہ آنا کہ ان اسباب کے اندر تاثیر بذاتِ خود موجود ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو اس وقت تک ان اسباب میں تاثیر نہیں آسکتی۔

ملازمت کے لئے ڈگریاں کافی نہیں

آپ نے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھ کر ڈگریاں حاصل کرلیں اور بڑے اعلیٰ درجے کے عہدے پر کام کرنے کے قابل ہوگئے اور آپ ایسی صلاحیت کے مالک ہوگئے کہ آپ کو سونے میں تولا جائے، لوگ آپ کی عزت کریں، لیکن کتنے ڈگریوں والے اور صلاحیتوں والے ایسے ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں مگر ان کو ملازمت نہیں ملتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈگریاں حاصل کرلینا ایک سبب ہے، صلاحیت حاصل کرلینا ایک سبب ہے، لیکن اس سبب کو مؤثر بنا کر اس کے ذریعہ اچھی ملازمت دلوا دینا، یہ اللہ کے ''فضل'' کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

کھیتی اُگانا انسان کے اختیار میں نہیں

دیکھئے! کسان زمین پر ہل چلاتا ہے، اس کو نرم کرتا ہے، اس کو صاف کرتا ہے، اس میں سے پتھر نکالتا ہے، اور اس طرح اس زمین سے کھیتی نکلنے کے موانع کو اپنی طرف سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر بیج ڈالتا ہے اور پانی دیتا ہے، یہ سب محنت وہ کرتا ہے، لیکن کسان کی اس محنت کو بارآور کرنا اور اس نے جو بیج زمین کے اندر ڈالا تھا، اس کو پھاڑنا اور اس میں سے کونپل نکالنا اور اس کونپل کا زمین کے پیٹ کو چاک کر کے باہر نکلنا اور پھر کونپل سے پودا بننا اور اس پودے سے درخت بننا اور اس درخت پر پھل لگنا، یہ سب کام اللہ کے ''فضل'' کے بغیر نہیں ہوسکتے۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝﴾ (۱)

---

(۱) الواقعة: ٦٣، ٦٤

یعنی زمین میں جو چیز تم بوتے ہو، اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ تم نے تو بس بیج ڈال دیا، لیکن اس بیج کا پھٹنا اور اس میں سے شگوفے پھوٹنا اور اس میں سے کلی نکلنا وغیرہ، یہ کام تمہارے بس میں ہیں؟ نہیں، اگر ساری دنیا کی سائنس کی طاقتیں بھی لگادو تب بھی تم یہ کام نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا فضل شامل حال نہ ہو۔ اس لئے دنیا میں تمہیں جتنی نعمتیں مل رہی ہیں، وہ سب "فضل اللہ" ہیں، اور تم نے معیشت کے جتنے ذرائع اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ سب ہمارے فضل و کرم سے بارآور ہوتے ہیں، لہٰذا ہمارے فضل و کرم کو بھول کر کچھ حاصل کرنا چاہو گے تو منہ کی کھاؤ گے، کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فضل کے اندر ساری نعمتیں داخل ہیں

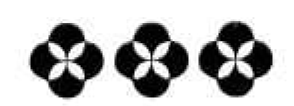
لہٰذا جس وقت تم مسجد سے باہر نکل رہے ہو تو اس وقت ہم سے ہمارا "فضل" مانگو اور کہو:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))

"اے اللہ! میں آپ سے آپ کے فضل کا سوال کرتا ہوں"

اس "فضل" کے اندر دنیا کی ساری نعمتیں آگئیں، اگر کوئی شخص تاجر ہے تو اس "فضل" میں اس کی تجارت کی کامیابی آگئی، اگر کوئی شخص ملازم ہے تو اس کی ملازمت کا رزقِ حلال اس میں آگیا، اگر کوئی شخص کاشتکار ہے تو اس کی فصل کی خوبی اس کے اندر آگئی، اور اس کے علاوہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہوسکتی ہیں، مثلاً صحت کی نعمت، خوشحالی کی نعمت، گھر والوں کی خوشحالی کی نعمت اور اپنے درمیان اتفاق اور اتحاد کی نعمت وغیرہ، یہ سب نعمتیں اس دعا کے اندر آگئیں۔ اس لئے اگر یہ چھوٹی سی دعا ایک مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو دنیا کی ساری مصیبتیں دور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



سورج نکلتے وقت کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے اور سب سے آخری دعا جس کا بیان گزشتہ جمعہ ہوا، وہ مسجد سے نکلنے کی دعا تھی کہ جب آدمی مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ))(۲)

نمازِ اشراق کی فضیلت

البتہ جب آدمی نمازِ فجر سے فارغ ہو جائے تو اگر اس کے لئے ممکن ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کے بجائے مسجد ہی میں بیٹھ جائے۔ حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے کہ جو شخص فجر کی نماز پڑھنے کے بعد جس جگہ نماز پڑھی ہے، طلوعِ آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے اور

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۱۹۳ تا ۲۰۶)

(۱) المؤمن: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''

(۲) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يقول اذا دخل المسجد، رقم: ۱۱۶۵، سنن النسائي، كتاب المساجد، باب القول عند دخول المسجد وعند الخروج منه، رقم: ۷۲۱، سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب ما يقوله الرجل عند دخوله المسجد، رقم: ۳۹۳، مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ۳۴۱۸ (۱/۲۹۸)، تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين (۱/۱۴۵)، زاد المعاد (۲/۳۷۶)

اس دوران ذکر کرتا رہے، تسبیحات پڑھتا رہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہے اور دعائیں کرتا رہے، پھر جب سورج طلوع ہونے کے بعد بلند ہو جائے، اس وقت دو رکعت یا چار رکعت اشراق کی نماز پڑھے تو اس شخص کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملے گا۔ (۱)

روزانہ ایک حج اور ایک عمرہ کریں

اب آپ اندازہ لگائیں کہ آدمی حج ادا کرنے کے لئے کیا کچھ خرچ کرتا ہے، کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، عمرہ ادا کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس چھوٹے سے عمل پر ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں، ان کو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہئے، یہ عمل کوئی فرض و واجب نہیں ہے، اگر کوئی شخص نہ کرے تو کوئی گناہ بھی نہیں ہے لیکن بڑی فضیلت والا عمل ہے۔

سورج نکلتے وقت کی دعا

مسجد میں بیٹھنے کے دوران جس وقت سورج طلوع ہو تو اس وقت وہ کلمات ادا کرے جو کلمات حضورِ اقدس ﷺ سورج نکلتے وقت پڑھا کرتے تھے۔ وہ یہ ہیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ یُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا)) (۲)

''تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہمارا یہ دن روشن کر دیا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک اور برباد نہیں کیا''

اس دعا میں دو جملے ہیں، لیکن ان دو جملوں میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرتِ کاملہ کی اور اس کی حکمتِ بالغہ کی اور اس کے انعامات کے اعتراف کی کائنات پوشیدہ ہے۔ جب عربی الفاظ یاد نہ ہوں اس وقت اُردو میں یہ دعا کر لیا کریں کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے یہ دن ہمیں واپس کر دیا۔ اس شکر کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم رات کو سو رہے تھے، کیا ہمیں اس وقت معلوم تھا کہ صبح کو ہماری آنکھ کھلے گی یا نہیں؟ زندگی کے یہ لمحات سوتے میں ختم تو نہیں ہو جائیں گے، نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو رات کو اچھے خاصے سوئے اور پھر سوتے ہی رہ گئے اور دن کے آنے سے پہلے ہی ان کے دل پر ایسا حملہ ہوا کہ انہیں دن دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

(۱) سنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول اللّٰہ، باب ذکر ما یستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاة، رقم: ۵۳۵

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب ترتیل القراءة واجتناب الهذ، رقم: ۱۳۵۹

سوتے وقت روح قبض ہو جاتی ہے

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرٰى إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾(۱)

یعنی موت کے وقت اللہ تعالیٰ انسانوں کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔ اب موت کے وقت انسان کا سارا جسم تو ویسا ہی نظر آتا ہے، بس جسم کے اندر جو روح تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبض فرمالیا۔ آگے فرمایا اور جن کی موت کا وقت نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو بھی روزانہ نیند کے وقت قبض فرمالیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سونے کے بعد ہمیں کچھ احساس اور شعور باقی نہیں ہوتا، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روح جزوی طور پر جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے، پھر جن کے لئے تقدیر میں موت لکھی ہوتی ہے ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ واپس نہیں چھوڑتے، یعنی سوتے سوتے میں موت واقع ہو جاتی ہے اور جن کی موت ابھی مقدر نہیں ہے ان کی روحوں کو اللہ تعالیٰ واپس چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ وہ روح دوبارہ جسم میں واپس چلی جاتی ہے اور آدمی دوبارہ بیدار ہو جاتا ہے اور پہلے جس طرح چاق و چوبند تھا، دوبارہ چاق و چوبند ہو جاتا ہے۔

سونے سے پہلے کی دعا

لہٰذا نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ سونے سے پہلے قرآن کریم کی اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ))(۲)

(۱) الزمر: ۴۲، آیت مبارکہ کا ترجمہ ہے: "اللہ تمام روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے، اور جن کو ابھی موت نہیں آئی ہوتی، ان کو بھی ان کی نیند کی حالت میں (قبض کر لیتا ہے،) پھر جن کے بارے میں اس نے موت کا فیصلہ کر لیا، انہیں اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دوسری روحوں کو ایک معین وقت تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے"

(۲) صحیح البخاری، كتاب الدعوات، باب التعوذ والقراءة عند المنام، رقم: ۵۸۴۵، صحیح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ۴۸۸۹، سنن الترمذی، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب منه، رقم: ۳۳۲۳، سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب ما يقال عند النوم، رقم: ۴۳۹۱

اے میرے پروردگار! میں نے آپ ہی کے نام سے بستر پر اپنا پہلو رکھا ہے اور آپ ہی کے نام سے اُٹھاؤں گا، اگر آپ میری روح کو روک لیں، یعنی سوتے ہوئے میری روح کو قبض کر لیں تو اس کی مغفرت فرما دیجئے گا اور اگر آپ اس روح کو چھوڑ دیں یعنی زندگی کی حالت میں صبح کو بیدار کر دیں تو اس کی حفاظت فرمائیے گا جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی میری روح کا واپس آنا اسی وقت فائدہ مند ہے جب آپ کی حفاظت اس کے ساتھ لگی ہوئی ہو، وہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو، وہ بداعمالیوں میں مبتلا نہ ہو، وہ جہنم کا شکار نہ ہو اور شیطان کے جال میں نہ پھنسے۔ کون ایسی دعائیں مانگے گا جو دعائیں نبی کریم ﷺ مانگ کر تشریف لے گئے۔ بہرحال! یہ دعا کر کے آپ سویا کرتے تھے۔

یہ دن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے

اور پھر جب رات گزر گئی اور صبح ہو گئی اور دن نکل آیا اور سورج نکل آیا تو اس سے معلوم ہوا کہ الحمدللہ، یہ رات میرے لئے موت کا پیغام نہیں لائی تھی اور مجھے اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک دن مزید عطا فرما دیا ہے۔ اس لئے سورج نکلتے وقت دعا فرما رہے ہیں کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے یہ دن ہمیں واپس لوٹا دیا۔ آج اس وقت جمعہ کے دن ہم سب یہاں جمع ہیں، ہم میں سے کسی کو علم ہے کہ کل کا دن ہمیں ملے گا یا نہیں؟ لہٰذا دن کے آغاز میں حضورِ اقدس ﷺ اس طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ یہ دن جو تمہیں ملا ہے، یہ اللہ جل شانہ کی عظیم نعمت ہے، اگر یہ دن تمہیں نہ ملتا تو تم کیا کر لیتے، اس لئے پہلے تو اس عظیم نعمت پر شکر ادا کرو اور پھر اس دن کو صحیح مصرف میں اور صحیح کاموں میں خرچ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دن غفلت میں ضائع ہو جائے۔

اگر یہ دن نہ ملتا تو!

اور اگر یہ دن تمہیں نہ ملتا بلکہ سوتے میں تمہیں موت آ گئی ہوتی اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوتی اور اعمال خراب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال ہوتا تو اس وقت یہ حسرت ہوتی کہ کاش! مجھے زندگی کا ایک دن اور مل جائے تو اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر لوں اور اپنی سابقہ زندگی کی گندگی کو صاف کر لوں اور اپنا حساب برابر کر لوں۔ آج اللہ تعالیٰ نے اس حسرت کے بغیر تمہیں یہ دن دے دیا ہے تو اب اس دن سے کام لو اور اس کو ان کاموں میں خرچ کرو جس کے نتیجے میں بعد میں تمہارے لئے حسرت کا سبب نہ بنے۔ چلئے آج کا دن تو آپ کو مل گیا، لیکن اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ اگلا دن تمہیں ملے گا یا نہیں؟ لہٰذا آج کے اس دن کو صحیح کاموں میں خرچ کرو۔

وقت آجانے کے بعد مہلت نہیں ملے گی

قرآن شریف میں ہے کہ جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کی پیشی ہوگی تو اس وقت ایک بندہ کہے گا:

﴿لَوْ لَآ أَخَّرْتَنِيْٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ قَرِيْبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾(۱)

یعنی اے اللہ! آپ نے مجھے موت دے دی لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دیجئے اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے دنیا میں واپس بھیج دیجئے تو پھر آپ دیکھئے گا کہ میں کتنا نیک بن جاؤں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا﴾(۲)

یعنی جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کسی کی موت میں کوئی تاخیر نہیں کرتے، ایک منٹ اِدھر سے اُدھر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ اس دعا کے ذریعہ اس طرف توجہ دلارہے ہیں کہ قبل اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے جاکر یہ کہو کہ اے اللہ! مجھے ایک دن کے لئے اور دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ اس میں توبہ کرکے نیک بن جاؤں، آج تمہیں اللہ تعالیٰ نے یہ نیا دن عطا فرمایا ہے، اس دن کے بارے میں یہ سمجھو کہ تم موت کے منہ سے نکل کر آرہے ہو۔

یہ سمجھو کہ یہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہے

ذرا تصور کرو کہ ایک آدمی کے لئے پھانسی کا حکم ہوچکا ہے، آج اس کو پھانسی دی جانی ہے، پھانسی کا پھندا لٹکا ہوا تیار ہے، اس آدمی کو پھانسی کے تختے پر لے جایا گیا اور بس اتنی دیر باقی ہے کہ جلّاد رسّی کھینچ کر کام تمام کردے۔ اس وقت اگر کوئی حاکم یہ کہے کہ ہم تمہاری پھانسی کو ایک دن کے لئے مؤخر کرتے ہیں، لہٰذا آج کے بجائے کل پھانسی دی جائے گی۔ بتایئے! ایک طرف تو اس کو خوشی کتنی ہوگی؟ دوسری طرف وہ شخص وہ ایک دن کس طرح گزارے گا؟ اسی کی طرف حضورِ اقدس ﷺ توجہ دلارہے ہیں کہ یہ جو تمہیں نیا دن ملا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے پھانسی کا حکم ہوجانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک دن اور عطا فرمادیا، جس طرح تم وہ دن گزارتے، آج کا دن بھی اسی طرح گزارو۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں، وہ ہر دن اسی طرح گزارتے ہیں۔ حضرت

---

(۱) المنافقون: ۱۰ (۲) المنافقون: ۱۱

عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے تھے اور بڑے جلیل القدر محدث تھے۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میرے زمانے کے جتنے بزرگانِ دین ہیں، ان سب سے ملاقات کروں اور ان سے یہ پوچھوں کہ اگر آپ کو کسی طرح یہ پتہ چل جائے کہ کل بارہ بجے آپ کو موت آنے والی ہے اور آپ کے پاس زندگی کے صرف چوبیس گھنٹے باقی ہیں تو آپ ان چوبیس گھنٹوں میں کیا عمل کریں گے؟ ان صاحب کے پیش نظر یہ تھا کہ ہر بزرگ کی الگ شان ہوتی ہے اور ہر ایک کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں، اس لئے ہر بزرگ وہ کام بتائے گا جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ افضل اور سب سے زیادہ فائدے والا اور سب سے زیادہ اجر و ثواب والا ہوگا۔

چنانچہ وہ شخص مختلف بزرگوں کے پاس گئے، ہر بزرگ نے مختلف جواب دیئے، جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابی نعم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور ان سے سوال کیا کہ آپ ان چوبیس گھنٹوں میں کیا عمل کریں گے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی کام کروں گا جو آج کر رہا ہوں۔ یعنی میں نے تو ہر دن ایسا بنایا ہوا ہے گویا کہ وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہے، لہٰذا جو عمل میں کرتا ہوں، اس پر کسی دوسرے عمل کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ بہرحال اس دعا کے پہلے جملے میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آج کا دن ہمیں واپس دے دیا۔ اس جملے میں یہ سارے مضامین پوشیدہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا

اس دعا میں دوسرا جملہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

((وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوبِنَا))

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کیا۔ یہ جملہ بھی اپنے اندر معنی کی ایک کائنات رکھتا ہے، اس جملہ میں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم سے اس دنیاوی زندگی میں نہ جانے کتنے گناہ سرزد ہو رہے ہیں اور ان گناہوں کی وجہ سے ہم اس بات کے مستحق ہیں کہ ہم پر عذاب نازل ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔

قومِ عاد پر عذاب

آج اگر ہم اپنی زندگی پر نگاہ ڈالیں تو یہ نظر آئے گا کہ وہ بڑے بڑے گناہ جن کی وجہ سے پچھلی اُمتوں میں پوری پوری قوم کو تباہ کر دیا گیا، تقریباً وہ سب گناہ آج ہمارے معاشرے میں پھیلے ہوئے

ہیں۔ قومِ عاد پر اللہ تعالیٰ نے ہوا کا عذاب نازل فرمایا، تین دن تک اس طرح ہوا کا طوفان آیا کہ بعض دیکھنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ طوفانی ہوا عورتوں اور جانوروں کو اُڑا کر لے گئی اور بادلوں سے ان کے رونے اور چیخنے کی آوازیں آتی تھیں۔

قومِ ثمود اور قومِ شعیب پر عذاب

قومِ ثمود کو ایک ایسی چیخ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا جس سے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کیا کرتی تھی، تولتے وقت ڈنڈی مارنے کی عادت تھی، ان پر ''یوم الظلۃ'' کا عذاب اس طرح آیا کہ تین روز تک شدید گرمی پڑی، آسمان سے آگ برس رہی تھی اور زمین شعلے اُگل رہی تھی، تین دن کی گرمی سے بلبلا اُٹھے، اس کے بعد اچانک ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں اور بستی سے باہر کھلے میدان میں ایک بادل کا ٹکڑا آیا اور اس میں سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی، چونکہ وہ قوم تین دن سے گرمی کی سختی برداشت کر رہی تھی، جب اس ٹھنڈے بادل کو بستی کے باہر دیکھا تو پوری قوم بستی سے باہر نکل کر اس بادل کے نیچے جمع ہوگئی، جب ساری قوم جمع ہوگئی تو اس بادل سے انگارے برسائے گئے اور ان انگاروں کے نتیجے میں پوری قوم تباہ ہوگئی۔ یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ وہ کفر و شرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔

قومِ لوط پر عذاب

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر بدفعلی کی وجہ سے اور لوگوں کا مال لوٹنے کی وجہ سے عذاب آیا۔ یعنی ایک تو خلافِ فطرت بدفعلی کا ارتکاب کرنے کی عادت تھی، دوسرے لوگوں کا مال لوٹ کر اس کو ناحق کھانے کی عادت تھی، ان دو خرابیوں کی وجہ سے ان پر پتھروں کی بارش کا عذاب آیا، اور دوسرا عذاب یہ آیا کہ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں، اُوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کر دیا گیا۔ آج بھی ان کی بستیوں کا حشر اُردن میں دیکھا جا سکتا ہے، میں نے خود جا کر دیکھا ہے۔ وہ جگہ جہاں ان کی بستیاں آباد تھیں، آج وہاں پر ایسا سمندر ہے جس میں کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، جس کی وجہ سے اس کو ''بحرِ میت'' کہا جاتا ہے، اگر کوئی مچھلی دریا سے اس سمندر میں آ جائے تو وہ فوراً مر جاتی ہے۔

دنیا کا سب سے زیادہ پست علاقہ

جغرافیہ کے ماہرین نے بتایا ہے کہ وہ جگہ جہاں لوط علیہ السلام کی بستیاں تھیں، وہ جگہ آج سارے

روئے زمین پر سب سے زیادہ پست جگہ ہے، یعنی وہ جگہ سطح سمندر کے اعتبار سے پورے کرۂ ارض میں سب سے زیادہ نچلی جگہ ہے، چنانچہ جگہ جگہ پر راستے میں بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ اب اس کی سطح اتنی نیچے ہوگئی، اب اتنی نیچے ہوگئی، اب اتنی نیچے ہوگئی۔ قرآن کریم نے یہ جو فرمایا تھا:

﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾(۱)

یعنی ہم نے اس کے بلند مقامات کو نیچے کر دیا۔ آج بھی انسان اس کا مشاہدہ وہاں پر کر سکتا ہے۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ عام عذاب سے محفوظ ہے

بہرحال! پچھلی اُمتوں پر ان کی مختلف بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختلف اوقات میں مختلف عذاب نازل کرتے رہے ہیں، لیکن حضورِ اقدس ﷺ کی اُمتِ محمدیہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے طفیل یہ خصوصیت بخشی ہے کہ اس اُمت پر کوئی ایسا عذابِ عام نہیں آئے گا جو پوری اُمت کو ایک ہی مرتبہ ہلاک کر دے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ط وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ o﴾(۲)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی اُمت کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک آپ ان کے اندر موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہے کہ آج شدید بداعمالیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ اس اُمت پر ایسا عذاب نازل نہیں فرمائیں گے جس میں پوری اُمت تباہ و برباد ہو جائے۔

جزوی عذاب اُمتِ محمدیہ ﷺ پر آئیں گے

لیکن خوب یاد رکھئے! اس اعلان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جزوی عذاب سے بھی چھٹی ملی ہوئی ہے، بلکہ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں بھی جزوی عذاب آئیں گے، کبھی زلزلے کے ذریعہ سے تباہ کیا جائے گا، کبھی صورتیں مسخ کی جائیں گی، کبھی پتھر برسیں گے، کبھی ہواؤں کے طوفان آئیں گے۔ لہٰذا جزوی عذاب کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جزوی عذاب مختلف مواقع پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔

---

(۱) الحجر: ۷۴ (۲) الأنفال: ۳۳

بہرحال! حضورِ اقدس ﷺ نے طلوعِ آفتاب کے وقت یہ دعا فرمائی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَقَالَنَا یَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ یُهْلِکْنَا بِذُنُوْبِنَا))

یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے یہ دن ہمیں واپس دے دیا، اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہیں کیا۔ ایک نبی ہی کا مقام ہے کہ وہ ایسے الفاظ سے دعا کرے۔ اس دعا میں صرف دو فقرے ہیں، لیکن ان میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے، ایک طرف ان میں اللہ جل شانہ کے انعامات کا شکر بھی ہے اور دوسری طرف اللہ کے عذاب سے خوف اور خشیت بھی ہے اور اس میں گناہوں سے توبہ کرنے کا موقع مل جانے کا اعتراف بھی ہے اور ساتھ ساتھ یہ دعوت بھی ہے کہ جب ایک نیا دن ملا ہے تو اس دن کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے میں صرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس دعا کی خصوصیات کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



صبح کے وقت پڑھنے کی دعائیں ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ جمعہ کو اس دعا کی تشریح عرض کی تھی جو دعا حضورِ اقدس ﷺ سورج نکلتے وقت پڑھا کرتے تھے، وہ دعا یہ تھی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَقَالَنَا يَوْمَنَا هٰذَا وَلَمْ يُهْلِكْنَا بِذُنُوْبِنَا))(۲)

پھر دن کے آغاز میں حضورِ اقدس ﷺ سے چند اور دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ سورج طلوع ہونے کے بعد جب بلند ہو جائے اور نماز پڑھنا جائز ہو جائے یعنی سورج طلوع ہونے کے تقریباً بارہ منٹ کے بعد تو پہلے اشراق کی نماز پڑھیں اور پھر یہ دعائیں پڑھیں، کیونکہ اس وقت حضورِ اقدس ﷺ سے دو رکعت یا چار رکعت نماز ''اشراق'' کی نیت سے پڑھنا ثابت ہیں اور احادیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ دو رکعت گویا کہ اس بات کا شکرانہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا ایک دن اور عطا فرمایا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں نمازِ اشراق کے بعد پڑھی جائیں اور فجر کی نماز کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۲۰۹ تا ۲۲۸)

(۱) المؤمن: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''

(۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب ترتیل القراءة واجتناب الهذ، رقم: ۱۳۵۹

پہلی دعا

پہلی دعا جو دن کے آغاز میں حضور اقدس ﷺ سے پڑھنا ثابت ہے وہ یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰ وَبِكَ نَمُوْتُ))(۱)

''اے اللہ! ہماری صبح بھی آپ ہی کے کرم سے ہے اور ہماری شام بھی آپ ہی کے کرم سے ہے اور ہماری زندگی بھی آپ ہی کی بدولت ہے اور جب ہمیں موت آئے گی تو وہ موت بھی آپ ہی کی طرف سے ہے''

اس دعا میں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے صبح سے لے کر شام تک کے سارے اوقات اللہ جل شانہ کے مرہونِ منت ہیں۔

دوسری دعا

صبح کے وقت دوسری یہ دعا پڑھنا ثابت ہے:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهٗ))(۲)

''اے اللہ! جو دن شروع ہو رہا ہے، میں اس دن کی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں اور اس دن کے بعد جو دن آنے والے ہیں، ان کی بھی بھلائی آپ سے مانگتا ہوں''

اس دعا میں لفظ ''خیر'' بیان فرمایا، جس کے معنی ہیں ''بھلائی'' یہ اتنا جامع اور عام لفظ ہے کہ اس میں دنیا اور آخرت کی ساری حاجتیں جمع ہو جاتی ہیں، لہٰذا جب یہ کہا کہ میں اس دن کی بھلائی مانگتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دن میں جو بھی واقعہ پیش آئے جو جو حالات پیش آئیں، وہ میرے

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الدعاء إذا أصبح وإذا أمسی، رقم: ۳۳۱۳، سنن ابن ماجه، کتاب الدعاء، باب ما یدعو به الرجل إذا أصبح وإذا أمسی، رقم: ۳۸۵۸

(۲) حلیة الأولیاء (۲۸/۵)، الدعاء للطبرانی، رقم: ۲۶۷ (۳۰۲/۱)، پوری دعا کچھ یوں ہے: "أصبحنا وأصبح الملك لله والحمد لله لا إله إلا الله وحده لا شریك له أللهم إنی أسألك خیر هذا الیوم وخیر ما بعده وأعوذ بك من شر هذا الیوم وشر ما بعده أللهم إنی أعوذ بك من الکسل والکبر وعذاب القبر" پوری دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''ہم نے اور ساری کائنات نے اللہ کے حکم سے صبح کی، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اے اللہ! میں تجھ سے اس دن کی اور اس دن کے بعد آنے والے زمانے کی خیر مانگتا ہوں اور اس دن کی برائیوں سے اور اس دن کے بعد آنے والی برائیوں سے پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ! مجھے سستی، تکبر اور قبر کے عذاب سے نجات عطا فرما''

لئے خیر ہوں اور وہ میرے لئے بھلائی کا سبب ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دعاؤں میں سے ایک دعا بھی اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ چنانچہ اس دعا میں بھی دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں جمع ہیں۔

تیسری دعا

پھر ایک اور دعا میں حضورِ اقدس ﷺ نے اس ''خیر'' کی تھوڑی سی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ))(۱)

''اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی بھلائی اور اس دن کی فتح اور اس دن میں آپ کی مدد اور نصرت اور اس دن کا نور اور اس دن کی برکت اور اس دن میں حاصل ہونے والی ہدایت مانگتا ہوں''

لفظ ''فتح'' کی تشریح

اس دعا میں حضورِ اقدس ﷺ نے "فتح" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ ہماری اُردو زبان اتنی تنگ ہے کہ عربی کا لفظ "فتح" کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں ہے۔ اس لئے میں نے اس کا یہ ترجمہ کیا کہ اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی فتح مانگتا ہوں، کیونکہ اُردو میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس لفظ کی پوری پوری نمائندگی کر سکے۔

"فتح" کے لفظی معنی ہیں ''کھولنا''، جیسے کوئی چیز بند ہے اور پھر اس کو کھول دیا جائے تو اس کے لئے فتح کا لفظ بولا جائے گا۔ چنانچہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلعہ فتح کر لیا یا فلاں شہر فتح کر لیا، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پہلے ہمارے لئے بند تھا اور ہمارا اس پر قابو نہیں تھا اور ہمیں اس بات کی طاقت نہیں تھی کہ اس کے اندر داخل ہو سکتے، لیکن وہ فتح ہو گیا ہے اور ہمارے لئے کھل گیا ہے۔ لہٰذا اُردو میں سب سے قریب تر اس کا ترجمہ ''دروازے کھول دینا'' ہو سکتا ہے۔

رحمت کے دروازے کھول دے

لہٰذا اس دعا کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ! میں آپ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ آپ میرے لئے

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول إذا اصبح، رقم: ٤٤٢١

اس دن کے اندر اپنی توفیق اور رحمت کے دروازے کھول دیں۔ کیونکہ انسان جب دن کے آغاز میں اپنی سرگرمیوں میں داخل ہوتا ہے، مثلاً صبح کے وقت روزی کمانے کے لئے اور دوسری ضروریات پوری کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلتا ہے تو اس وقت انسان کو قدم قدم پر رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دروازے بند ہیں، پھر بعض اوقات وہ رکاوٹیں برقرار رہتی ہیں اور انسان اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ غیب سے وہ رکاوٹ دور فرمادیتے ہیں اور انسان اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

دروازہ کھل گیا

مثلاً آپ دفتر یا دکان جانے کے لئے گھر سے نکلے، اب آپ سواری کے انتظار میں کھڑے ہیں اور سواری نہیں مل رہی ہے، بس میں سوار ہونا چاہتے ہیں لیکن بس نہیں آرہی ہے، یا ٹیکسی کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی ٹیکسی نہیں مل رہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رکاوٹ ہے اور ابھی دروازہ بند ہے، پھر اچانک بس آگئی یا ٹیکسی مل گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دروازہ کھل گیا اور جو رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی۔ یا مثلاً آپ کسی کام کے لئے سرکاری دفتر گئے، وہاں جاکر دیکھا کہ لمبی قطار لگی ہوئی ہے، آپ بھی قطار میں کھڑے ہوگئے اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگے، مگر آپ کا نمبر ہی نہیں آرہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دروازہ بند ہے اور کوئی رکاوٹ ہے، لیکن اچانک یہ ہوا کہ آگے کے لوگ جلدی جلدی فارغ ہوگئے اور آپ کا نمبر جلدی آگیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رکاوٹ دور ہوگئی اور جو دروازہ بند تھا وہ کھل گیا۔ دنیا کے اور آخرت کے ہر کام میں آپ کو یہ سلسلہ نظر آئے گا۔

دروازہ کھل جانا ''فتح'' ہے

بعض اوقات یہ رکاوٹ اتنی لمبی ہوجاتی ہے کہ انسان اپنا مقصد حاصل نہیں کرپاتا اور بعض اوقات وہ رکاوٹ جلدی دور ہوجاتی ہے اور انسان اپنے مقصد کو جلدی حاصل کرلیتا ہے۔ یہ جو رکاوٹ دور ہورہی ہے اور دروازے کھل رہے ہیں، اس کا نام ''فتح'' ہے۔ اسی لئے حضور اقدس ﷺ دن کے آغاز میں یہ دعا فرمارہے ہیں:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهُ))

یعنی اے اللہ! آپ نے زندگی کا ایک نیا دن عطا فرمادیا ہے، اب اس دن میں اپنے کاروبارِ زندگی میں داخل ہوں گا، وہاں قدم قدم پر رکاوٹیں آئیں گی، اے اللہ! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ رکاوٹیں دائمی نہ ہوں، بلکہ وہ رکاوٹیں دور ہوجائیں اور آپ کی طرف سے دروازے کھل جائیں۔

زندگی ''جہدِ مسلسل'' سے عبارت ہے

اگر ہر شخص صبح سے لے کر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ یہ ساری زندگی اس طرح گزر رہی ہے کہ رکاوٹیں آتی ہیں، کبھی وہ رکاوٹیں جلدی ختم ہو جاتی ہیں اور کبھی دیر سے ختم ہوتی ہیں اور کبھی باقی رہتی ہیں، کبھی انسان کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی ناکام ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میرے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوا کرے بلکہ میں جو چاہوں وہ کام ہو جایا کرے تو یہ بات اس دنیا کے اندر تو ممکن نہیں ہے یہ حالت تو انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں حاصل ہوگی، وہاں پر آدمی جو چاہے گا وہ ہوگا، جو مانگے گا وہ ملے گا، لیکن اس دنیا میں بڑے سے بڑے بادشاہ، بڑے سے بڑے صاحبِ اقتدار، بڑے سے بڑے دولتمند کو بھی یہ بات نصیب نہیں کہ جو وہ چاہے وہ ہو جائے اور وہ جو مانگے وہ مل جائے، بلکہ یہ دنیا کی زندگی تو معرکۂ کارزارِ حیات ہے، یہ زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے، اس میں رکاوٹیں آتی بھی ہیں اور دور بھی ہوتی ہیں، یہاں دروازے بند بھی ہوتے ہیں اور کھلتے بھی ہیں۔

بہر حال! حضورِ اقدس ﷺ صبح کے آغاز میں دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں کارزارِ زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، معرکۂ زندگی میں اُترنے والا ہوں، یہاں قدم قدم پر رکاوٹیں آئیں گی، اے اللہ! میرے لئے دروازے کھول دیجئے، تاکہ وہ رکاوٹیں دائمی اور ابدی نہ ہوں۔

''بیماری'' ایک رکاوٹ ہے

دیکھئے! بیماری آگئی تو یہ بیماری ایک رکاوٹ ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے انسان اپنے معمولاتِ زندگی ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اب بیماری کو دور کرنے کے لئے دوا کھائی تو اب وہ دوا اثر ہی نہیں کر رہی ہے اور دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے، یہ رکاوٹ ہے، لیکن اچانک بعد میں دوا سے فائدہ ہونا شروع ہو گیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازہ کھل گیا، اس کا نام ''فتح'' ہے۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! جب میں صبح کے وقت زندگی کا آغاز کروں اور کاروبارِ زندگی میں اُتروں تو اس وقت آپ کی طرف سے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور جو رکاوٹیں آئیں آپ ان کو دور فرما دیں۔

نماز میں سُستی ایک رکاوٹ ہے

آپ اندازہ کریں کہ اگر کسی بندے کو صرف یہ بات حاصل ہو جائے کہ اس کے لئے

دروازے کھلے ہوئے ہوں، دنیا کے معاملات میں بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں اور دین کے معاملات میں بھی دروازے کھلے ہوئے ہوں تو اس کو اور کیا چاہئے۔ یہ مثالیں تو میں نے دنیا کے معاملات میں بتائیں۔ آخرت کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کوئی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور عبادت کرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا چاہتا ہے لیکن درمیان میں رکاوٹ آجاتی ہے، مثلاً فجر کی نماز پڑھنے کے لئے بیدار ہونا چاہتا ہے لیکن نیند کا غلبہ ہے، تو یہ ایک رکاوٹ ہے جو اس کو نماز سے روک رہی ہے اور دروازہ بند ہے، لیکن اس وقت اس کے دل میں یہ خیال آگیا کہ یہ نماز پڑھنا تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، اس کو ضرور پڑھنا چاہئے، اس خیال کے آتے ہی طبیعت میں ہمت پیدا ہوگئی اور اُٹھ کر نماز کے لئے چل پڑا، تو اس کے لئے دروازہ کھل گیا اور رکاوٹ دور ہوگئی۔

گناہوں کے داعیے رکاوٹ ہیں

یا مثلاً آپ کسی کام سے گھر سے باہر نکلے، لیکن باہر آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے، چاروں طرف فتنے پھیلے ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات اس کو اس بات پر اُبھار رہی ہیں کہ وہ اس کو غلط استعمال کرکے لذت حاصل کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں رکاوٹ ہے، دروازہ بند ہے، اور نفس کا تقاضا اتنا شدید ہے کہ آدمی مغلوب ہورہا ہے، نفس و شیطان کا بہکانا اتنا شدید ہے کہ انسان ہتھیار ڈالے جارہا ہے، لیکن جب اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس نفس و شیطان نے مجھے مغلوب کررکھا ہے، اے اللہ! مجھے اس بات کی توفیق عطا فرمادے کہ میں اس گناہ سے بچ جاؤں، چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں توفیق مل گئی اور اس گناہ سے بچنے کی ہمت ہوگئی اور دروازہ کھل گیا۔ بہرحال! دنیا کے کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی دروازہ کھلنے کی ضرورت ہے، اور ہم اس بات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں کہ اس کی طرف سے دروازہ کھل جائے، اس لئے حضور اقدس ﷺ دن کے شروع ہی میں یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! اس دن کی بھلائی عطا فرما اور اس دن کی ''فتح'' عطا فرما، تاکہ رکاوٹیں دور ہوں اور دروازے کھل جائیں۔

لفظ ''نَصرَۃ'' کی تشریح

اس کے بعد تیسرا لفظ ارشاد فرمایا: ''نَصرَۃ''۔ ''نَصرَۃ'' کے معنی ہیں ''مدد'' یعنی اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی مدد مانگتا ہوں۔ اس لئے کہ انسان صبح سے شام تک کی زندگی میں جتنے کام انجام دیتا ہے، ان میں سے کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو پھر انسان کوئی بھی کام اس دنیا میں انجام نہیں دے سکتا، اس لئے

حضورِ اقدس ﷺ دن کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ سے یہ التجا اور درخواست فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! آپ کی نصرت میرے شاملِ حال رہے اور میں جب بھی کوئی کام کرنے جاؤں تو آپ کی طرف سے میری مدد ہو، چاہے وہ دنیا کا کام ہو یا آخرت کا کام ہو۔

انسان کا کام صرف اسباب جمع کرنا ہے

دیکھئے! انسان کے اختیار میں بس اتنا ہے کہ وہ کسی کام کے اسباب مہیا کرلے، لیکن ان اسباب کا کارگر ہونا، ان سے فائدہ حاصل ہونا اور ان سے مقصود حاصل ہو جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے پیسے جمع کیے، دکان بنائی، اس دکان میں سامان رکھا اور اس دکان میں جاکر بیٹھ گیا۔ یہ کام تو اس کے اختیار میں تھے جو اس نے انجام دے دیئے، لیکن اس دکان پر گاہک کا آنا اور سامان کو پسند کرنا اور اس سامان کی جو قیمت طلب کی جارہی ہے، اس قیمت کے ادا کرنے پر تیار ہو جانا، یہ کام انسان کے اختیار میں نہیں۔ وہ کون ذات ہے جو اس کی دکان پر گاہک کو بھیج رہا ہے، وہ کون ذات ہے جو گاہک کے دل میں یہ ڈال رہا ہے کہ اس دکان میں فلاں چیز رکھی ہے تم پسند کرلو، کون اس گاہک کے دل میں یہ بات ڈال رہا ہے کہ اس چیز کو اتنی قیمت پر خرید لو۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ وہ دکان کھول کر مال سجا کر بیٹھے ہیں لیکن گاہک نہیں آتا، یا گاہک آتا ہے لیکن چیز پسند نہیں کرتا، یا چیز پسند کرتا ہے لیکن اس کی جو مناسب قیمت ہے، وہ دینے پر تیار نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ دکاندار دکان کھولے بیٹھا ہے لیکن فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ اب ظاہری اسباب تو اس نے جمع کرلیے ہیں، لیکن اللہ جل شانہ کی طرف سے مدد اور نصرت نہیں جس کے نتیجے میں یہ سارے اسباب بیکار ہو گئے۔

صحت حاصل ہونا اختیار میں نہیں

یا مثلاً انسان کے اختیار میں اتنا ہی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو وہ کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کرے اور وہ ڈاکٹر اس کو دوا لکھ دے، پھر وہ بازار سے وہ دوا خرید کر لے آئے اور اس دوا کو کھالے، لیکن دوا کے کھا لینے کے بعد وہ دوا کارگر ہو، وہ دوا فائدہ پہنچائے اور بیماری کو دور کرے اور اس کے نتیجے میں شفا حاصل ہو جائے، یہ انسان کے بس کا کام نہیں جب تک اللہ جل شانہ کی طرف سے مدد اور نصرت نہ ہو۔

ملازمت مل جانا اختیار میں نہیں

یا مثلاً انسان کے اختیار میں اتنا ہی ہے کہ اپنے روزگار اور ملازمت کے لئے درخواست

دیدے، لیکن وہ درخواست منظور ہو جائے اور ملازمت مل جائے اور اس کے بعد دونوں کے درمیان مناسبت بھی قائم ہو جائے اور اس کام کے نتیجے میں تنخواہ مل جائے، یہ انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور نصرت کی ضرورت ہے۔ یہ تو دنیا کے کام ہوئے۔

خشوع وخضوع اختیار میں نہیں

دوسری طرف آخرت کے کاموں میں بھی یہی اصول ہے۔ مثلاً انسان کے اختیار میں صرف اتنا ہے کہ مسجد جا کر نماز کی نیت باندھ لے، لیکن اس کا دل اور اس کا دماغ اور اس کی توجہ اللہ جل شانہ کی طرف ہو جائے اور اس کی نماز میں خشوع اور خضوع پیدا ہو جائے، یہ اس کے اختیار میں نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔ بہر حال! دنیا اور آخرت کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں اللہ جل شانہ کی مدد کی ضرورت نہ ہو۔

دن کے آغاز میں ''نصرت'' طلب کرلو

اس لئے حضور اقدس ﷺ دن کے شروع ہی میں یہ دعا مانگ رہے ہیں اور گویا کہ اللہ تعالیٰ سے یہ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! یہ دن شروع ہو رہا ہے، میں کاروبارِ زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، معرکۂ حیات پیش آنے والا ہے، نہ جانے کیسے حالات پیش آئیں، نہ جانے کیا واقعات سامنے آئیں، اس لئے مجھے ہر ہر قدم پر آپ کی نصرت درکار ہے، میں آپ سے آپ کی نصرت مانگتا ہوں۔

لفظ ''نُوْرَہٗ'' کی تشریح

آگے چوتھا لفظ ارشاد فرمایا ''وَنُوْرَہٗ'' یعنی میں آپ سے اس دن کا نور مانگتا ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دن تو ہوتا ہی نور ہے، اس لئے کہ ''نور'' کے معنی ہیں ''روشنی'' اور دن کے اندر روشنی ہی ہوتی ہے، جب سورج نکلتا ہے تو ساری کائنات منور اور روشن ہو جاتی ہے، مؤمن اور کافر، فاسق و فاجر، ہر ایک کو اللہ تعالیٰ دن کی روشنی عطا فرماتے ہیں، پھر اس دعا کا کیا مطلب ہے کہ اے اللہ! مجھے اس دن کا نور عطا فرما۔

نور سے دل کا نور مراد ہے

بات دراصل یہ ہے کہ اس دعا میں نور سے مراد یہ ظاہری روشنی نہیں، بلکہ یہ دعا کی جا رہی ہے کہ اے اللہ! ظاہری روشنی تو آپ نے اس دن کے ذریعہ سب کو عطا فرما دی، مؤمن کو بھی اور کافر کو

بھی، فاسق کو بھی اور فاجر کو بھی، بچے کو بھی اور بوڑھے کو بھی، مرد کو بھی اور عورت کو بھی، لیکن اے اللہ! میرے لئے تنہا یہ ظاہری روشنی کافی نہیں جب تک آپ مجھے میرے دل کا نور عطا نہ فرمائیں۔ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

لہٰذا صرف آنکھوں کا نور کافی نہیں بلکہ باطن کا نور اور دل کے نور کی ضرورت ہے۔

اپنے رضا والے کاموں کی توفیق دے

اس لئے یہ دعا کی جارہی ہے کہ اے اللہ! آپ نے یہ جو ظاہری روشنی پیدا فرمائی ہے، یہ اس لئے پیدا فرمائی ہے تاکہ لوگ اس روشنی سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنے کام انجام دیں، کیونکہ اگر اندھیرا ہوتا اور سورج نہ نکلتا تو کوئی آدمی اپنا کوئی کام انجام نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُم مِّنْ فَضْلِهِ﴾(۱)

یعنی ہم نے تمہیں یہ دن اس لئے دیا ہے تاکہ اس دن کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ لہٰذا یہ تو ہماری جسمانی ضرورت ہے کہ ہمیں یہ روشنی ملے، لیکن میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! دن کی یہ روشنی اس وقت کارگر ہوگی جب میں اس روشنی میں کام بھی نور والے کروں، ظلمت والے کام نہ کروں۔ اور نور والے کام وہ ہیں جن کے کرنے سے آپ راضی ہوتے ہیں، اور جن کاموں کے کرنے سے آپ راضی نہیں، وہ کام چاہے کتنے ہی درخشاں اور تاباں نظر آتے ہوں، لیکن حقیقت میں وہ ظلمت اور اندھیرے ہیں، اس لئے میں آپ سے اس دن کا نور مانگتا ہوں۔

کام کی ظلمت سے دل میں گھٹن ہوتی ہے

یہ "نور" کا لفظ بڑا جامع ہے، قرآن وحدیث میں "نور" ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔ آپ دنیا کے اندر بہت سے کام انجام دیتے ہیں، لیکن بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو انجام دینے کے بعد طبیعت میں بہت نشاط اور انشراح ہوتا ہے، خوشی اور اطمینان اور سکینت حاصل ہوتی ہے، اور بعض کام ایسے کرتے ہیں کہ ان کو انجام دینے کے بعد طبیعت میں انقباض ہوجاتا ہے، گھٹن اور الجھن ہوجاتی ہے، اطمینان اور سکون نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کسی کام کے کرنے میں بڑا لطف اور مزہ تو آیا لیکن اس کے

(۱) الروم: ۲۳

کرنے کے بعد طبیعت میں گھٹن اور ایک الجھن پیدا ہوگئی، تو یہ گھٹن اور الجھن اس کام کی ظلمت ہے اور اس ظلمت نے دل کو گھیرا ہوا ہے۔

کام کے نور سے دل میں انشراح

بعض اوقات ایک کام انجام دینے سے طبیعت کے اندر خوشی پیدا ہوگئی، اطمینان اور سکون حاصل ہوگیا، سکینت حاصل ہوگئی، یہ درحقیقت اس کام کا نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے ذریعہ عطا فرمایا۔ صبح سے شام تک کی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھیں، ہر انسان کو یہ حالت پیش آتی ہے، کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔ اس لئے دن کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرلیں کہ اے اللہ! وہ کام کرنے کی توفیق عطا فرمایئے جس کے نتیجے میں دل کا نور حاصل ہو اور جس سے قلب کو سکون اور اطمینان نصیب ہو۔

لفظ ''بَرَکَتَہٗ'' کی تشریح

اس کے بعد پانچواں لفظ ارشاد فرمایا: ''وَبَرَکَتَہٗ'' اے اللہ! میں آپ سے اس دن کی برکت مانگتا ہوں۔ یہ ''برکت'' بڑی عجیب چیز ہے۔ اُردو میں یا دنیا کی دوسری زبان میں اس کا ایک لفظ کے ذریعہ ترجمہ کرنا ممکن نہیں۔ ہم لوگ ''برکت'' کا لفظ ہر وقت بولتے رہتے ہیں، اور اسی برکت سے لفظ ''مبارک'' نکلا ہے، کسی کا نکاح ہوگیا، تو کہتے ہیں نکاح مبارک ہو، شادی مبارک ہو، مکان بن گیا مبارک ہو، گاڑی مبارک ہو، کاروبار مبارک ہو، ملازمت مبارک ہو، دن رات ''مبارک'' کا لفظ استعمال کرتے رہتے ہیں، لیکن اس لفظ کا مطلب بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔

برکت کا مطلب

''برکت'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کسی چیز کا حقیقی فائدہ انسان کو عطا فرمادیں اور تھوڑی محنت و مشقت سے اور تھوڑے پیسے سے زیادہ فائدہ حاصل ہوجائے، اس کا نام ''برکت'' ہے۔ یہ ''برکت'' خالص اللہ جل شانہ کی عطا ہے، انسان پیسے سے چیز خرید سکتا ہے لیکن اس کی ''برکت'' پیسے سے نہیں خرید سکتا اور نہ محنت سے حاصل کرسکتا ہے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، انہی کی طرف سے نصیب ہوتی ہے، جس پر ان کا فضل ہوتا ہے، اسی کو یہ برکت عطا ہوتی ہے۔

بیڈروم کی برکت نہیں ملی

مثلاً آپ نے ایک بڑا عالیشان مکان بنالیا، اس مکان پر کروڑوں روپیہ خرچ کردیا، اس کو زیب و زینت سے آراستہ کرلیا، دنیا کی تمام ضروریات اس مکان کے اندر جمع کرلیں، اس مکان کا بیڈروم بڑا شاندار بنایا، اس کے اندر شاندار قسم کا بیڈ لگایا، اس پر عالیشان گدا لگایا، اس بیڈ کے چاروں اطراف کا ماحول بڑا خوبصورت بنایا، اس کے اندر خوشبو چھڑکی، یہ سب کچھ کرلیا، لیکن جب رات کو آکر اس بیڈ پر لیٹے تو ساری رات نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتے بدلتے رات گزر گئی۔ بتایئے! وہ بیڈروم جو لاکھوں روپے میں تیار کیا اور اس کے اندر سارے اسباب جمع کیے، لیکن جب اس میں نیند نہیں آئی تو کیا وہ بیڈروم کسی کام کا ہے؟ اس بیڈروم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا، اب ڈاکٹر کے پاس جارہے ہیں اور نیند کی گولیاں کھا رہے ہیں، جس کے نتیجے میں کبھی نیند آتی ہے اور کبھی نہیں آتی، لہٰذا بیڈروم تو حاصل ہوگیا لیکن اس کی برکت نہ ملی۔

گھر ملا لیکن برکت نہ ملی

اسی طرح گھر خریدا، لیکن اس گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہوا ہے، کبھی یہ چیز ٹوٹ گئی اور کبھی وہ چیز ٹوٹ گئی، کبھی اس چیز کی مرمت کرارہے ہیں اور کبھی دوسری چیز کی مرمت کرارہے ہیں، کبھی اس چیز پر ہزاروں روپے خرچ ہورہے ہیں اور کبھی دوسری چیز پر خرچ ہورہے ہیں، لہٰذا گھر تو ملا لیکن گھر کی برکت نہ ملی۔ اب بتایئے! کیا یہ برکت بازار سے خرید کر لاسکتے ہیں؟ لاکھوں روپے خرچ کرکے گھر تو بناسکتے ہیں لیکن اس گھر کی برکت پیسوں سے نہیں خرید سکتے۔

گاڑی ملی لیکن برکت نہ ملی

یا مثلاً آپ نے پیسے خرچ کرکے گاڑی تو خریدلی لیکن وہ گاڑی کبھی اسٹارٹ ہونے سے انکار کررہی ہے اور اس کو دھکا لگانا پڑتا ہے اور کبھی وہ مکینک کے پاس کھڑی ہے، یہ سب پریشانیاں ہورہی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ گاڑی تو ملی لیکن گاڑی کی برکت نہ ملی۔

جھونپڑا ملا اور برکت بھی ملی

دوسری طرف وہ شخص ہے جس نے حلال کمائی سے جھونپڑا بنایا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ اس میں آرام سے رہتا ہے، رات کو عشاء کی نماز کے بعد گھر میں آتا ہے اور بستر کے تکیے پر سر رکھتے ہی

نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند کر کے صبح اُٹھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو جھونپڑا بھی ملا اور جھونپڑے کی برکت بھی ملی اور اس کی راحت بھی ملی۔

یہ سب اسبابِ راحت ہیں

آج کی دنیا نے راحت کے اسباب کا نام راحت رکھا ہوا ہے، مال و دولت کا نام، مکان کا نام، گاڑی کا نام راحت رکھا ہوا ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سب چیزیں راحت کے اسباب تو ہیں لیکن حقیقی راحت نہیں، حقیقی راحت تو کہیں اور سے عطا ہوتی ہے، وہ اگر دینا چاہے تو جھونپڑے میں راحت و آرام عطا فرما دے اور اگر وہ راحت چھیننا چاہے تو بڑے بڑے محلات کے مکینوں سے چھین لے۔ لہٰذا ''برکت'' اللہ تعالیٰ کی اس عطا کا نام ہے جو اپنے بندے کو اس طرح عطا فرماتے ہیں کہ تھوڑی سی چیز سے بہت سے کام بن جاتے ہیں۔

''مبارک ہو'' کا مطلب

لہٰذا ہم جو دوسروں کو یہ دعا دیتے ہیں کہ ''مبارک ہو'' اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! آپ نے اس کو راحت کا سبب تو عطا فرمایا، اب اس سبب کو کارگر بھی بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ اس کو راحت بھی عطا فرما دیجئے۔

آج ہر شخص پریشان ہے

آج ہر شخص کو یہ شکایت ہے کہ اس آمدنی میں گزارہ نہیں ہوتا، جو شخص تین ہزار روپے ماہانہ کما رہا ہے، اس کو بھی یہی شکایت ہے، جو شخص دس ہزار روپے کما رہا ہے، اس کو بھی یہی شکایت ہے اور جو ماہانہ تیس ہزار روپے کما رہا ہے، وہ بھی یہی شکایت کرتا ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ جو شخص ماہانہ ایک لاکھ روپے کما رہا ہے، وہ بھی یہی کہتا ہے کہ گزارہ نہیں ہوتا، جب مہینے کی آخری تاریخیں آتی ہیں تو جیبیں خالی ہو جاتی ہیں، جو پریشانی تین ہزار روپے کمانے والے کو ہے، وہی پریشانی ایک لاکھ روپے کمانے والے کو بھی ہے۔

تین لاکھ روپے ماہانہ آمدنی والے کا حال

ایک شخص کی آمدنی تین لاکھ روپے ماہانہ تھی، میں نے اپنے کانوں سے ان کی زبان سے بھی یہی سنا کہ گزارہ نہیں ہوتا۔ بات اصل یہ تھی کہ تین لاکھ تو مل رہے ہیں، لیکن تین لاکھ کی برکت نہیں مل

رہی ہے، وہ برکت اللہ تعالیٰ نے چھین لی ہے، اور اس لئے چھین لی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں زندگی گزاری جارہی ہے، اب برکت کہاں سے آئے؟

وقت نہ ہونے کا سب کو شکوہ ہے

ہر شخص کی زبان پر یہ شکوہ ہے کہ وقت نہیں ملتا، کسی سے کہا جائے کہ فلاں کام کرلیا کرو تو فوراً جواب میں کہیں گے کہ وقت ہی نہیں ملتا، کیا کریں فرصت ہی نہیں ہے۔ آج ضروری کاموں کے لئے وقت نہیں ملتا، کیوں وقت نہیں ملتا؟ حالانکہ سب کو دن رات میں ۲۴ گھنٹے کا وقت دیا گیا ہے، چاہے وہ فقیر ہو یا امیر ہو، غریب ہو یا سرمایہ دار ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، مزدور ہو یا کسان ہو یا افسر ہو، چوبیس گھنٹے کا وقت تو سب کو دیا گیا ہے، پھر وقت کیوں نہیں ملتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت تو سب کے پاس ہے، لیکن اس وقت کی برکت نہیں ہے، پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب دن شروع ہوا اور کب ختم ہوگیا۔ کیونکہ وقت کی قدر دلوں میں نہیں ہے، یہ نہیں سمجھتے کہ جب یہ وقت برباد کردیا تو کتنی بڑی دولت برباد کردی، اس لئے وقت کے اندر بے برکتی ہے۔

دن کے آغاز میں برکت کی دعا کرلو

اس لئے حضورِ اقدس ﷺ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! دن شروع ہورہا ہے، اس لئے میں آپ سے اس دن کی برکت بھی مانگتا ہوں تاکہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجائے، یہ برکت صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

وقت بچانے کے اسباب

آج کے اس جدید دور میں وقت بچانے کے اتنے اسباب پیدا ہوگئے ہیں جس کا شمار نہیں کرسکتے، چنانچہ جو سفر پہلے گھوڑوں اور اُونٹوں پر مہینوں میں ہوا کرتا تھا، آج وہ سفر ایک گھنٹے میں ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوجاتا ہے۔ پہلے زمانے میں یہ تھا کہ اگر کھانا پکانا ہے تو پہلے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ، ان کو سکھاؤ، پھر ان کو سُلگاؤ، صرف چولہا جلانے کے لئے ایک وقت درکار ہوتا تھا، اس کے بعد کھانا پکانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا وہ اس کے علاوہ ہوتا تھا، ایک چائے بھی پکانی ہے تو ایک گھنٹہ کم از کم لگتا تھا۔ لیکن آج یہ صورت ہے کہ اگر تمہیں چائے پکانی ہے تو تم نے ماچس جلائی اور چولہے کا کان مروڑا اور دو منٹ میں چائے تیار کرلی۔ اب سوال یہ ہے کہ آج تمہارے چائے پکانے میں جو ۵۸ منٹ بچ گئے، وہ ۵۸ منٹ کہاں چلے گئے؟

جو وقت بچا وہ کہاں گیا؟

پہلے زمانے میں روٹی پکانے کے لئے خواتین پہلے چکی کے ذریعہ گندم پیستی تھیں، پھر اس کا آٹا بنا کر اس کو گوندتیں، پھر روٹی پکاتیں، سالن بنانا ہوتا تو پہلے تمام مصالحے پیستیں اور پھر ہانڈی چڑھاتیں، صبح سے لے کر دوپہر تک سارا وقت صرف کھانا پکانے میں صرف ہوجاتا تھا۔ آج وہ کھانا ایک گھنٹہ میں تیار ہوجاتا ہے، جو کام پہلے پانچ گھنٹے میں ہوتا تھا، وہ اب ایک گھنٹے میں ہونے لگا اور اس کے نتیجے میں چار گھنٹے بچے، یہ چار گھنٹے کہاں گئے؟ لیکن پھر بھی یہ شکایت ہے کہ وقت نہیں ملتا۔ کیوں؟ یہ سب اس لئے کہ آج وقت تو ہے لیکن وقت کی برکت اُٹھ گئی ہے۔

گناہ برکت کو ختم کر دیتے ہیں

اور یہ درحقیقت گناہوں کا خاصہ ہے، یہ گناہ برکت کو ختم کر دیتے ہیں، پیسوں کی برکت بھی، اوقات کی برکت بھی اور کاموں کی برکت بھی اُٹھا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان گناہوں کے نتیجے میں نہ پیسوں میں برکت رہی، نہ اوقات میں برکت رہی اور نہ کاموں میں برکت رہی۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ دن کے شروع ہی میں یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! دن شروع ہونے والا ہے، اب میں کاروبارِ زندگی میں داخل ہونے والا ہوں، اے اللہ! اپنی رحمت سے مجھے برکت عطا فرما دیجئے۔

حضور ﷺ کے وقت میں برکت کی مثال

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ۱۰ ذی الحج کی صبح ''مزدلفہ'' میں فجر کی نماز ادا کی، فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے تک وہاں پر وقوف فرمایا اور دعائیں فرمائیں۔ پھر اُونٹ پر سوار ہوکر ''منیٰ'' تشریف لائے، پھر ''منیٰ'' میں جمرہ عقبیٰ کی رمی فرمائی، اس کے بعد آپ نے سو اُونٹوں کی قربانی فرمائی، جس میں سے تریسٹھ اُونٹ خود اپنے دستِ مبارک سے قربان فرمائے۔

پھر ہر اُونٹ کے گوشت میں سے ایک ایک پارچہ کاٹا گیا، اور پھر ان تمام گوشت کے پارچوں سے شوربہ تیار کیا گیا، تاکہ تمام اُونٹوں کو حضور اقدس ﷺ کی برکت نصیب ہوجائے، اور پھر آپ نے ہر پارچہ میں سے تھوڑا تھوڑا تناول فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے سر کا حلق فرمایا، اس کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں پر طوافِ زیارت فرمایا، طوافِ زیارت کے بعد واپس ''منیٰ'' تشریف لائے اور ظہر کی نماز ''منیٰ'' میں ادا فرمائی۔

آج اگر ہمیں ایک اُونٹ ذبح کرنا ہو تو ہمیں اس کے لئے پورا دن چاہئے، لیکن

حضورِ اقدس ﷺ نے تریسٹھ اُونٹ ذبح کرنے کے ساتھ اتنے سارے کام انجام دیئے اور حضور ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہ سب کام انجام دیے۔ یہ درحقیقت وقت کی برکت تھی، جو شخص جتنا اللہ تعالیٰ سے قریب ہوگا اور جس کو اللہ تعالیٰ عبادات کی توفیق عطا فرمائیں گے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے، اس کے اوقات میں اتنی ہی برکت ہوگی۔ اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے دن کے شروع ہی میں برکت کا سوال کرلیا۔

لفظ "ہُدَاہُ" کی تشریح

اس دعا میں آخری لفظ یہ ارشاد فرمایا: "وَهُدَاهُ" یعنی اے اللہ! مجھے اس دن میں ہدایت عطا فرما۔ "ہدایت" کے لفظی معنی ہیں "سیدھا اور صحیح راستہ پالینا"، مثلاً ایک شخص کسی منزل کی طرف جارہا ہے، اگر اس کا راستہ صحیح نہیں ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ محنت کرے گا، اس کو تھکن بھی ہوگی، وقت بھی صرف ہوگا، لیکن فائدہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسان کو اپنی زندگی کے ہر لمحے میں منزل تک پہنچنے کے لئے صحیح راستہ درکار ہے، اگر راستہ غلط ہو تو انسان اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے دن کے آغاز میں ہی یہ دعا مانگ لی کہ جو کام بھی میں کروں، وہ صحیح راستے سے کروں، غلط راستے پر نہ پڑوں اور ہدایت سے نہ بھٹک جاؤں، بلکہ آپ کی طرف سے ہدایت میرے شاملِ حال رہے۔

دنیا و آخرت کے کاموں میں ہدایت کی ضرورت

اب دنیا کے کاموں کے لئے بھی ہدایت درکار ہے اور آخرت کے کاموں کے لئے بھی ہدایت درکار ہے، مثلاً کوئی شخص روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلے تو اس میں بھی ہدایت درکار ہے، تاکہ وہ شخص ایسا راستہ اختیار کرے جو اس کو روزی فراہم کرنے کا صحیح ذریعہ ہو، اگر وہ روزی کمانے کے لئے غلط راستے پر چل پڑے تو محنت بیکار جائے گی اور روزی بھی حاصل نہ ہوگی۔ مثلاً ایک آدمی بے روزگار ہے اور وہ ملازمت کی تلاش میں ہے، اب وہ کبھی ایک جگہ درخواست دے رہا ہے، کبھی دوسری جگہ درخواست دے رہا ہے، کبھی کسی شخص سے فرمائش کررہا ہے کہ مجھے ملازم رکھ لو، کبھی دوسرے سے فرمائش کررہا ہے، چنانچہ اس نے ملازمت کے لئے دس جگہوں پر درخواستیں دیں، لیکن وہ تمام جگہوں پر ناکام ہوگیا اور کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ لہٰذا اس کی محنت بھی اکارت گئی اور وقت بھی برباد ہوا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوا۔

ہدایت حاصل ہو جائے تو کام بن جائے

لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں وہ جگہ ڈال دے جہاں اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملازمت مقدر فرمائی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ پہلی ہی مرتبہ درخواست دے گا تو اس کی درخواست قبول ہو جائے گی اور ملازمت پر بلالیا جائے گا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے پہلے ہی یہ دعا کر لینی چاہئے کہ اے اللہ! آپ نے جس کام میں میرے لئے خیر مقدر فرمائی ہے، اس کا سراغ مجھے پہلی مرتبہ ہی میں مل جائے تاکہ مجھے اِدھر اُدھر بھٹکنا نہ پڑے۔

جب اللہ تعالیٰ دلوں کو جوڑتے ہیں تب ہدایت حاصل ہوتی ہے اور نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً ملازمت تلاش کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی کہ تم فلاں جگہ درخواست دو اور دوسری طرف ملازم رکھنے والے کے دل میں یہ بات ڈالی کہ تم اس کو ملازمت پر رکھ لو، نہ اس کی قدرت میں یہ بات تھی کہ وہ اس پر زور ڈالتا کہ مجھے ضرور ملازمت پر رکھ لو اور نہ اس کے قبضے میں یہ بات تھی کہ صحیح ملازم تلاش کر لے۔ یہ دنیا تو اللہ تعالیٰ کا کارخانۂ قدرت ہے کہ ہر ایک کے مفاد کو دوسرے سے وابستہ کر رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں انسانوں کو روزی حاصل ہوتی ہے۔

''اتفاق'' کوئی چیز نہیں

ویسے تو انسان کے ساتھ دن رات واقعات پیش آتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات انسان غفلت کی وجہ سے ان واقعات کو اتفاق کا نتیجہ سمجھتا ہے اور دوسروں سے کہتا ہے کہ ''اتفاق سے ایسا ہوگیا'' مثلاً وہ کہتا ہے کہ میں گھر سے باہر نکلا تو اتفاق سے ایک آدمی مل گیا اور اس نے کہا کہ مجھے ایک ملازم کی تلاش ہے، میں نے کہا کہ میں فارغ ہوں، چنانچہ اس نے مجھے ملازم رکھ لیا۔ اس کا نام اس نے ''اتفاق'' رکھ دیا، حالانکہ اس کائنات میں کوئی کام اتفاق سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو ایک حکیم مطلق کا کارخانۂ حکمت ہے، اس کی منصوبہ بندی کے تحت سب کچھ انجام پا رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ تم گھر سے نکلے اور تمہاری اس آدمی سے ملاقات ہوگئی، بلکہ وہ کسی کا بھیجا ہوا آیا تھا اور تم بھی کسی کے بھیجے ہوئے گئے تھے، دونوں کا آپس میں ملاپ ہوگیا اور بات بن گئی۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت ہے۔

میرا ایک واقعہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی تفسیر اُردو زبان میں لکھی ہے جو ''معارف القرآن'' کے نام سے مشہور ہے، لوگ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، ہم اس کا

انگریزی ترجمہ کرنا چاہتے تھے، ایک صاحب نے اس کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ابھی وہ سورہ بقرہ ہی کا ترجمہ کر رہے تھے، جب سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر پر پہنچے:

﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾(۱)

تو ان کا انتقال ہوگیا۔ وہ بہت اچھا ترجمہ کرنے والے تھے، ان کے انتقال کے بعد میں کافی عرصہ تک تلاش کرتا رہا کہ کوئی اچھا ترجمہ کرنے والا مل جائے لیکن کوئی نہیں مل رہا تھا۔ اس دوران ایک مرتبہ میری حاضری مکہ میں ہوئی، میں نے وہاں جا کر "ملتزم" پر اور دعاؤں کے ساتھ ایک دعا یہ کی کہ یا اللہ! آپ کے کلام پاک کی تفسیر کا ترجمہ کرنے کا کام ہے، کوئی مناسب آدمی نہیں مل رہا ہے، اے اللہ! اپنی رحمت سے اچھا آدمی عطا فرمادے جو اس کام کی تکمیل کردے۔

یہ دعا کر کے واپس جب پہنچا تو میرے دفتر میں مجھے اطلاع ملی کہ ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، آپ کی غیر موجودگی میں وہ آئے تھے اور آپ سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ میں نے کہا کہ ان کو بلالیں۔ اگلے دن وہ ملاقات کے لئے آگئے اور آکر انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں میرے بیٹے رہتے ہیں، میں بھی وہاں گیا ہوا تھا، جب میں وہاں سے واپس آرہا تھا تو راستے میں عمرہ کرنے کے ارادے سے سعودی عرب چلا گیا، عمرہ ادا کرنے کے بعد میں نے "ملتزم" پر جا کر یہ دعا کی کہ یا اللہ! میری باقی زندگی قرآن شریف کی خدمت میں صرف کرادے۔ میں نے سنا ہے آپ کے والد صاحب کی جو تفسیر ہے "معارف القرآن" آپ اس کا انگریزی میں ترجمہ کرانا چاہتے ہیں، اس کام کے لئے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ملتزم پر یہ دعا کر کے آرہے ہیں کہ مجھے قرآن کریم کی کوئی خدمت عطا فرمادیجئے اور میں یہ دعا کر کے آرہا ہوں کہ قرآن کریم کی خدمت کرنے والا عطا فرمادیجئے، دونوں کی دعائیں مل گئی ہیں، لہٰذا آپ خود سے یہاں نہیں آئے ہیں بلکہ کسی کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ کے بندے کسی معاوضے کے بغیر اور کسی دنیاوی لالچ کے بغیر خالص اللہ کے لئے سالہا سال سے یہ کام کر رہے ہیں۔ الحمدللہ پانچ جلدیں اس کی چھپ چکی ہیں (لیکن افسوس کہ چند روز پہلے ان کا بھی انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ اب دیکھنے والے سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ اتفاقاً یہاں پہنچ گئے۔ لیکن یاد رکھئے! اس کائنات میں کوئی کام "اتفاق" سے نہیں ہوتا بلکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظامِ حکمت کے تحت ہوتا ہے۔

البتہ بعض اوقات جب ہمیں کسی کام کا ظاہری سبب آنکھوں سے نظر نہیں آتا تو ہم اپنی حماقت سے کہہ دیتے ہیں کہ اتفاق سے ایسا ہوگیا، حقیقت میں اتفاق کوئی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حکمت ہوتی ہے۔

---

(۱) البقرہ: ۱۵۶

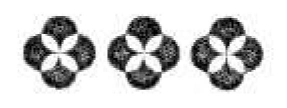
دن کے آغاز میں ہدایت مانگ لیں

لہٰذا جب ہم دن کے شروع میں حضورِ اقدس ﷺ کی ہدایت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے آج کے دن میں ہدایت عطا فرمایئے، دنیا کے کاموں میں بھی اور آخرت کے کاموں میں بھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! آج کے دن میری کوششیں بیکار نہ جائیں، بلکہ میں آج کے دن وہی کام کروں جس میں آپ نے میرے لئے خیر مقدر فرمائی ہے۔ لہٰذا جب انسان کی زندگی میں کشمکش کے مواقع آتے ہیں کہ یہ کام کروں یا یہ کروں، یہاں جاؤں یا وہاں جاؤں تو ان سب مواقع میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت درکار ہے، اس لئے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! مجھے ایسا راستہ اختیار کرنے کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک میرے لئے دنیا و آخرت کے اعتبار سے بہتر ہے۔

یہ بڑی جامع دعا ہے

بہر حال! حضورِ اقدس ﷺ کی اس دعا کو دیکھ لیجئے کہ کسی بھی انسان کی دنیا کی، آخرت کی، معاش کی، معاد کی کوئی حاجت ایسی ہے جو اس دعا میں آپ ﷺ نے طلب نہ فرمائی ہو؟ یہ بڑی جامع دعا ہے۔ اگر کسی کو عربی میں دعا یاد نہ ہو تو اردو میں مانگ لے کہ اے اللہ! میں اس دن کی خیر مانگتا ہوں اور اس دن کی فتح مانگتا ہوں تاکہ کوئی رکاوٹ نہ آئے، اگر کوئی رکاوٹ آئے تو وہ کھل جائے، اور اس دن میں آپ کی مدد مانگتا ہوں، اور اس دن کا نور مانگتا ہوں اور اس دن کی برکت مانگتا ہوں اور اس دن کی ہدایت مانگتا ہوں۔ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ حضورِ اقدس ﷺ کی سکھائی ہوئی اگر ایک دعا بھی قبول ہو جائے تو انسان کی دِلدّر دور ہو جائیں، اور اس کا بیڑہ پار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



صبح کے وقت کی ایک اور دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ دو جمعوں سے ایک دعا کی تشریح کا بیان چل رہا ہے جو دعا نبی کریم ﷺ صبح کے وقت مانگا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضورِ اقدس ﷺ صبح کے وقت ایک اور دعا یہ مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَّأَوْسَطَهُ فَلَاحًا وَّآخِرَهُ نَجَاحًا))(۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۲۳۹تا۲۴۶)

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں“

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، باب الدعاء بلا نية ولا عمل (۴۰/۷)، عمل اليوم والليلة، رقم: ۳۸ (۶۹/۱)، الزهد لابن المبارك، رقم: ۱۰۸۵ (۳۸۴/۱)، الدعاء للطبراني، رقم: ۲۶۸ (۳۰۳/۱) پوری دعا کچھ یوں ہے: "أصبحت وأصبح الملك والكبرياء والعظمة والخلق والليل والنهار وما سكن فيهما لله وحده لا شريك له، اَللّٰهم اجعل أول هذا النهار صلاحا، وأوسطه فلاحا وآخره نجاحا، أسألك خير الدنيا والآخرة يا أرحم الراحمين" دعا کا ترجمہ یہ ہے: ”میں نے اور اس کائنات نے، کبریائی نے، عظمت نے، مخلوق نے، دن اور رات نے اور ان کے درمیان موجود ہر چیز نے اللہ کے حکم سے صبح کی جو اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اے اللہ! اس دن کے شروع کے حصے کو درستگی، درمیانی حصے کو کامیابی اور آخری حصے کو سرخروئی کا سبب بنادے اے ارحم الراحمین! میں تجھ سے دنیا اور آخرت کی خیروں کا سوال کرتا ہوں“

اے اللہ! اس دن کے ابتدائی حصے کو میرے لئے نیکی کا ذریعہ بنا دیجئے یعنی جب یہ دن شروع ہو تو میرے کسی نیک عمل سے شروع ہو اور دن کے اول حصے میں نیکی کروں۔ اور اے اللہ! دن کے درمیانی حصے کو میرے لئے فلاح بنا دیجئے۔ اور اے اللہ! دن کے آخری حصے کو میرے لئے کامیابی بنا دیجئے۔

دن کا آغاز اچھے کام سے کرو

اس دعا کے اندر آپ نے دن کو تین حصوں میں تقسیم فرمادیا، یعنی اے اللہ! دن کے ابتدائی حصے میں مجھے صالح اور نیک عمل کرنے کی توفیق ہو۔ اس کے ذریعہ آپ نے اُمت کو یہ تعلیم دے دی کہ اگر تم دن کو اچھا گزارنا چاہتے ہو اور بہتر نتائج حاصل کرنا چاہتے ہو تو دن کے اوّل حصے کو نیک کاموں میں لگاؤ، اور آپ اس کی دعا بھی کر رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے اس کی توفیق دیجئے کہ میں دن کے اوّل حصے کو نیک کام میں لگاؤں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کی سنت یہ ہے کہ جو بندہ دن کے اوّل حصے کو نیک کاموں میں لگائے گا تو آپ اس کا دن اچھا گزروائیں گے۔

صبح اُٹھ کر یہ کام کرو

اسی وجہ سے بستر سے اُٹھنے کے بعد پہلا فریضہ اللہ تعالیٰ نے یہ عائد فرمایا ہے کہ نمازِ فجر کے لئے آجاؤ۔ یہ تو فرض ہے، اس کے بعد فرمایا کہ جب سورج طلوع ہو کر تھوڑا سا بلند ہو جائے تو اس وقت اشراق کی دو رکعت ادا کرلو، یہ فرض نہیں، واجب نہیں، سنت مؤکدہ بھی نہیں بلکہ نفلی نماز ہے، لیکن اس نفلی نماز کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتے ہیں:

((يَا ابْنَ آدَمَ! اِرْكَعْ لِيْ رَكْعَتَيْنِ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ))[1]

"اے ابن آدم! تو اوّل دن میں میرے لئے دو رکعتیں پڑھ لیا کر تو میں تیرے لئے دن کے آخر تک حامی اور مددگار رہوں گا"

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب صلاة الضحى، رقم: ۱۰۹۷، مسند أحمد، رقم: ۲۱۴۳۴، سنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في أربع ركعات في أول النهار، رقم: ۱۴۱۵، جامع الأصول من احاديث الرسول، رقم: ۷۱۱۷ (۷۱۱۷/۹)، غاية المقصد في زوائد المسند (۱۲۸۱/۱) کتب احادیث میں ہمیں اس حدیث کے یہ الفاظ ملتے ہیں: "يا ابن آدم لا تعجزني من أربع ركعات في أول النهار وأكفك آخره" دو رکعات والی حدیث ہمیں نہیں مل سکی۔

اس لئے حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! میرے دن کے آغاز کو نیک عمل کا حصہ بنادیجئے کہ مجھے اس میں نیک عمل کی توفیق ہوجائے تاکہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت میرے ساتھ رہے۔

دن کا آغاز رجوع الی اللہ سے

اس دعا کے ذریعہ اپنی اُمت کو یہ ترغیب دے دی کہ دن کے اوّل حصے کو رجوع الی اللہ میں صرف کرو، فجر کی نماز تو پڑھنی ہی ہے لیکن اس کے بعد کچھ اشراق کی نوافل پڑھ لو، کچھ قرآن کریم کی تلاوت کرلو اور کچھ ذکر کرلو، تسبیحات پڑھ لو، دعائیں کرلو۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر جس وقت بھی کیا جائے فضیلت کی چیز ہے لیکن صبح کے وقت کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت رکھی ہے۔

صبح کے وقت نئی زندگی کا ملنا

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت کو ایسا بنایا ہے کہ اس وقت کائنات کی ہر چیز میں نئی زندگی آتی ہے، سوئے ہوئے لوگ بیدار ہوتے ہیں، کلیاں چٹکتی ہیں، غنچے کھلتے ہیں، پھول کھلتے ہیں، پرندے جاگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ وقت نئی زندگی عطا کرنے والا ہے، اگر اس نئی زندگی کے وقت کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارو گے تو تمہارے قلب کے اندر رجوع الی اللہ کا نور پیدا ہوگا، اتنا نور دوسرے اوقات میں ذکر کرنے سے حاصل نہیں ہوگا۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ اگر فجر کے وقت مسلمانوں کی کسی بستی سے گزر جاؤ تو ہر گھر سے تلاوتِ قرآنِ کریم کی آواز آیا کرتی تھی، چاہے وہ کسی عالم کا گھر ہو یا جاہل کا ہو، پڑھے لکھے کا گھر ہو یا اَن پڑھ کا ہو۔ مجھے بچپن کا وہ دور یاد ہے کہ جب سارے گھروں سے صبح کے وقت تلاوت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں اور اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر ایک نورانیت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستیوں سے گزرو تو تلاوت کی آواز آنے کے بجائے فلمی گانوں کی آوازیں آتی ہیں۔

صبح کے وقت ہمارا حال

ایک شاعر گزرے ہیں "مجید لاہوری مرحوم"، یہ روزنامہ جنگ میں مزاحیہ نظمیں لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا تھا کہ۔

پہلے کے لوگ سویرے اُٹھتے تھے
اور اُٹھ کر قرآن پڑھتے تھے
یہ سو کر نو بجے اُٹھتے ہیں
اور اُٹھ کر ڈان پڑھتے ہیں

جب دن کا پہلا حصہ ہی ایسے کام میں لگا دیا جو گناہ کا کام ہے یا بیکار کام ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو گئے تو پھر سارے دن کے کاموں میں نور کہاں سے آئے گا؟ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے صبح کے وقت میں بڑی برکت رکھی ہے اور بڑا نور رکھا ہے۔ اگر انسان اس وقت کو اللہ کے ذکر میں اور تلاوت میں اور تسبیحات میں صرف کر لے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا نور حاصل ہوگا۔

صبح کے وقت میں برکت

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَارَكَ اللّٰهُ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا))(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لئے صبح سویرے کے وقت میں برکت رکھی ہے۔ اور یہ بات آپ نے صرف ذکر اور عبادت کی حد تک بیان نہیں فرمائی بلکہ ایک شخص جو تاجر تھے، ان سے آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ تم صبح سویرے اپنی تجارت کے کام انجام دیا کرو۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد میں نے اس پر عمل کیا اور صبح ہی اوّل وقت میں تجارت کا عمل شروع کر دیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے اتنا مال عطا فرمایا کہ لوگ مجھ پر رشک کرنے لگے۔

کاروبار مندہ کیوں نہ ہو؟

اب ہمارے یہاں ساری قدریں اُلٹ گئیں، دن کے گیارہ بجے تک بازار بند رہتا ہے، گیارہ بجے کے بعد کاروبار شروع ہوتا ہے، گیارہ بجے کا مطلب ہے دوپہر، دن کا ایک پہر تو بیکار نیند اور

---

(۱) التاريخ الكبير، رقم: ۲۴۳۲ (۲۸۹/٦)۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اپنی اُمت کے لئے برکت کی دعا بھی مانگی: "اَللّٰهُمَّ بارك لأمتي في بكورها" سنن الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في التبكير بالتجارة، رقم: ۱۱۳۳، سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الابتكار في السفر، رقم: ۲۲۳۹، سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب ما يرجى من البركة في البكور، رقم: ۲۲۲۷، مسند أحمد، رقم: ۱۲۵۱

غفلت کی حالت میں اور گناہوں میں گزر گیا، اس طرح آدھا دن تو گنوادیا۔ پھر ہر شخص کی زبان پر یہ رونا ہے کہ کاروبار مندہ ہے، چلتا نہیں ہے، لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ جس ذات کے قبضۂ قدرت میں کاروبار کی ترقی اور زوال ہے، اس کے ساتھ کیسا تعلق قائم کیا ہوا ہے، حالانکہ کاروبار میں ترقی کا طریقہ یہ ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سارے معاملات ہیں، اس کے ساتھ تعلقات قائم کرو، اس کی بات مانو اور اس کی دی ہوئی برکت سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اس ذات کے ساتھ تو تعلق خراب کر رکھا ہے اور پھر یہ رونا رو رہے ہو کہ کاربار مندہ ہے۔

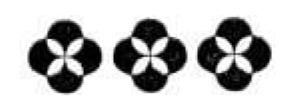
یہ کامیابی کا زینہ ہے

اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میرے دن کے اوّل حصے کو ''صلاح'' بنادیجئے یعنی نیکی والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ان کلمات کے ذریعہ دعا بھی فرمادی اور اُمت کو سبق اور پیغام بھی دے دیا کہ اے میری اُمت! تم اگر کامیابی چاہتے ہو تو دن کے اوّل حصے کو ''صلاح'' بناؤ۔

دن کے درمیانی اور آخری حصے کے لئے دعائیں

آگے فرمایا کہ اے اللہ! اس دن کے بیچ کے حصے کو ''فلاح'' بنادیجئے یعنی میں اس دن میں وہ کام کروں جو میرے فلاح کے ہیں۔ اور اے اللہ! اس دن کے آخری حصے کو میرے لئے ''نجاح''، یعنی کامیابی بنادیجئے۔ یعنی جب میں دن کی جدوجہد کے بعد شام کے وقت گھر میں داخل ہوں تو میں پوری طرح کامیاب ہو کر جاؤں اور مطمئن ہو کر جاؤں کہ آج کا دن میں نے صحیح مصرف پر لگایا ہے اور اس کا صحیح نتیجہ مجھے حاصل ہوا ہے۔ اگر یہ دعا قبول ہو جائے تو سب کچھ حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دعائیں کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور یہ دعائیں قبول بھی فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



گھر سے نکلنے کی دعا اور بازار میں داخل ہونے کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ط أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ٥﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے حضورِ اقدس ﷺ کی مسنون دعاؤں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے، جب صبح کے وقت انسان اپنی ابتدائی ضروریات پوری کر کے گھر سے نکلتا ہے، تو گھر سے باہر قدم نکالتے وقت یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ))(۲)

اس دعا میں دو کلمات تو ایسے ہیں جو ہر مسلمان کو یاد ہوتے ہیں، ایک پہلا کلمہ "بِسْمِ اللّٰهِ" اور آخری کلمہ "وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" درمیان میں دو کلمے اور ہیں، ایک کلمہ ہے "وَاعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ" اور دوسرا ہے "وَتَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ" یہ دونوں بھی چھوٹے چھوٹے کلمے ہیں، ان کا یاد کرنا بھی کچھ مشکل نہیں۔

---

(۱) البقرة: ١٨٦، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء ما یقول إذا خرج من بیته، رقم: ٣٣٤٨، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا خرج من بیته، رقم: ٤٤٣١، مسند أحمد، رقم: ٤٤١، دعا کا ترجمہ یہ ہے: اللہ کے نام سے، میں اللہ پر اعتماد اور اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، نیکی کرنے کی قوت اور گناہ سے بچنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، وہ بلند اور عظمت والا ہے"

اللہ کا سہارا لے لو

اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام پر اس گھر سے قدم نکال رہا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ جب انسان گھر سے نکلتا ہے تو کسی نہ کسی مقصد سے نکلتا ہے، کسی کا مقصد دوسرے سے ملنا ہوتا ہے، کسی کا مقصد بازار سے خریداری ہوتا ہے، کسی کا مقصد بیچنا ہوتا ہے، کوئی ملازمت کی غرض سے، کوئی تجارت کی غرض سے، کوئی زراعت کی غرض سے نکلتا ہے، لیکن اس مقصد میں کامیابی ہوگی یا نہیں ہوگی، اس کا کسی کو پتہ نہیں، اس لئے نبی کریم ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم کسی کام کے لئے نکلے ہو تو اللہ کا سہارا لے لو اور یہ کہہ دو کہ جو میں دوسرے سہارے اپنے کام کے لئے اختیار کروں گا، وہ تو ظاہری اسباب ہیں، لیکن حقیقی سہارا تو اے اللہ! آپ ہی کا ہے۔

اللہ کے سہارے پر بھروسہ کر لو

مثلاً کسی جگہ جانے کے لئے وہ ظاہری سہارا یہ اختیار کرے گا کہ کسی سواری میں سوار ہو جائے گا تاکہ وہ سواری اس کو منزل تک پہنچا دے، لیکن کیا معلوم کہ سواری ملے یا نہ ملے، اگر وہ سواری مل جائے تو معلوم نہیں کہ کتنی دور وہ سواری ساتھ چلے اور وہ صحیح منزل پر پہنچا سکے یا نہ پہنچا سکے، راستہ میں کوئی ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے یا اور کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو جائے۔ یہ سارے احتمالات موجود ہیں۔ اس لئے گھر سے نکلتے وقت انسان یہ کہہ دے کہ میں ظاہری سہارے اختیار تو کروں گا، لیکن کسی سہارے پر بھروسہ نہیں، بھروسہ تو صرف آپ کے سہارے پر ہے۔

اب یہ سفر عبادت بن گیا

اب جو بندہ گھر سے نکلتے وقت اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور یہ کہہ دے کہ اے اللہ میں آپ ہی کا سہارا پکڑ رہا ہوں اور آپ ہی پر بھروسہ کر رہا ہوں، ان ظاہری اسباب پر، اس سواری پر اور ان آلات پر بھروسہ نہیں، میرا بھروسہ تو اے اللہ! آپ پر ہے، تو جو بندہ اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں فرمائیں گے؟ اور جب ان کا سہارا پکڑ لیا تو اب یہ سارا سفر عبادت بن گیا۔

ساری طاقتیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں

آگے فرمایا:

((وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ))

یعنی کسی کے اندر کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے مگر وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ یعنی میں جو چل رہا ہوں، یہ چلنے کی طاقت بھی اللہ کی دی ہوئی ہے، اگر میں کسی سواری پر سوار ہوں گا اور وہ سواری چلے گی تو وہ سواری بھی اللہ کی دی ہوئی قوت سے چلے گی، اور اگر اس کے ذریعہ کسی منزل پر پہنچوں گا تو یہ پہنچنا بھی اللہ تعالیٰ کی عطاء ہوگی، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے۔ لہٰذا گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا حضور اقدس ﷺ نے مسنون قرار دیا تاکہ تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جائے اور تمہارا گھر سے نکلنا بھی عبادت بن جائے۔

اس کے بعد اگر کسی سواری پر سوار ہوں تو اس موقع کی دعا پیچھے بیان میں عرض کر دی تھی، وہ دعائیں سوار ہوتے وقت پڑھ لیں۔

بازار ناپسندیدہ جگہیں ہیں

اس کے بعد آپ کسی ضرورت کی چیز خریدنے کے لئے یا اپنی دکان کھولنے کے لئے بازار کی طرف چلے، تو بازار کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ الْمَسَاجِدُ وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللّٰهِ الْأَسْوَاقُ))(۱)

یعنی اس روئے زمین پر جتنی جگہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ جگہ مسجدیں ہیں جہاں اس کے بندے اس کے سامنے آکر سربسجود ہوتے ہیں اور اپنی بندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سب سے ناپسندیدہ اور مبغوض جگہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بازار ہیں، اس لئے کہ بازار میں گناہ، معصیت اور فسق و فجور کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

بازار کے اندر ہونیوالی برائیاں

بازاروں میں تاجر لوگ گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً تاجر لوگ گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے فحش تصاویر لگاتے ہیں، جس کے نتیجے میں لوگوں کے سفلی جذبات برانگیختہ کر کے ان کو اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں، عورت کو ایک بکاؤ مال قرار دے کر اس کے ایک ایک عضو کو برسرِ بازار رسوا کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ آکر ہماری دکان سے مال خریدیں۔ اس کے علاوہ جھوٹ اور دھوکے کا بازار گرم ہے، حقیقت میں جو صفت موجود نہیں ہے، اس کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل الجلوس فی مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد، رقم: ۱۰۷۶

لہٰذا دھوکہ، فریب، جھوٹ، فحاشی اور عریانی اور ان کے علاوہ بے شمار برائیاں بازاروں میں پائی جاتی ہیں، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں۔

ایسے تاجر فجار بنا کر قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے

اگر صحیح معنی میں وہ مسلمانوں کا بازار ہو اور سارے تاجر اور خریدار اسلام کے احکام کی پابندی کریں تو پھر وہ بازار بھی عبادت گاہ بن جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ''رہبانیت'' کی تعلیم نہیں دی کہ دنیا کو چھوڑ کر جنگل میں بیٹھ جاؤ، بلکہ ہمیں اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے اسلامی احکام کی پابندی کی تلقین فرمائی۔ تاجروں کے بارے میں ایک طرف تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ))(۱)

یعنی تاجر لوگ آخرت میں فاجر بنا کر اُٹھائے جائیں گے، ''فاجر'' کے معنی ہیں ''گناہ گار'' سوائے ان کے جو متقی ہوں اور نیک کام کریں اور سچائی سے کام لیں۔

امانت دار تاجروں کا حشر انبیاء کے ساتھ ہوگا

دوسری طرف ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ))(۲)

یعنی اگر کوئی تاجر سچا اور امانت دار ہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا حشر انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ فرمائیں گے۔ چونکہ بازار میں انسان اس لئے بیٹھتا ہے کہ لوگوں سے پیسے کھینچے، اس لئے اس موقع پر اکثر ناجائز امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے، جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسم کھا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ بازار بدترین جگہیں ہیں۔

بلاضرورت بازار مت جاؤ

چونکہ یہ بازار بدترین جگہیں ہیں، اس لئے بلاضرورت وہاں مت جاؤ، ضرورت ہو تو بیشک

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التجار وتسمیۃ النبی ایا لھم، رقم:۱۱۳۱، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، رقم:۲۱۳۷، سنن الدارمی، کتاب البیوع، رقم:۲۴۲۶

(۲) سنن الترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التجار وتسمیۃ النبی ایالھم، رقم:۱۱۳۰، سنن الدارمی، کتاب البیوع، باب فی التاجر الصدوق، رقم:۲۴۲۷

جاؤ لیکن ویسے ہی گھومنے کے لئے بازار جانا ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ وہاں فسق و فجور کے ہرکارے پھر رہے ہیں، گناہوں کے داعیے انسان کے سامنے آتے رہتے ہیں، کچھ پتہ نہیں کہ وہاں پر کس گناہ کے جال میں پھنس جاؤ، اس لئے بلا ضرورت مت جاؤ۔

بازار جاتے وقت یہ دعا پڑھ لیں

ہاں! جب ضرورت کی وجہ سے بازار گئے تو اس موقع کے لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب حضورِ اقدس ﷺ بازار تشریف لے جاتے تو یہ ذکر فرماتے:

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))(۱)

یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کی ہے اور تمام تعریفیں اسی کی ہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

بازار پہنچ کر اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

یہ کلمات بازار پہنچتے وقت حضورِ اقدس ﷺ نے ادا فرمائے۔ کیوں ادا فرمائے؟ اسلئے ادا فرمائے تاکہ بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ میں ایک ایسے خالق اور مالک کا بندہ ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے حکم اور اسی کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اور بازار میں پہنچنے کے بعد عام طور پر انسان کو اس احساس سے غفلت ہو جاتی ہے، اسلئے کہ بازار میں دنیا کی چمک دمک انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے جس سے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس چمک دمک کو دیکھ کر کہیں یہ انسان اپنے خالق و مالک کو نہ بھلا بیٹھے، اسلئے اس دعا کے ذریعہ بتا دیا کہ دنیا کی یہ چمک دمک اپنی جگہ لیکن تم اللہ تعالیٰ کے بندے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کی اس چمک دمک سے مرعوب ہو کر اور اس سے دھوکہ کھا کر اپنے مالک کے حکم کے خلاف کوئی کام کر بیٹھو، لہٰذا دنیا کو برتو لیکن دنیا کے پیدا کرنے والے کو مت بھولو۔

دنیا کی حقیقت یہ ہے

یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے عجیب چیز بنائی ہے، اس دنیا کے بغیر گزارہ بھی نہیں، اگر آدمی کے پاس

(۱) سنن الترمذي، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما يقول إذا دخل السوق، رقم: ۳۳۵۰، سنن ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الأسواق ودخولها، رقم: ۲۲۲۶، سنن الدارمي، كتاب الاستئذان، باب ما يقول إذا دخل السوق، رقم: ۲۵۷۶

پیسے نہ ہوں، کھانے کو کوئی چیز میسر نہ ہو، پہننے کو کپڑا نہ ہو، رہنے کو مکان نہ ہو تو وہ کیسے زندہ رہے گا؟ لیکن اگر یہی دنیا انسان کے دل و دماغ پر چھا جائے اور اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے تو اس سے زیادہ مہلک کوئی چیز نہیں اور اس سے زیادہ تباہ کن کوئی چیز نہیں۔ اس لئے ایک مؤمن کو اس دنیا میں بہت پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتے ہوئے رہنا پڑتا ہے، اس کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ میں اس دنیا کو برتوں ضرور لیکن یہ دنیا میرے دل کے اندر داخل نہ ہو جائے، اس کی محبت میرے اُوپر غالب نہ آجائے، یہ دنیا مجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے کا ذریعہ نہ بنے، ایک مؤمن کو یہ احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دنیا

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شان سے فرمائی تھی کہ دنیا ان کے قدموں میں ڈھیر ہوئی، قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے اُوپر نچھاور کیے گئے اور روم اور ایران کی عالیشان تہذیبیں انہوں نے فتح کیں اور ان تہذیبوں کے بازاروں میں بھی پہنچے اور ان تہذیبوں کی چمک دمک کو بھی دیکھا، لیکن وہ چمک دمک اور ان بازاروں کی رونق ان کو دھوکہ نہ دے سکی۔

ایک سبق آموز واقعہ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتابوں میں آتا ہے کہ انہوں نے روم کے ایک شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور رومی لوگ قلعہ میں بند ہو کر لڑ رہے تھے، جب محاصرہ لمبا ہو گیا تو شہر والوں نے ایک چال چلی اور یہ فیصلہ کیا کہ ان مسلمانوں کے لئے شہر کا دروازہ کھول دیا جائے اور ان کو اندر داخل ہونے دیا جائے، اور چال یہ چلی کہ وہ دروازہ کھولا جو شہر کے بارونق بازار سے گزرتا تھا جس کے دونوں طرف عالیشان دکانیں تھیں اور ہر دکان پر زیب و زینت کے ساتھ ایک عورت کو بٹھا دیا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ یہ عرب کے صحراء نشین لوگ ہیں اور مدتوں سے اپنے گھروں سے دور ہیں، فاقہ مست لوگ ہیں، جب یہ اچانک بازار میں داخل ہوں گے اور وہاں کی زرق برق دکانیں دیکھیں گے اور ان دکانوں میں حسین و جمیل عورتوں کو بیٹھا ہوا دیکھیں گے تو اس کے نتیجے میں یہ ان دکانوں کی طرف اور ان عورتوں کی طرف متوجہ ہو جائیں گے اور ہم پیچھے سے ان پر حملہ کر کے ان پر فتح پا لیں گے، دوسری طرف عورتوں کو بھی یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ اگر کوئی تم سے تعرض کرے تو انکار مت کرنا۔

چنانچہ شہر کے امیر نے اچانک حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے نام پیغام بھیجا کہ ہم اپنے شہر کا دروازہ کھول رہے ہیں، آپ اپنے لشکر کو لے کر اندر آجائیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جب یہ پیغام سنا تو اپنے لشکر سے کہا کہ تمہارے لئے دروازہ کھول دیا گیا ہے، تم اس کے اندر داخل

ہو جاؤ، لیکن میں تمہارے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھتا ہوں، اس آیت کو اپنے ذہن میں رکھنا اور اس آیت پر عمل کرتے ہوئے داخل ہونا، وہ آیت یہ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾(۱)

یعنی آپ مؤمنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور پورے بازار سے گزر گیا لیکن کسی ایک شخص نے دائیں بائیں نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا کہ وہاں کیا ہے، یہاں تک کہ محل پر قبضہ کرلیا۔

جب اہلِ شہر نے یہ منظر دیکھا کہ یہ ایسی قوم ہے جو فاتح بن کر شہر میں داخل ہوئی ہے اور راستے کے دونوں طرف جو زرق برق دکانیں تھیں اور جو حسین و جمیل عورتیں تھیں ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور سیدھے محل پر پہنچ گئے ہیں تو ان کو دیکھ کر یہ یقین ہوگیا کہ ضرور اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، اور صرف یہ منظر دیکھ کر شہر کے اکثر لوگ مسلمان ہوگئے اور کلمہ "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھ لیا۔

دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو

اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اس طرح فرمائی تھی کہ ع

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

چاہے کتنے بڑے سے بڑے جہاں دار آجائیں یا دنیا کی رونقیں آجائیں، لیکن ان کا دل ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ لگا ہوا تھا اور آخرت کے ساتھ لگا ہوا تھا، اس لئے دنیا ان کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بیشک دنیا میں رہو، بازار میں جاؤ، دنیا کو برتو، لیکن اللہ تعالیٰ کو نہ بھولو۔ اکبرالہ آبادی نے خوب کہا ہے کہ

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
تم چاہے غبارے میں اُڑو، چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کہیں بھی چلے جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ کو اور اپنی حقیقت کو فراموش نہ کرو، اسلئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار جاتے ہوئے ہر مسلمان کو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی، جو بندہ بازار جاتے ہوئے یہ کلمات

(۱) النور: ۳۰

پڑھ لے گا تو انشاء اللہ بازار کی رنگینیاں اور بازار کی رونقیں اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کر پائیں گی۔

خرید وفروخت کے وقت کی دعا

پھر جب بازار میں پہنچ گئے اور وہاں کچھ خریداری کرنی ہے یا سامان فروخت کرنا ہے تو اس موقع پر حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ صَفْقَةٍ خَاسِرَةٍ وَيَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ))(۱)

''اے اللہ! میں کسی گھاٹے کے سودے سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں اور جھوٹی قسم سے پناہ مانگتا ہوں''

جب انسان سودا کرتا ہے تو بعض اوقات فائدہ ہوجاتا ہے اور بعض اوقات نقصان ہوجاتا ہے اور بعض اوقات جھوٹی قسم کھانی پڑجاتی ہے۔ اس لئے دعا کرلی کہ اے اللہ! میں آپ سے گھاٹے کے سودے سے پناہ مانگتا ہوں اور جھوٹی قسم سے پناہ مانگتا ہوں، تاکہ گھاٹے کا سودا بھی نہ ہو اور کہیں جھوٹی قسم کھانے کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔

ایسا بندہ ناکام نہیں ہوگا

اب جو بندہ گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام لے رہا ہے اور اللہ کا سہارا لے کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے نکل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا اعتراف کرکے نکل رہا ہے اور پھر جب بازار میں آرہا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کررہا ہے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے تو ایسے بندے کو اللہ تعالیٰ کبھی خائب اور ناکام و نامراد نہیں فرمائیں گے۔ بہرحال! یہ وہ دعائیں تھیں جو بازار سے متعلق حضورِ اقدس نے تلقین فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں اور ان کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

(۱) كنز العمال، رقم: ١٨٥٤٦ (٢٨٤/٧)، مستدرك الحاكم (٥٣٩/١)، مجمع الزوائد، باب ما يقول إذا دخل السوق (٧٤/٢)، المعجم الكبير للطبراني، رقم: ١١٤٢ (٤٩٧/١)۔ **پوری دعا کچھ یوں ہے:** "اللّٰهم إني أسألك من خير هذا السوق وخير ما فيها وأعوذ بك من شرها وشر ما فيها اللّٰهم إني أعوذ بك أن أصيب فيها يمينا فاجرة أو صفقة خاسرة" دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! میں تجھ سے اس بازار اور اس میں موجود چیزوں کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس بازار اور اس میں موجود چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں، اے اللہ میں گھاٹے کے سودے اور جھوٹی قسم سے بھی پناہ مانگتا ہوں''

گھر میں داخل ہونے کی دعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾(۱)

گزشتہ چند جمعوں سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، آخر میں صبح کے وقت جو دعائیں حضورِ اقدس ﷺ مانگا کرتے تھے، ان کی تھوڑی سی تشریح عرض کی تھی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اس موقع کے لئے جو دعا حضورِ اقدس ﷺ سے منقول ہے وہ یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا))(۲)

داخلے کی بھلائی مانگتا ہوں

یہ مختصر سی دعا ہے لیکن اس دعا میں معنی کی ایک کائنات پوشیدہ ہے، اس دعا میں کیا کیا چیزیں حضورِ اقدس ﷺ نے مانگ لیں۔ اس دعا کے پہلے جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے اپنے داخلے کی بھلائی مانگتا ہوں، یعنی داخلے کے بعد مجھے اچھے حالات سے سابقہ پیش آئے، کیونکہ میں کچھ دیر تک گھر سے باہر رہا، مجھے نہیں معلوم کہ میرے پیچھے گھر میں کیا واقعات پیش آئے، اے اللہ!

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/ ۲۴۸ تا ۲۶۰)

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب ما يقول الرجل إذا دخل بيته، رقم: ٤٤٣٢

اب جب کہ میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں تو وہاں پر میں اطمینان کا، مسرت کا اور بھلائی کا منظر دیکھوں اور عافیت کا منظر دیکھوں۔

میرا داخلہ اچھا ہو جائے

کتنی مرتبہ انسان کے ساتھ یہ واقعات پیش آتے ہیں کہ اچھی حالت میں گھر سے نکلا اور کچھ دیر گھر سے باہر رہا، لیکن جب دوبارہ گھر میں داخل ہوا تو منظر بڑا تشویش ناک نظر آیا، مثلاً کسی کو بیمار دیکھا یا کسی کو کسی حادثے کا شکار دیکھا یا کسی کو کوئی پریشانی پیش آ گئی، اس لئے حضورِ اقدس ﷺ نے گھر میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی کہ اے اللہ! میں آپ سے گھر میں داخل ہونے کی بھلائی چاہتا ہوں تاکہ داخل ہونے کے بعد مجھے عافیت کا منظر نظر آئے، گھر والے عافیت سے ہوں، کوئی پریشانی کی بات نظر نہ آئے، کوئی معصیت اور گناہ کی بات پیش نہ آئے، اے اللہ! میرا داخلہ اچھا ہو۔

نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ))

یعنی اے اللہ! میں آپ سے گھر سے نکلنے کی بھی بھلائی مانگتا ہوں کہ میرا گھر سے نکلنا بھی بہتر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں کافی دیر تک گھر میں رہوں گا، لیکن ہمیشہ تو گھر میں رہنا نہیں ہوگا بلکہ کسی موقع پر دوبارہ گھر سے نکلنا ہوگا، لہٰذا جب دوبارہ نکلوں تو اس نکلنے کے وقت بھی میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے اور اس وقت بھی بھلائی ہی بھلائی ہو اور عافیت ہی عافیت ہو۔ اس جملہ کے ذریعہ حضورِ اقدس ﷺ نے دونوں کناروں کا احاطہ فرما دیا کہ میرا داخلہ بھی بہتر ہو اور جب نکلوں تو میرا نکلنا بھی بہتر ہو۔ گویا کہ جب تک میں گھر میں رہوں، عافیت سے اور اطمینان سے رہوں، کوئی تکلیف پیش نہ آئے اور کوئی پریشانی سامنے نہ آئے۔

''بھلائی'' بہت جامع لفظ ہے

اس دعا میں آپ نے ''خیر'' کا لفظ استعمال فرمایا، جس کے معنی ہیں ''بھلائی''، یعنی داخلے کے وقت بھی بھلائی ہو اور نکلنے کے وقت بھی بھلائی ہو۔ یہ ''بھلائی'' ایسا جامع لفظ ہے کہ اس میں دین و دنیا کی ساری حاجتیں جمع ہیں، دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ آدمی کو عافیت میسر ہو، صحت میسر ہو، کوئی بیماری نہ ہو،

کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو، گھر کے سب افراد خیر و عافیت سے ہوں، کوئی معاشی تنگ دستی نہ ہو۔ اور آخرت کی بھلائی بھی اس دعا میں شامل ہے کہ اے اللہ! جب تک میں گھر میں رہوں، مجھے آخرت کے اعتبار سے بھی بھلائی نصیب ہو، یعنی گناہ اور معصیت کا ارتکاب نہ کروں، آپ کو ناراض کرنے والا کوئی عمل مجھ سے سرزد نہ ہو اور اپنے بیوی بچوں کو گناہوں سے محفوظ پاؤں۔

جب انسان یہ دعا مانگتے ہوئے گھر میں داخل ہو رہا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گھر کی پوری زندگی اس دعا کے اندر داخل ہو گئی اور دنیا و آخرت کی ساری بھلائیاں اس دعا کے اندر آگئیں۔

اگر بھلائی مل جائے تو بیڑہ پار ہے

اگر ہر مسلمان روزانہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگے اور ذرا دھیان سے مانگے اور مانگنے کے انداز میں مانگے، توجہ کر کے مانگے، چاہے اُردو ہی میں مانگے کہ اے اللہ! میں داخلے کی بھی بھلائی چاہتا ہوں اور نکلنے کی بھی بھلائی چاہتا ہوں۔ اگر یہ ایک دعا اپنے تمام لوازم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو سارے مسائل دُور ہو جائیں اور گھر کی ساری زندگی جنت کی زندگی بن جائے اور گھر کی زندگی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے داخل ہوتے ہیں

آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا))

''ہم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر داخل ہوتے ہیں''

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں نے دعا تو مانگ لی کہ میرے حالات درست ہوں لیکن حالات کو میں خود سے درست کرنے پر قادر نہیں ہوں، میرے بس میں یہ بات نہیں ہے کہ گھر میں جا کر جو منظر دیکھوں، وہ میرے اطمینان اور مسرت کا ہو، جب تک آپ کی مشیت اور فیصلہ شاملِ حال نہیں ہوگا اس وقت تک یہ بات نہیں ہو سکتی۔۔ اس لئے میں آپ کا نام لے کر داخل ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے نکلتے ہیں

آگے فرمایا:

((وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا))

اور اللہ ہی کا نام لے کر ہم نکلتے ہیں۔ جب داخل ہوں تو اللہ کا نام لے کر داخل ہوں اور جس

وقت گھر سے باہر نکلیں تو اس وقت بھی اللہ کا نام لے کر نکلیں، اس دعا کے ذریعہ ہم اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارا داخلہ اور خارجہ دونوں درست فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں

آخر میں یہ جملہ ارشاد فرمایا:

((وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا))

اور اللہ ہی پر جو ہمارا پروردگار ہے، ہم بھروسہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میں نے دعا تو کر لی اور آپ سے مانگ لیا کہ خیر ہی خیر ہو، کوئی شر پیش نہ آئے، لیکن اگر بالفرض اس دعا کے مانگنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جو بظاہر دیکھنے میں خیر نہیں لگ رہا ہے تو اے اللہ! ہم آپ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

جب تک اللہ تعالیٰ سے مانگا نہیں تھا، اس وقت تک تو کچھ بھی ہو سکتا تھا، بڑے سے بڑا شر پیدا ہو جاتا، لیکن اے اللہ! جب ہم نے معاملہ آپ کے حوالے کر دیا اور آپ سے خیر مانگ لی اور اس یقین کے ساتھ مانگ لی کہ آپ ضرور عطا فرمائیں گے، پھر اگر اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ پیش آ گیا جو بظاہر دیکھنے میں خیر نہیں معلوم ہو رہا ہے بلکہ برا لگ رہا ہے تو بھی ہمیں آپ پر یقین اور بھروسہ ہے کہ جو واقعہ بظاہر شر نظر آ رہا ہے اور دیکھنے میں یہ ناگوار معلوم ہو رہا ہے لیکن آپ کے فیصلے کے مطابق ہمارے حق میں وہی بہتر ہے۔

ہمیشہ عافیت مانگو

درحقیقت ایک مؤمن کا یہی کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خیر ہی مانگے اور عافیت ہی مانگے، کبھی مصیبت نہ مانگے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی ناگوار واقعہ پیش آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو کہ یہ ناگوار واقعہ بھی ہمارے لئے مآل کار بہتر اور خیر ہوگا، کیونکہ ہم نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے۔

جیسے بیٹا اپنے کو باپ کے حوالے کر دے

اس کی بغیر مثال کے نظیر یہ ہو سکتی ہے کہ جیسے ایک بیٹا اپنا معاملہ باپ کے حوالے کر دیتا ہے کہ آپ میری تربیت کیجئے اور میرے دنیا و آخرت کے مفادات کی نگرانی کیجئے۔ اب باپ اس کے مفادات کی نگرانی کرتا ہے، اس نگرانی کے نتیجے میں بعض اوقات باپ کوئی ایسی بات بھی کر گزرتا ہے جو

بیٹے کو بظاہر ناگوار معلوم ہوتی ہے، بیٹے کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ یہ بات ہوتی، لیکن باپ جانتا ہے کہ مجھے اس بیٹے کی تربیت کرنی ہے اور اس تربیت کے نقطۂ نظر سے یہ بات ضروری ہے۔

مثلاً بیٹا کسی جگہ تفریح کے لئے جانا چاہتا ہے اور باپ جانتا ہے کہ اس کا وہاں جانا مآل کار فائدہ مند نہیں ہوگا، لہٰذا باپ بیٹے کو تفریح کے لئے جانے کی اجازت نہیں دیتا، اب بیٹے کو صدمہ اور رنج ہو رہا ہے کہ میرا دل تفریح کو چاہ رہا تھا لیکن باپ نے مجھے روک دیا۔ اب بظاہر باپ کا تفریح پر جانے سے روک دینا بیٹے کے لئے ناگوار ہے، لیکن چونکہ معاملہ باپ کے حوالے کر دیا گیا تھا، وہی اس کی بہتری جانتا ہے، اس لئے اگر وہ بیٹا سعادت مند ہے تو اسے یہ یقین ہونا چاہئے کہ اگرچہ تفریح کی اجازت نہ دینا مجھے ناگوار ہوا لیکن فیصلہ میرے باپ ہی کا بہتر ہے، مآل کار اور انجام کار میرا فائدہ اسی میں ہے۔

دعا کر کے اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا

لہٰذا نبی کریم ﷺ نے یہ تلقین فرمائی کہ جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتے ہو تو اس دعا کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تم نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔ مثلاً آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! مجھے فلاں بیماری ہو رہی ہے، میری اس بیماری کو دور فرما۔ لیکن دعا مانگنے کے باوجود وہ بیماری نہیں جا رہی ہے، ایسا بکثرت ہوتا رہتا ہے کہ وہ بیماری لمبی ہوگئی اور بہت عرصہ کے بعد وہ بیماری دور ہوئی۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو دعا مانگی تھی وہ قبول نہ ہوئی، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ یہ تلقین فرما رہے ہیں کہ دعا مانگنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اپنا معاملہ اپنے اللہ کے حوالے کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میری خواہش یہ ہے کہ میری یہ بیماری دور ہو جائے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو مزید چند دن جاری رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیماری کا جاری رہنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے، کیونکہ تم نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تھا، اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کیا ہوتا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کیا ہوتا تو پھر یہ بیماری تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا تو اب یہ بیماری تمہارے حق میں بہتر ہے۔

بیماری کے ذریعہ تمہاری صفائی مقصود ہے

وہ بیماری تمہارے حق میں کیسے بہتر ہے؟ وہ اس طرح بہتر ہے کہ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے تو بیماری کے دوران اس کو جتنی تکلیفیں پہنچتی ہیں، وہ سب اس کے حق میں کفارۂ سیئات ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ تم اس حالت

میں ان کے پاس جاؤ کہ تمہارے نامۂ اعمال میں گناہ موجود ہوں، اس لئے اسی دنیا میں معاملہ صاف کر کے تمہیں اپنے پاس بلانا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ بیماری تمہارے حق میں خیر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت ہی مانگنی چاہئے، بیماری نہیں مانگنی چاہئے۔

یہی معاملہ یہاں پر ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کر لی کہ اے اللہ! میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، گھر میں اچھا منظر دیکھوں، اور دنیا و آخرت کی بھلائی مانگتا ہوں، نکلنے کے وقت بھی اور داخل ہونے کے وقت بھی اور گھر میں رہنے کے دوران بھی بھلائی مانگتا ہوں، لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ پر جو ہمارا پروردگار ہے، اس پر بھروسہ ہے۔

اپنے پروردگار پر بھروسہ ہے

دیکھئے! یہاں پر صرف یہ نہیں کہا:

((وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا))

بلکہ "رَبَّنَا" لفظ بڑھا کر یہ فرمایا:

((وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا))

یعنی ہمیں اس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے جو ہمارا پروردگار ہے اور ہمارا پالنے والا ہے۔ جب وہ ہمارا پروردگار ہے تو وہ جو فیصلہ ہمارے حق میں کرے گا، وہی فیصلہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا، وہی جانتا ہے کہ نظامِ ربوبیت کے تحت کونسی چیز میرے حق میں بہتر اور فائدہ مند ہے، لہٰذا ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں، ہم اپنی عقل نہیں چلاتے کہ ہمارے حق میں کیا بہتر ہے بلکہ اپنا معاملہ اس کے حوالے کرتے ہیں اور اسی کے بھروسہ پر ہم گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔

عافیت کی زندگی حاصل ہوگی

آپ اندازہ لگائیں کہ جو بندہ گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے خیر مانگ رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں آپ ہی کے نام سے داخل ہو رہا ہوں اور جب نکلوں گا تو آپ ہی کے نام سے نکلوں گا، اور جو بندہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! میں نے سارا بھروسہ آپ کی ذات پر کر دیا، اے اللہ! میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ آپ میرے پروردگار ہیں، آپ جو فیصلہ کریں گے وہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ تو جو بندہ یہ سب دعائیں کر کے گھر میں داخل ہو رہا ہے، کیا اللہ تعالیٰ اس کو نامراد فرما دیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس کو محروم فرما دیں گے؟ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کی زندگی کو عافیت کی زندگی بنائیں گے، دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی۔

خلاصہ

بہر حال! یہ وہ دعا ہے جو حضورِ اقدس ﷺ نے گھر میں داخلے کے وقت تلقین فرمائی، اس کو یاد کرلیں، جب تک عربی الفاظ یاد نہ ہوں تو اس وقت تک اُردو ہی میں دعا کرلیا کریں کہ یا اللہ! گھر میں داخلے کی بھلائی بھی چاہتا ہوں اور گھر سے نکلنے کی بھلائی بھی چاہتا ہوں، آپ کے نام سے داخل ہوتا ہوں اور آپ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اور اس بات کی عادت ڈال لو کہ جب بھی گھر میں داخل ہوں اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرلو، انشاء اللہ تعالیٰ اس دعا کے انوار و برکات کھلی آنکھوں سے مشاہدہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



کھانا سامنے آنے پر دعا☆

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ط أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ o﴾(۱)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی کھانے کی چیز حضور اقدس ﷺ کے سامنے آتی تو آپ اس وقت یہ کلمات فرمایا کرتے تھے؟

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ))(۲)

اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے مجھے میری قدرت اور طاقت کے بغیر یہ رزق عطا فرمایا۔ اس دعا کے اندر اس بات کا اعتراف ہے کہ میرے اندر نہ قدرت تھی اور نہ طاقت تھی کہ میں یہ رزق اپنے لئے مہیا کرسکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میری طاقت اور قدرت کے بغیر یہ رزق مجھے عطا فرمایا۔ لہٰذا سنت یہ ہے کہ جب کسی کے سامنے کوئی کھانے کی چیز آئے تو وہ یہ کلمات کہے۔

مسلمان کو کافر سے ممتاز کرنے والا جملہ

اگر حقیقت پر غور کریں تو یہ جملہ ایک مسلمان کو کافر سے اور ایک اللہ کے بندے کو غافل سے

☆ اصلاحی خطبات (۲۸۸/۱۳ تا ۲۷۶)، قبل از نماز جمعہ، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) البقرة: ۱۸۶، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں"

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۳۸۰، سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب، رقم: ۳۵۰۵، سنن ابن ماجه، کتاب الأطعمة، باب ما يقال إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۲۷۶، مسند أحمد، رقم: ۱۵۰۷۹

ممتاز کرتا ہے، اس لئے کہ وہ مسلمان کھانا سامنے آنے کے بعد اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ کھانا میری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ یہ کھانا اللہ جل شانہ کی عطا ہے جو میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر مجھے عطا ہوا ہے۔ جبکہ ایک غیر مسلم اور ایک کافر یہ سوچتا ہے کہ یہ کھانا میرے خون پسینہ کی محنت سے حاصل ہوا ہے، میں نے مزدوری کی، میں نے محنت کی، میں نے ملازمت کی، میں نے تجارت کی، میں نے زراعت کی، اس کے نتیجے میں مجھے پیسے ملے اور ان پیسوں کے ذریعہ میں بازار سے کھانا خرید کر لایا، اس میں اللہ تعالیٰ کا کہاں دخل آگیا؟ نعوذ باللہ۔

قارون کا دعویٰ

قرآن کریم میں قارون کا ذکر آتا ہے کہ وہ بہت بڑا سرمایہ دار اور بہت بڑا دولت مند تھا، اس کے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان خزانوں کی صرف چابیاں اُٹھانے کے لئے لوگوں کی ایک طاقتور بڑی جماعت درکار ہوتی تھی، صرف ایک آدمی ان چابیوں کو نہیں اُٹھا سکتا تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنا مال عطا فرمایا تھا۔ لیکن جب مال کی وجہ سے اس کے دماغ میں تکبر آگیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں دنیا کا سب سے زیادہ دولت مند شخص ہوں اور میں بڑا آدمی ہوں، چنانچہ جب اس سے کہا گیا کہ یہ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس لئے تم غریبوں کا بھی کچھ خیال کرو اور ان کو اس مال میں سے کچھ دو تو جواب میں اس نے کہا:

﴿إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ﴾ (۱)

یعنی جو کچھ میرے پاس مال اور سرمایہ ہے، یہ میرے علم کا کرشمہ ہے، میں نے یہ علم حاصل کیا کہ روپیہ کیسے کمایا جائے اور اس علم کے بعد میں نے محنت کی، اس محنت کے نتیجے میں یہ خزانہ جمع ہو گیا، لہٰذا یہ تو میرے علم کا کرشمہ ہے، کسی کی عطا نہیں ہے۔ یہ قارون کی ذہنیت تھی، ایک کافر سرمایہ دار کی اور ایک کافر دولت مند کی یہ ذہنیت تھی۔

قارون کا انجام

تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ جب وہ اپنے تمام خزانوں اور لاؤلشکر کے ساتھ نکلا تو ظاہر میں لوگوں نے تو اس کی دولت دیکھ کر کہا:

﴿يَٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَٰرُونُ إِنَّهُۥ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (۲)

''کاش ہمیں بھی ایسی ہی دولت ملی ہوتی جیسی قارون کو ملی ہے، یہ تو بڑا خوش نصیب آدمی ہے''

---

(۱) القصص: ۷۸ (۲) القصص: ۷۹

لیکن کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس پر عذاب نازل کیا، اس عذاب کے نتیجے میں زلزلہ آیا اور اس کا سارا خزانہ زمین میں دھنس گیا اور وہ خود بھی زمین میں دھنس کر ہلاک ہوگیا۔

صرف اسباب جمع کرنا انسان کا کام ہے

بہر حال! ایک کافر اور ایک غیر مسلم کی ذہنیت اور سوچ یہ ہے کہ جو کچھ مجھے مل رہا ہے، یہ میری قوتِ بازو کا کرشمہ ہے، میری محنت کا صلہ ہے، میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے۔ لیکن ایک مسلمان کا کہنا یہ ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اے اللہ! آپ کی عطا ہے اور میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ اس لئے کہ اگر انسان ذرا سا غور کرے تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ انسان کا کام بس اتنا ہے کہ وہ اسباب کو جمع کرنے کی کوشش کر لے، انسان کا کام زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ وہ دکان کھول کر بیٹھ جائے، لیکن اگر وہ دکان کھول کر بیٹھ جائے اور کوئی گاہک نہ آئے تو وہ کیا کر لے گا۔ اور اس دکان کو بھی اپنے اسی ہاتھ سے اور جسم کی اسی طاقت کے ذریعہ کھول رہا ہے جو اسی کی عطا کی ہوئی ہے، وہ جب چاہے اس طاقت کو سلب کر لے۔ دکان میں اسی لئے بیٹھا تھا کہ صحت مند تھا، ہاتھ پاؤں ٹھیک کام کر رہے تھے، اگر بیمار ہوگیا ہوتا یا ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے ہوتے، اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا ہوتا تو ایسی حالت میں اس کی مجال تھی کہ وہ دکان کھول کر بیٹھ جاتا؟

گاہک کون بھیج رہا ہے؟

بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ دکان کھول کر بیٹھنا اس کا اپنا عمل ہے، لیکن اس میں ذرا غور کرو کہ اس دکان پر گاہک کون بھیج رہا ہے؟ کون گاہک کے دل میں یہ ڈال رہا ہے کہ اس دکان سے جا کر سودا خریدو؟ اور پھر اس گاہک کے ذریعہ جو پیسے حاصل ہو رہے ہیں وہ پیسے تو بذاتِ خود ایسی چیز نہیں ہیں کہ انسان اس کو کھا کر اپنی بھوک مٹالے یا اس کو پی کر اپنی پیاس بجھالے بلکہ پیسے کے ذریعہ سے اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کی جاتی ہیں اور ضرورت کی چیزیں عام طور پر بازار میں ملتی ہیں تو ذرا غور کرو کہ وہ کون ذات ہے جس نے یہ بازار قائم کیا ہے اور کون وہ ذات ہے کہ جو کسی کے دل میں یہ خیال ڈال رہا ہے کہ فلاں جگہ جا کر روٹی کی دکان کھول لو اور کسی کے دل میں یہ خیال ڈال رہا ہے کہ تم گوشت کی دکان کھول لو، تم چینی کی دکان کھول لو، تم گندم کی دکان کھول لو، تم کپڑے کی دکان کھول لو، تم جا کر جوتے کی دکان کھول لو۔ کس نے یہ دنیا کا نظام بنایا ہے؟ کیا کوئی عالمی کانفرنس ہوئی تھی کہ جس میں طے یہ کیا گیا تھا کہ فلاں شخص آٹا بیچے گا، فلاں شخص چینی فروخت کرے گا، فلاں شخص گھی کی تجارت کرے گا اور فلاں شخص تیل کی تجارت کرے گا۔

پیسہ سب کچھ نہیں

بلکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کا یہ نظام اس طرح بنایا کہ ایک شخص کے دل میں یہ ڈال دیا کہ تم تیل کی تجارت کرو، دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ تم چینی کی تجارت کرو، تیسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ تم پھل کی تجارت کرو۔ اس نظام کا نتیجہ یہ ہے کہ جب آدمی پیسے لے کر بازار جاتا ہے تو اس کو ضرورت کی ہر چیز بازار میں مل جاتی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا یہ نظام نہ ہوتا تو آدمی پیسے لئے پھرتا رہتا لیکن اس کو ضرورت کی چیز نہ ملتی۔

صرف مال کا موجود ہونا کافی نہیں

میرے ایک دوست واقعہ سنا رہے تھے کہ میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں عمرہ ادا کرنے جا رہا تھا۔ میرے ساتھ ایک اور صاحب بھی سفر کر رہے تھے جو بہت بڑے مالدار تھے۔ ساتھ میں بیٹھ کر باتیں شروع ہوگئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ رمضان کا موسم ہے، رمضان میں لوگوں کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا پہلے سے اس بات کا اہتمام کر لیجئے گا کہ قیام کے لئے مناسب جگہ مل جائے، کھانے پینے کا مناسب انتظام ہو جائے تاکہ وقت پر حرم میں حاضری ہو جائے۔ وہ صاحب اپنی دولت کے گھمنڈ اور فخر میں مبتلا تھے، اس لئے میری باتوں کے جواب میں کہنے لگے کہ پیسوں سے سب کچھ ہو جاتا ہے، بس پیسہ ہونا چاہئے، اگر پیسہ ہے تو سب کچھ ہے، اس لئے آپ ہماری فکر نہ کریں، ہمارے پاس پیسہ بہت ہے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

دو دن کے بعد پھر ان مالدار صاحب سے اس حالت میں ملاقات ہوئی کہ وہ حرم کی سیڑھیوں پر اپنا سر پکڑے بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بھائی صاحب! خیریت تو ہے؟ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ آج سحری کھانے کو نہ ملی۔ میں نے ان سے کہا کہ سحری کیوں نہیں ملی، آپ کے پاس پیسے تو بہت تھے؟ وہ کہنے لگے کہ پیسے تو میرے پاس تھے، جب میں پیسے لے کر قیام گاہ سے سحری کے لئے نکلا تو وہاں اتنی لمبی لائن لگی ہوئی تھی کہ جب ہمارا نمبر آیا تو سحری کا وقت ختم ہو چکا تھا، اس لئے سحری نہ مل سکی۔

پھر وہ صاحب کہنے لگے کہ میں جو آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ پیسے سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے، آج اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھا دیا کہ پیسے سے ہر کام نہیں ہو سکتا، جب تک ہم نہ چاہیں اور جب تک ہماری طرف سے توفیق نہ ہو اور ہماری طرف سے حالات ساز گار نہ کیے جائیں تو اس وقت تک پیسے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ پیسے سے آپ دنیا کی ہر راحت خرید لیں، یہ پیسہ تو ہم نے راحت

کا ایک ذریعہ بنادیا ہے لیکن یہ پیسہ بذاتِ خود راحت کی چیز نہیں ہے، اس لئے یہ سوچنا کہ ہم پیسے سے سب کچھ خرید لیں گے، یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اگر تم نے پیسہ کما بھی لیا لیکن کمانے کے بعد اس کے ذریعہ سے مناسب رزق کا حاصل ہوجانا بھی اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے نظام کے ماتحت ہے، انسان کی قدرت میں یہ نہیں ہے کہ وہ اس رزق کو مہیا کرسکے۔

ہر چیز اللہ کی عطا کی ہوئی ہے

بہرحال! ہمارے اور آپ کے سامنے جب کھانا سامنے آتا ہے تو ہم غفلت کے عالم میں فوراً کھانا شروع کردیتے ہیں، لیکن حضورِ اقدس ﷺ کی دوررس نگاہیں کھانا سامنے آنے کے بعد یہ دیکھ رہی ہیں کہ یہ کھانا میری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے، میرے جسم میں قوت اور صحت بھی اسی نے دی ہے اور اس قوت کے ذریعہ میں نے روزی کمائی اور روزی کمانے کے اسباب اختیار کیے، دکان کھولی، ملازمت کی، کاشتکاری کی، یہ قوت بھی اسی کی عطا ہے، اور پھر ان اسباب کو اختیار کرنے کے بعد ان اسباب کو موثر بنانا بھی اسی ذات کا کام ہے، اسی ذات نے گاہکوں کو آمادہ کیا کہ وہ میری دکان پر آئیں، اسی نے میرے افسر کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ مجھے ملازم رکھ لے، ورنہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی بڑی بڑی ڈگریاں ہاتھ میں لے کر پھرتا ہے مگر ملازمت نہیں ملتی، بے روزگاری کا عالم ہے۔ لہٰذا ملازمت دینا بھی اسی کا کام ہے، پھر ملازمت دینے کے بعد جو کام سپرد کیا گیا ہے، اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی طاقت عطا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ اور پھر آخر میں ملازم رکھنے والے کے دل میں یہ خیال ڈالنا کہ اس کو اتنی تنخواہ دو، یہ بھی اسی کا کام ہے۔ اور تنخواہ ملنے کے بعد جب ہاتھ میں پیسے آگئے تو ان پیسوں کے ذریعہ میری راحت اور ضرورت کی چیزیں عطا کرنا بھی اسی کا کام ہے۔ لہٰذا اوّل سے لے کر سارے کام اسی کی طرف سے ہورہے ہیں، میں تو بس ایک بہانہ ہوں۔ یہی معنی ہیں اس دعا کے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ"

یعنی تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ہیں جس نے مجھے میری کسی قدرت اور طاقت کے بغیر یہ رزق عطا فرمایا۔ بہرحال! کھانا سامنے آنے کے بعد حضورِ اقدس ﷺ ایک تو یہ دعا فرماتے تھے۔

کھانا سامنے آنے پر دوسری دعا

کھانا سامنے آنے کے بعد حضورِ اقدس ﷺ دوسری دعا یہ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَأَنْعِمْنِيْ خَيْرًا مِّنْهُ))(۱)

''اے اللہ! اس کھانے میں میرے لئے برکت عطا فرما اور آئندہ مجھے اس سے بھی اچھا کھانا عطا فرمائیے''

اس دعا میں آپ نے دو جملے ارشاد فرمائے۔ پہلا جملہ یہ ارشاد فرمایا کہ میرے لئے اس کھانے میں برکت عطا فرمائیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ رزق آپ کی عطا تو ہے لیکن جب تک آپ کی طرف سے اس میں برکت نہیں ڈالی جائے گی، اس وقت تک یہ رزق میرے حق میں فائدہ مند نہیں ہوگا، اس لئے کہ اگر اس رزق میں برکت نہ ہوئی تو اس سے میری بھوک نہیں مٹے گی۔

برکت کے معنی

کیونکہ برکت کے معنی ہیں کہ آدمی کے پاس چیز تھوڑی ہو لیکن اس سے فائدہ زیادہ حاصل ہو جائے۔ اس لئے برکت کی دعا فرما رہے ہیں کہ یہ کھانا جو میرے سامنے آیا ہے، یہ کھانا میرے لئے اور میرے گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے اور اس سے سب کی بھوک مٹ جائے، اگر برکت نہ ہو تو کھانا زیادہ ہونے کے باوجود بھوک نہیں مٹتی۔ برکت کے ایک معنی تو یہ ہوئے۔

برکت کے دوسرے معنی

برکت کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب یہ کھانا میرے جسم کے اندر پہنچے تو صحت اور قوت کا ذریعہ بنے، بیماری اور تکلیف کا ذریعہ نہ بنے۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھانا سامنے آیا اور لذیذ معلوم ہوا تو لذت کے شوق میں زیادہ کھا گئے، اس کے نتیجے میں بدہضمی ہو گئی، اب دست آنے شروع ہو گئے، اُلٹیاں شروع ہو گئیں اور ایک وقت کے کھانے نے تین دن تک بستر پر ڈالے رکھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانا اچھا بھی تھا، لذیذ بھی تھا اور صحت مند بھی تھا لیکن اس کھانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت نہیں تھی، اس لئے کھانا سامنے آنے کے بعد حضور اقدس ﷺ یہ دعا فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ کھانا آپ کی عطا ہے اور یہ بڑی عظیم نعمت ہے، لیکن یہ نعمت اسی وقت فائدہ مند ہوگی جب آپ اس میں برکت ڈالیں گے، اس لئے میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں اور محتاج بن کر مانگتا ہوں کہ اے اللہ! میرے لئے اس کھانے میں برکت ڈال دیجئے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (۳۶۴/۶)

برکت تلاش کرو

متعدد احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ کھانے میں برکت تلاش کرو۔ لہٰذا جب کھانا شروع کرو تو یہ کہو:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی بَرَکَةِ اللّٰهِ))(۱)

''اللہ کے نام سے شروع کر رہا ہوں اور اللہ کی برکت کا طلب گار ہوں''

اسی طرح اگر کھانا کھاتے وقت انگلیوں پر کھانا لگ جائے تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد انگلیوں کو خود چاٹ لے یا دوسرے کسی کو چٹادے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہوگی، کیونکہ اگر ان انگلیوں پر کچھ کھانا لگا رہ گیا اور تم نے جاکر ہاتھ دھو لیے تو کھانے کے کچھ اجزاء پانی کے ساتھ گٹر میں چلے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں رزق کی بے حرمتی ہو جائے گی۔

انگلیاں چاٹنے میں برکت کا حصول

انگلیاں چاٹنے کا دوسرا فائدہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کھانے کے کونسے حصے میں برکت ہے، ہوسکتا ہے کہ جو کھانا تم نے کھایا، اس میں برکت نہ ہو اور جو حصہ تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا، اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہو، اس لئے فرمایا کہ ان انگلیوں کو چاٹ لو۔

تین انگلیوں سے کھانا

البتہ حضور اقدس ﷺ اس طرح کھانا تناول نہیں فرماتے تھے کہ پانچوں انگلیاں کھانے میں ملوث ہو جائیں، بلکہ آپ ﷺ تین انگلیوں ں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور چھوٹے نوالے لیتے تھے اور اس زمانے میں عام طور سے کھانے میں خشک چیزیں ہوتی تھیں۔ بہر حال! جب کھانا سامنے آتا تو ایک تو آپ برکت کی دعا فرماتے۔

اس سے اچھا عطا فرمائیے

دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

(۱) تفسیر الثعالبی (۴/۴۴۰)

"وَاَنْعِمْنِیْ خَیْرًا مِّنْهُ"

یعنی اے اللہ! مجھے آئندہ اس سے بھی اچھا کھانا عطا فرمائیے۔ کیونکہ ہم آپ کی عطا اور بخشش سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے، جب آپ کی عطا ہو تو اس کو آپ سے محتاج بن کر مانگیں گے اور عبدیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محتاج بن کر مانگے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ غسل فرما رہے تھے، اس دوران آسمان سے آپ کے اوپر سونے کی تتلیاں گرنی شروع ہوئیں، اب حضرت ایوب علیہ السلام نے غسل چھوڑ کر سونے کی تتلیاں جمع کرنی شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ایوب! ہم نے پہلے ہی سے تمہیں بہت ساری نعمتیں نہیں دے رکھی ہیں، اس کے باوجود اب تم سونے کے پیچھے بھاگ رہے ہو؟ جواب میں حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ! بیشک آپ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں، میں ان کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا، لیکن جب آپ مزید عطا فرما رہے ہیں تو اے اللہ! میں آپ کی بھیجی ہوئی برکت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، جب آپ دے رہے ہیں تو میرا کام یہ ہے کہ میں محتاج بن کر اس کو وصول کروں۔

((لَا غِنٰی بِیْ عَنْ بَرَکَتِكَ))(۱)

جب آپ میرے اوپر کوئی نعمت نازل فرمائیں تو یہ بات ادب کے خلاف ہے کہ میں اس سے بے نیازی کا اظہار کروں۔

کہیں دماغ خراب نہ ہو جائے

لہٰذا ایسا نہ ہو کہ جب آدمی کے سامنے اچھا کھانا آ جائے تو اس کا دماغ خراب ہو جائے اور یہ سوچے کہ مجھے تو اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا مل گیا ہے، اب میں دوسرے کھانے سے بے نیاز ہوں۔ اس جملہ نے اس سوچ اور خیال کو ختم کر دیا کہ بیشک آپ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، یہ آپ کا بہت بڑا انعام ہے جس پر میں شکر ادا نہیں کر سکتا، لیکن میں اب بھی آپ کی عطا کا محتاج ہوں اور میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ مجھے اور اچھا عطا فرمائیے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الغسل، باب من اغتسل عریانا وحده فی الخلوة ومن تستر، رقم: ۲۷۰، سنن النسائی، کتاب الغسل والتیمم، باب الاستتار عن الاغتسال، رقم: ۴۰۶، مسند احمد، مسند ابی هریرة، رقم: ۷۸۱۲

خلاصہ

آپ اندازہ کریں کہ جو انسان کھانا سامنے آنے کے بعد کھانا شروع کرنے سے پہلے ہی یہ اعتراف کررہا ہے کہ اے اللہ! یہ کھانا آپ کی عطا ہے، اس پر میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ کی تعریف کرتا ہوں، میری قوت اور میری قدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں آپ سے اس کھانے کی برکت مانگتا ہوں اور آئندہ اس سے بہتر رزق عطا فرمائیے ۔ تو کیا اللہ تعالیٰ اس کے کھانے میں برکت نہیں ڈالیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ کھانے کے ذریعہ اس کے اندر نور پیدا نہیں کریں گے؟ یقیناً ایسے انسان کے کھانے میں پینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور برکت ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دعا کے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضورِ اقدس ﷺ نے مختلف مواقع پر جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان کا بیان ایک عرصہ سے چل رہا ہے۔ اس سے پہلے اس دعا کی تشریح بیان کی تھی جو دعا حضورِ اقدس ﷺ کھانا سامنے آنے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ کھانا شروع فرماتے تو اس وقت آپ یہ دعا پڑھتے:

"بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى"(۲)

بسم اللہ پڑھنے کا فلسفہ

یہ وہی "بسم اللہ" ہے جس کا فلسفہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لینا یہ درحقیقت بندے کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ اے اللہ! یہ جو کچھ میں کھانا شروع کرنے والا ہوں، یہ سب آپ کی عطا ہے اور آپ کا انعام و احسان ہے اور اب میں آپ ہی کے نام سے اس کو کھانا شروع کرتا ہوں۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۲۹۱ تا ۲۹۸)

(۱) المؤمن: ٦٠، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: "مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"

(۲) تفسیر الثعالبی (٤/٤٤٠)

"بسم اللہ" بھول جانے پر درمیانِ طعام کی دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھانے کے شروع میں "بسم اللہ" پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جس وقت یاد آجائے اس وقت یہ دعا کرلے:

((بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ))(۱)

یعنی میں اللہ کے نام کے ساتھ کھا رہا ہوں، اوّل میں بھی اللہ کا نام اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔
اس لئے یہ مت سوچو کہ اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گئے تو بات ختم ہوگئی اور موقع ہاتھ سے نکل گیا، نہیں، بلکہ جب یاد آجائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے لو۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ایک مسلمان کے کھانے میں اور ایک کافر کے کھانے میں یہ فرق ہے، ایک اللہ کی بندگی کا احساس رکھنے والے کے کھانے میں اور ایک غافل انسان کے کھانے میں یہی فرق ہے، کھانا مسلمان بھی کھاتا ہے اور کھانا کافر بھی کھاتا ہے، لیکن وہ کافر غفلت کے عالم میں کھاتا ہے، وہ اپنے پروردگار کو بھولے ہوئے ہے، صرف کھانے کی لذت حاصل کرنا اور اپنی بھوک مٹانا اس کے پیشِ نظر ہے، اس لئے وہ کھانا کھانا ایک دنیاوی کام ہو کر رہ گیا ہے، لیکن ایک مسلمان اور اللہ جل جلالہ کی یاد رکھنے والا انسان جب کھانا کھاتا ہے تو چونکہ وہ کھانے کا عمل اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسا ہوا ہے، اس لئے وہ کھانا کھانا بھی اس کے لئے عبادت بن جاتا ہے۔

کھانے کے بعد کی دعا

جب کھانے سے فارغ ہوگئے تو اس موقع کے لئے نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ کہو:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا وَأَرْوَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ))(۲)

یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا۔ دیکھئے! جس وقت کھانا سامنے آیا

---

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب التسمیة علی الطعام، رقم: ۳۲۷۵، مسند أحمد، رقم: ۱۸۱۹۵، سنن الدارمی، کتاب الاطعمة، باب فی التسمیة علی الطعام، رقم: ۱۹۳۵

(۲) مذکورہ دعا ہمیں تین طرح سے کتب احادیث میں ملتی ہے: (۱) ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ)) کنز العمال، رقم: ۱۸۱۷۹ (۱۰۴/۷)، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

تھا، اس وقت یہ دعا کی تھی کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں یہ رزق دیا، اور یہاں یہ دعا کی جارہی ہے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہمیں کھلایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں نعمتیں علیحدہ علیحدہ ہیں، رزق دینا الگ نعمت ہے اور کھلانا الگ نعمت ہے۔

رزق علیحدہ نعمت، کھلانا علیحدہ نعمت

یہ ہوسکتا ہے کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو، لیکن انسان اس کو نہ کھا سکے۔ مثلاً ایک انسان کے پاس طرح طرح کی نعمتیں موجود ہیں، انواع واقسام کے کھانے موجود ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ پھل موجود ہیں، لذت والی چیزیں سب موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے جس کی وجہ سے ڈاکٹر نے کھانے سے منع کردیا ہے کہ خبردار! کسی چیز کو ہاتھ مت لگانا، صرف سوپ پینے کی اجازت ہے اور کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "رَزَقَنَا" تو پایا گیا لیکن "أَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا، رزق تو حاصل ہے لیکن کھانے کی توفیق حاصل نہیں۔

ایک نواب صاحب کا قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے لکھنؤ کے ایک بڑے نواب صاحب کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی ساری نعمتیں دی ہوئی تھیں، روپیہ، پیسہ، کوٹھیاں، بنگلے، کاریں، نوکر چاکر، سب کچھ تھا، لیکن بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے ان کو ہر چیز کھانے سے منع کردیا تھا، صرف اس کی اجازت تھی کہ ایک پاؤ قیمہ لے کر اس کو پکائیں پھر اس قیمہ کو ململ کے کپڑے میں چھان لیں، اس قیمہ کا جوس آپ پی سکتے ہیں، اس کے علاوہ کسی چیز کے کھانے کی اجازت نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الکلم الطیب (۳۶/۱) اس روایت میں "جعلنا من المسلمین" کے الفاظ ہیں۔

(۲) ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ)) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما یقول إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۳۷۹، سنن أبی داؤد، کتاب الأطعمة، باب ما یقول الرجل إذ طعم، رقم: ۳۳۵۲، سنن ابن ماجه، کتاب الأطعمة، باب ما یقال إذا فرغ من الطعام، رقم: ۳۲۷٤، مسند أحمد، رقم: ۱۰۸٤٦ اس روایت میں "جعلنا مسلمین" ہے (۳) ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ)) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ٤٨٩٠، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ما جاء فی الدعا إذا آوی إلی فراشه، رقم: ۳۳۱۸، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب مایقال عند النوم، رقم: ٤٣٩٤، مسند أحمد، رقم: ۱۲۰۹٤، واضح رہے کہ آخر الذکر دعا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر پر جاتے وقت پڑھی ہے۔

کہ "رَزَقَنَا" تو پایا گیا لیکن "أَطْعَمَنَا" نہیں پایا گیا۔

بہر حال! اگر اللہ تعالیٰ نے رزق بھی دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس رزق کو کھانے کی بھی توفیق دی ہے اور صحت بھی دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو نعمتیں مستقل نعمتیں ہیں، رزق دینا ایک مستقل نعمت ہے اور اس کو کھانے کی توفیق دینا ایک مستقل نعمت ہے۔ اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اے اللہ! اس بات پر بھی شکر ہے کہ آپ نے رزق عطا فرمایا اور اس بات پر بھی شکر ہے کہ آپ نے کھلایا۔

پانی کی نعمت پر شکر

آگے ارشاد فرمایا:

((وَسَقَانَا))

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں پلایا۔ اگر کھانے کے لئے کھانا موجود ہوتا لیکن پینے کے لئے پانی نہ ہوتا تو وہ کھانا عذاب بن جاتا، اس لئے اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے کھانا بھی دیا اور پینے کو بھی دیا۔

کھانا کافی ہونے کی نعمت پر شکر

تیسرا جملہ عجیب ارشاد فرمایا:

((وَكَفَانَا))

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اس کھانے کو ہمارے لئے کافی بنا دیا۔ اُردو میں "کافی بنا دینے" کا مطلب اتنا جامع نہیں، عربی زبان میں کافی بنا دینے کا مطلب بہت وسیع ہے، ایک مطلب تو یہ ہے کہ کھانا اتنا تھا کہ وہ ہمارے لئے کافی ہو گیا اور اس کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہماری بھوک مٹ گئی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے سے ہمیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، اگر بالفرض کھانا تو وافر مقدار میں مل جاتا لیکن کھانے کے دوران کوئی بری خبر آ جاتی مثلاً کسی عزیز یا دوست کے انتقال کی خبر آ جاتی تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کھانے کی ساری حلاوت ختم ہو جاتی اور اس کی وجہ سے وہ کھانا کافی نہ ہوتا۔

رہائش کی نعمت پر شکر

چوتھا جملہ ارشاد فرمایا:

((وَآوَانَا))

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں ٹھکانہ دیا۔ کیونکہ اگر کھانے کو بھی مل جاتا اور پینے کو بھی مل جاتا لیکن سر چھپانے کو گھر نہ ہوتا تو یہ کھانا بیکار ہو جاتا۔ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں سر چھپانے کو گھر بھی عطا فرمایا جس میں ہم آرام کر سکیں۔

تمام نعمتوں کے جمع ہونے پر شکر

پانچواں جملہ ارشاد فرمایا:

((وَأَرْوَانَا))

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں سیراب کر دیا۔ سیراب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کھانے اور پینے سے متعلق جتنی نعمتیں ہو سکتی تھیں، وہ سب آپ نے ہمارے لئے جمع فرما دیں۔

اسلام کی دولت پر شکر

پھر آخری جملہ ارشاد فرمایا:

((وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ))

اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں مسلمانوں میں سے کر دیا۔ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، کیونکہ بالفرض اگر ہمیں کھانا تو اچھا میسر ہوتا اور پیٹ بھر کر خوشگوار حالات میں کھانا کھاتے، پینے کو پانی بھی میسر ہوتا، سر چھپانے کو گھر بھی میسر ہوتا، لیکن ایمان کی دولت نہ ہوتی تو یہ سب نعمتیں بیکار تھیں، اس لئے کہ ایمان کے بغیر ان نعمتوں کا انجام جہنم کی سزا کی شکل میں ہمیں بھگتنا پڑتا، اس لئے اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہمیں یہ نعمتیں بھی عطا فرمائیں اور پھر ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا اور ہمیں اسلام کی اور ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

معنی کی کائنات پوشیدہ ہے

آپ دیکھیں کہ اس دعا کے الفاظ چند سیکنڈ میں زبان سے ادا ہو جاتے ہیں لیکن ان الفاظ میں معنی کی کائنات پوشیدہ ہے۔ جو اللہ کا بندہ ہر کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور یہ درخواست پیش کرتا ہو اور اس طرح شکر ادا کرتا ہو، کیا اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں سے محروم فرما دیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس پر کرم نہیں فرمائیں گے؟ کیا اس کی دنیا و آخرت بہتر نہیں ہو جائے گی؟ یقیناً ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی۔

خلاصہ

یہ مختصر سی دعا ہے، اگر ہر مسلمان اس کے پڑھنے کا اہتمام کرلے اور ذرا دھیان کر کے پڑھے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں، ان کی دی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس میں میرے لئے برکت عطا فرمائی ہے اور یہ سوچ کر دعا کرے گا تو اس کا رُواں رُواں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوگا، اور شکر کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيۡدَنَّكُمۡ﴾(۱)

اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو حضورِ اقدس ﷺ کی اس تعلیم پر اور تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ



(۱) ابراھیم: ۷

سلام کرنے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ: ((عِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيْفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ وَاِفْشَاءِ السَّلَامِ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ))(۱)

سات باتوں کا حکم

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا (۱) مریض کی عیادت کرنا (۲) جنازوں کے پیچھے چلنا (۳) چھینکنے والے کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۴) کمزور آدمی کی مدد کرنا (۵) مظلوم کی امداد کرنا (۶) سلام کو رواج دینا (۷) قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا''

ان سات میں سے الحمد للہ پانچ چیزوں کا بیان ہو چکا' چھٹی چیز ہے سلام کو رواج دینا' اور آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنا۔ سلام کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسا مقرر فرمایا ہے جو ساری دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے' ہر قوم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ کوئی ''ہیلو'' کہتا ہے۔ کوئی ''گڈ مارننگ'' کہتا ہے۔ کوئی ''گڈ ایوننگ'' کہتا ہے۔ کوئی ''نمستے'' کہتا ہے۔ کوئی ''نمسکار'' کہتا ہے۔ گویا کہ ہر قوم والے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

☆ اصلاحی خطبات (۶/۱۸۲ تا ۱۹۵) ستمبر ۱۹۹۳ء، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، رقم: ۵۷٦٦، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۷۳

ہمارے لئے جو لفظ تجویز فرمایا ہے وہ تمام الفاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے، وہ ہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ"

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھئے اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت "ہیلو" کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا یا آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم پر سلامتی ہو، اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں" تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دیدیں، اور اگر آپ نے کسی کو "گڈ مارننگ" کہا یعنی صبح بخیر، تو اگر اس کو دعا کے معنی پر بھی محمول کرلیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعا دی، وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہو جائے، یا تمہاری شام اچھی ہو جائے، لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا، وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعا ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو انشاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہو جائے گی، اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہو جائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام اللہ کا عطیہ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کو جاؤ اور فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سننا، اس لئے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کو سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر سلام کیا اور "السلام علیکم" کہا تو فرشتوں نے جواب میں کہا: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" چنانچہ فرشتوں نے لفظ "رحمۃ اللہ" بڑھا کر جواب دیا۔ (۱)

یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حد و حساب ہی نہیں۔ اب اس سے زیادہ ہماری بدنصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو "گڈ مارننگ" "گڈ ایوننگ" سکھائیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب بدء السلام، رقم: ٥٧٥٩، صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب يدخل الجنة أقوام أفئدتهم مثل أفئدة الطير، رقم: ٥٠٧٥، مسند أحمد، رقم: ٧٨٢٤

ناقدری اور ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

سلام کرنے کا اجر و ثواب

افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے۔ یعنی ''السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'' صرف ''السلام علیکم'' کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا۔ لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی تشریف لائے، اور کہا: ''السلام علیکم'' آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''دس'' اس کے بعد دوسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ''بیس'' اس کے بعد تیسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا'' ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ'' آپ نے ان کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا ''تیس''(۱)

آپ کا مطلب یہ تھا کہ ''السلام علیکم'' کہنے میں دس اور ساتھ ورحمۃ اللہ کہنے میں بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ''السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ'' کہنے میں تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ سلام کی سنت صرف ''السلام علیکم'' کہنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے: ان الفاظ میں دعا بھی ہے اور اجر و ثواب الگ ہے۔

اور جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ سے سلام کرنا چاہیے، الفاظ بگاڑ کر مسخ کر کے سلام نہیں کرنا چاہئے، بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری طرح سمجھ میں نہیں آتا کیا الفاظ کہے؟ اس لئے پوری طرح واضح کر کے ''السلام علیکم'' کہنا چاہئے۔

سلام کے وقت یہ نیت کرلیں

ایک بات میں اور غور کیجئے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہمیں جو کلمہ تلقین فرمایا وہ ہے ''السلام علیکم'' جو جمع کا صیغہ ہے۔ ''السلام علیک'' نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ ''السلام علیک'' کے معنی ہیں ''تجھ پر سلامتی ہو'' اور السلام علیکم کے معنی ہیں کہ تم پر سلامتی ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ اپنی گفتگو میں ''تو'' کے بجائے ''تم'' یا ''آپ'' کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں اس کے ذریعہ مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اسی طرح ''السلام علیکم'' میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لئے لایا گیا ہے۔

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الادب، باب كيف السلام، رقم: ٤٥٢١، سنن الدارمي، كتاب الاستئذان، باب في فضل التسليم ورده، رقم: ٢٥٢٦

لیکن بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس لفظ سے ایک تو مخاطب کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو سلام کرتے وقت یہ نیت کرو کہ تین افراد پر سلام کرتا ہوں۔ جو اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ جن کو "کراماً کاتبین" کہا گیا ہے ایک فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے' اس لئے سلام کرتے وقت ان کی بھی نیت کرلو، تا کہ تمہارا سلام تین افراد کو ہو جائے۔ اور اب انشاء اللہ تین افراد کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے۔ اور جب تم فرشتوں کو سلام کرو گے تو وہ تمہارے سلام کا ضرور جواب بھی دیں گے۔ اور اس طرح ان فرشتوں کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں۔

نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ نماز کے اندر جب آدمی سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھرتے وقت یہ نیت کرلے کہ میرے دائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس وقت یہ نیت کرلے کہ میرے بائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں۔ ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں۔ اور پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ تم فرشتوں کو سلام کرو اور وہ جواب نہ دیں۔ وہ ضرور جواب دیں گے اور اس طرح ان کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن ہم لوگ بے خیالی میں سلام پھیر دیتے ہیں اور نیت نہیں کرتے جس کی وجہ سے اس عظیم فائدے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہئے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر و ثواب کا موجب ہے اور سنت ہے۔ اور سلام کا جواب دینا واجب ہے' قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾(۱)

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب دو کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے "السلام علیکم" کہا تو تم جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہو، تا کہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے، ورنہ کم از کم "وعلیکم السلام" ہی کہہ دو تا کہ جواب برابر ہو جائے۔

---

(۱) النساء: ۸۶

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں۔ اور ایک شخص اس مجلس میں آئے، تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کرلے تو یہ کافی ہے۔ اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دیدے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

ان مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں

سلام کرنا بہت سی جگہ پر نا جائز بھی ہوتا ہے۔ مثال جب کوئی شخص دوسرے لوگوں سے کوئی دین کی بات کررہا ہو، اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں۔ تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ بلکہ سلام کئے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کررہا ہے۔ اس کو سلام کرنا بھی جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہوگا، ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسے موقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرے کے ذریعہ سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے۔ کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، اور دوسرے شخص کے ذریعہ سلام بھیجنا بھی سنت ہے۔ اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے، اور اس کے ذریعے بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے "علیھم وعلیکم السلام" اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو، جنہوں نے سلام بھیجا ہے۔ اور تم پر بھی سلامتی ہو۔ اس میں دو سلام اور دو دعائیں جمع ہو گئیں۔ اور دو آدمیوں کو دعا دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی صرف "وعلیکم السلام" سے جواب دیتے ہیں۔ اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا۔ لیکن صحیح جواب نہیں ہوگا' اس لئے کہ اس صورت میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعا دے دی جو سلام لانے والا ہے۔ اور وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی۔ اس لئے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ "علیھم وعلیکم السلام" کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے اور اس خط میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' لکھا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے اس لئے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعہ اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں۔

لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے، اس لئے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں ہے، لیکن مستحب ضرور ہے، البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھے، اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ خط کا جواب دیا۔ تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا، اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں نہ زبانی جواب دیتے ہیں نہ تحریری جواب دیتے ہیں۔ اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں۔ یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کر لیتے ہیں۔ اس لئے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جوب دیدینا چاہئے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ اگر غیر مسلم سے ملاقات ہو اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لئے وہ لفظ استعمال کرے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ''السلام علیکم'' کہے تو ان کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہے۔ اور پورا جواب نہ دے۔ اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کرلے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے ''السام علیکم'' لام درمیان سے نکال دیتے تھے اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا ہے کہ اس نے ''السلام علیکم'' کہا ہے۔ ''سام'' کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ ''السام علیکم'' کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آجائے۔ اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ،

ظاہر میں تو سلام کرتے۔ اور حقیقت میں بد دعا دیتے تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا۔ لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کر کے ''السام علیکم'' کہتے ہیں۔ (۱)

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آ کر حضور اقدس ﷺ کو اس طرح سلام کیا:

''اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو غصہ آ گیا اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ''

''تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو''

دو لفظ بول دیئے، حضور اقدس ﷺ نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ترکی بترکی جواب دیا ہے، تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((مَهْلًا یَا عَائِشَةُ))

''اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو''

پھر فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّهٖ))

''اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے ''السام علیکم'' کہہ رہے ہیں۔ اور ہلاکت کی بد دعا کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: اے عائشہ! ''السام علیکم'' کہا تو میں نے جواب میں کہا ''وعلیکم''

مطلب یہ ہے کہ جو بد دعا تم ہمارے لئے کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کر لے۔ لہٰذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف ''وعلیکم'' کہنا چاہئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی أهل الذمة السلام، رقم: ۵۷۸۶، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء أهل الکتاب بالسلام و کیف یرد، رقم: ۴۰۲۷، سنن الترمذی، کتاب الاستئذان و الآداب عن رسول الله، باب ماجاء فی التسلیم علی اهل الذمة، رقم: ۲۶۲۵، مسند أحمد، رقم: ۲۲۹۶۱

((یَا عَائِشَةُ! مَا کَانَ الرِّفْقُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا نُزِعَ عَنْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَهٗ))

''اے عائشہ! نرمی جس چیز میں ہوگی اس کو زینت بخشے گی اور جس چیز سے نکال دی جائے گی اس کو عیب دار کر دے گی''(۱)

اس لئے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہئے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

حتی الامکان نرمی کرنا چاہئے

آپ دیکھئے کہ یہودی نے حضورِ اقدس ﷺ کے ساتھ گستاخی کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ سکھا دیا کہ میری سنت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو۔ اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو جتنی ضرورت ہے۔ بلاوجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کا برتاؤ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام ایک دعا ہے

بہر حال یہ ''سلام'' معمولی چیز نہیں یہ زبردست دعا ہے۔ اور اس کو دعا کی نیت سے کہنا اور سننا چاہئے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو ہمارا بیڑہ پار ہو جائے۔ اس لئے کہ اس میں دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں جمع ہیں۔ یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو۔ اور اللہ کی برکت ہو۔ اس لئے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہئے۔ اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہئے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کر دے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے۔ کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حجام سے حجامت بنوا رہے تھے

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف یرد علی أهل الذمة السلام، رقم: ۵۷۸٦، صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء أهل الکتاب بالسلام و کیف یرد، رقم: ۴۰۲۷، سنن الترمذی، کتاب الاستئذان و الآداب عن رسول الله، باب ماجاء فی التسلیم علی اهل الذمة، رقم: ۲٦۲۵، مسند أحمد، رقم: ۲۲۹٦۱

جب مونچھیں بنانے کا وقت آیا تو حجام نے دیکھا کہ زبان حرکت کر رہی ہے۔ اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حجام نے کہا کہ حضرت تھوڑی دیر کے لئے منہ بند کر لیجئے' تاکہ میں آپ کی مونچھیں بنالوں' حضرت نے جواب دیا کہ تم تو اپنا کام کر رہے ہو' میں اپنا کام نہ کروں؟ آپ کا یہ حال تھا۔ ہر وقت زبان پر ذکر جاری تھا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے کہ "اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پئے" حضرت معروف کرخی اس سقہ کے پاس گئے۔ اور اس سے کہا کہ ایک گلاس پانی مجھے بھی پلا دو چنانچہ اس نے دیدیا آپ نے پانی لے کر پی لیا، ایک ساتھی جوان کے ساتھ تھے' انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے تھے اور آپ نے پانی پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ دعا کر رہا تھا کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پی لے' مجھے خیال آیا کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ اس کی دعا میرے حق میں قبول کر لے، نفل روزہ جو توڑ دیا اس کی قضا تو بعد میں کر لوں گا، لیکن بعد میں اس بندے کی دعا مجھے مل سکے گی یا نہیں، اس لئے میں نے اس بندے کی دعا لینے کے لئے پانی پی لیا۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ اتنے بڑے اللہ کے ولی، اتنے بڑے بزرگ، اتنے بڑے صوفی، لیکن ایک معمولی سے سقے کی دعا لینے کے لئے روزہ توڑ دیا۔ کیوں روزہ توڑ دیا؟ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے بندوں کی دعائیں لینے کے حریص ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کی دعا کس وقت ہمارے حق میں قبول ہو جائے۔

"شکریہ" کے بجائے "جزاکم اللہ" کہنا چاہئے

اسی وجہ سے ہمارے دین میں ہر ہر موقع کے لئے دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ مثلاً چھینکنے والے کے جواب میں کہو: "یرحمک اللہ" اللہ تم پر رحم کرے۔ ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہو یعنی تم پر سلامتی ہو، کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو کہو "جزاکم اللہ" اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ دے۔

آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ "آپ کا بہت بہت شکریہ" یہ لفظ کہنا یا شکریہ ادا کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں۔ اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ))(۱)

''جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا''

لیکن شکریہ ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کا شکر ادا کر رہے ہو اس کو کچھ دعا دے دو۔ تاکہ اس دعا کے نتیجے میں اس کا فائدہ ہو جائے۔ کیونکہ اگر آپ نے کہا کہ ''بہت بہت شکریہ'' تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کو کیا ملا؟ کیا دنیا یا آخرت کی کوئی نعمت مل گئی؟ یا اس کو کوئی فائدہ پہنچا؟ کچھ نہیں ملا۔ لیکن جب تم نے ''جزاکم اللہ'' کہا تو اس کو ایک دعا مل گئی۔

بہرحال! اسلام میں یہ طریقہ سکھایا گیا کہ قدم قدم پر دوسروں کو دعائیں دو اور دعائیں لو۔ اس لئے ان کو اپنے معمولات میں اور شب و روز کی گفتگو میں شامل کر لینا چاہئے۔ خود بھی ان کی عادت ڈالیں۔ اور بچوں کو بھی بچپن ہی سے ان کلمات کو ادا کرنا سکھائیں۔

سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہئے

ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے، یہ مستحب اور سنت ہے لیکن اگر اتنی آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا، لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہٰذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، باب ماجاء فی الشکر لمن أحسن إلیك، رقم: ۱۸۷۸، مسند أحمد، رقم: ۷۱۹۱

سفر کی مختلف دعائیں ☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ! فَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ o﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ چند جمعوں سے حضورِ اقدس ﷺ کی مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، متعدد دعاؤں کے بارے میں تفصیلی بیان ہو چکا۔ جب صبح کو انسان اپنی ابتدائی ضروریات پوری کرنے کے بعد گھر سے نکلتا ہے اور اپنی عملی زندگی میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے بے شمار حاجتیں ہوتی ہیں، کبھی ان حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلنا پڑتا ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنا پڑتا ہے، اس کے لئے اس کو سواری کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس مقصد کے لئے جا رہا ہے اس میں کامیابی چاہتا ہے، اس لئے جب آدمی گھر سے نکلے تو اس وقت یہ دعا کر لے کہ یا اللہ! جس مقصد کے لئے میں جا رہا ہوں، اس مقصد میں مجھے کامیابی عطاء فرمائیے اور اس مقصد کو میرے لئے آسان کر دیجئے۔ یہ دعا کرنے کے بعد گھر سے نکلے۔

سواری پر بیٹھنے کی دعا

اس کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ o وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾(۲)

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۲۹۹ تا ۳۱۴)

(۱) المؤمن: ٦٠، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''

(۲) الزخرف: ١٣۔ ١٤، اس قرآنی دعا کا ترجمہ یہ ہے:

قرآن کریم میں اس دعا کا ذکر گھوڑوں اور اُونٹوں کی سواری کے سیاق میں آیا ہے کہ جب گھوڑوں اور اُونٹوں پر سواری کرو تو یہ دعا پڑھو۔ اب چونکہ گھوڑوں اور اُونٹوں کا زمانہ نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اللہ تعالیٰ نے دوسری سواریاں پیدا فرما دی ہیں، اس لئے جب ان سواریوں پر سوار ہوں تو اس وقت یہ دعا پڑھیں۔

ان جانوروں کو تمہارے تابع بنا دیا ہے

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دیا یعنی رام کر دیا اور ہمارے اندر اپنی ذات میں وہ طاقت نہیں تھی کہ اس سواری کو اپنے لئے رام کر لیتے اور ہم سب کو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔ یہ دعا اس وقت بتائی گئی تھی جب گھوڑوں اور اُونٹوں پر سفر ہوتے تھے۔ لہٰذا اس دعا کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جب تم گھوڑے پر سواری کر رہے ہو، ذرا اس بات پر غور کرو کہ تم زیادہ طاقتور ہو یا گھوڑا زیادہ طاقتور ہے؟ اگر طاقت کے اعتبار سے موازنہ کرو تو تمہارا گھوڑے سے کوئی مقابلہ نہیں، گھوڑا تم سے کہیں زیادہ طاقت والا ہے۔ آج کل تو انجنوں کی طاقت کو گھوڑے کی طاقت سے ناپتے ہیں کہ یہ انجن اتنے ''ہارس پاور'' کا ہے اور یہ انجن اتنے ''ہارس پاور'' کا ہے۔ بہرحال! یہ گھوڑا انسان سے کئی گنا زیادہ طاقتور ہے، لیکن اتنا قوی جانور تمہارے ہاتھ میں ایسا رام ہو گیا ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کے منہ میں لگام ڈال کر اس کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے، کبھی گھوڑے نے پلٹ کر یہ نہیں کہا کہ تم مجھ پر کیوں سواری کرتے ہو، تم کمزور ہو، میں زیادہ طاقتور ہوں، لہٰذا میں تمہارے اُوپر سواری کیوں نہ کروں؟ تم مجھ سے خدمت کیوں لے رہے ہو، تم میری خدمت کیوں نہ کرو؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان جانوروں کو تمہارے تابع فرمان بنا دیا ہے، تمہارے ہاتھ میں مسخر کر دیا ہے، تمہارے ہاتھ میں رام کر دیا ہے۔

اُونٹ تمہارا تابع ہے

یہ صرف گھوڑے کی خصوصیت نہیں بلکہ اور جتنے جانور جن سے انسان کام لیتا ہے، ان سب کا یہی حال ہے، اُونٹ گھوڑے سے بھی زیادہ طاقت والا ہے، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اُونٹ کے بارے میں فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں دے دیا، ورنہ ہم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ اس کو قابو میں لا سکتے، اور بیشک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''

﴿أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ﴾(۱)

”کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے“

یہ اُونٹ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عجوبہ ہے۔ اسی طرح گائے ہے، تم روزانہ اس کا دودھ نکال کر پیتے ہو، اس گائے نے کبھی انکار نہیں کیا، نہ کبھی یہ کہا کہ میں تمہاری خدمت کیوں کروں؟ تم میری خدمت کیوں نہ کرو؟ ان ساری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے تابع فرمان کر دیا اور تمہارے کام پر لگا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔

انسان اس موقع پر اللہ کو یاد کرے

جب تم ان سب مخلوقات کے مخدوم بنے پھرتے ہو تو آخر تمہارا بھی تو کچھ فرض ہے یا نہیں؟ تم ان سب سے کام لے رہے ہو، لہٰذا جب تم ان سے کام لو اور ان پر سواری کرو تو زبان سے یہ کہہ دو:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ٥ وَإِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾(۲)

اگر اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کے دل میں یہ بات نہ ڈالی ہوتی کہ انسانوں کی خدمت کرو بلکہ خود انسان کو اپنے طور پر ان جانوروں کو رام کرنا پڑتا تو یہ بات انسان کے بس میں نہیں تھی۔

موجودہ دور کی سواریوں کا قرآن میں ذکر

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دعا کا موقع اس وقت تھا جب گھوڑوں اور اُونٹوں پر سواری ہوتی تھی اور ان جانوروں کو انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا تھا اور اب چونکہ گھوڑوں اور اُونٹوں پر سواری نہیں ہوتی، اس لئے اس دعا کے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات درست نہیں، بلکہ جتنی سواریاں پیدا ہونے والی تھیں اور جو سواریاں قیامت تک پیدا ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ان سب کا ذکر قرآن کریم میں پہلے ہی فرما دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةًط وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ٥﴾(۳)

”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گھوڑے، گدھے اور خچر پیدا کیے تا کہ تم ان پر سواری کرو اور تمہارے لئے یہ زینت کا بھی سامان ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ چیزیں پیدا کریں گے جو تم ابھی نہیں جانتے“

جس وقت قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، اس وقت صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

(۱) الغاشية: ۱۷ (۲) الزخرف: ۱۳۔ ۱۴ (۳) النحل: ۸

اللہ تعالیٰ تمہاری سواری کے لئے وہ چیزیں پیدا کرے گا جو تم ابھی نہیں جانتے، لہٰذا اس کے اندر موٹر بھی آ گئی، اس میں ریل بھی آ گئی، ہوائی جہاز بھی آ گیا، اور قیامت تک جتنی سواریاں پیدا ہونے والی ہیں، وہ سب اس میں آ گئیں۔

قرآن کریم میں ہوائی جہاز کا ذکر

سورۃ یٰسین میں ایک جگہ کشتی کا ذکر فرمایا کہ ہم نے سمندر میں سفر کے لئے کشتی پیدا کی، اس کے بعد فرمایا:

﴿وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُوْنَ﴾(۱)

''تمہارے لئے کشتی جیسی ایک اور سواری پیدا کی ہے جس میں آئندہ تم سواری کرو گے''

بہت سے علماء نے فرمایا کہ اس سے ہوائی جہاز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا جتنی سواریاں ہیں، وہ سب اللہ جل شانہ کی تخلیق ہیں، انسان نے ان کو بیشک اپنی ذہانت اور عقل سے ایجاد کیا ہے، لیکن یہ عقل اور ذہانت کس کی دی ہوئی تھی؟ کس نے وہ سمجھ اور ذہانت بخشی؟ کس ذات نے علم عطاء کیا جس کے ذریعہ وہ ان سواریوں کو ایجاد کر سکے؟ لہٰذا وہ حکم جو گھوڑوں اور اُونٹوں کے لئے تھا، وہ آج کی تمام سواریوں کے لئے ہے، چاہے وہ سائیکل ہو، چاہے موٹر سائیکل ہو، موٹر کار ہو، بس ہو، رکشہ ہو، ریل ہو، جہاز ہو، ان سب پر یہ حکم لاگو ہوتا ہے، کیونکہ یہ سواریاں بھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مسخر فرمادی ہیں۔

موجودہ دور کی سواریاں بھی مسخر کر دی گئیں

لہٰذا اس مسخر کرنے کا ادراک کر کے یہ دعا پڑھ لو کہ پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لئے مسخر فرمادی۔ کیونکہ بعض اوقات یہ سواریاں بھی خراب ہو جاتی ہیں، چل کر نہیں دیتیں بلکہ پریشان کرتی ہیں، لیکن اس وقت جب میں ان پر سوار ہو رہا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے مسخر کر دیا ہے، میں اس سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں۔ جب ایک مرتبہ تم اس بات کا احساس اور ادراک کر لو گے تو ایک طرف تو تمہارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے جڑ گیا اور دوسری طرف تمہارا یہ سوار ہونا اور یہ سفر کرنا پورا کا پورا عبادت بن گیا، اس لئے کہ تم نے یہ سفر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کے انعام پر شکر ادا کرنے کے بعد شروع کیا ہے اور شکر بڑی عظیم عبادت ہے۔

(۱) یٰسٓ: ۴۲

اس سفر میں اصل سفر کو یاد کرو

پھر آخر میں ایک جملہ ارشاد فرمایا:

﴿وَإِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ﴾

یعنی ہم ایک دن اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی ہم جو سفر کر رہے ہیں، یہ تو ایک چھوٹا سا سفر ہے جس میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے، یہ بھی دنیا ہے اور وہ بھی دنیا ہے، لیکن اصل سفر ایک آنے والا ہے جو دنیا سے آخرت کی طرف ہوگا، اِس عالم سے اُس عالم کی طرف ہوگا، اس فانی جہان سے ابدی اور دائمی جہان کی طرف ہوگا۔ لہٰذا اس آخری جملے میں اس طرف توجہ دلا دی کہ یہ سفر تو معمولی ہے، اگر اس سفر میں کامیاب ہوں تو کوئی بہت بڑا فائدہ نہیں اور اگر ناکامی ہو تو کوئی بہت بڑا نقصان نہیں، لیکن وہ سفر جس میں انسان بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جائے گا، وہ سفر بڑا عظیم الشان ہے، اس کی فکر کرنی چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے اس معمولی سفر کی بھلائی کی خاطر ہم اس بڑے سفر کو قربان کر دیں اور اس کو بھول جائیں، بلکہ ہمیں اس موقع پر اس بڑے سفر کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ لہٰذا یہ کہو:

﴿وَإِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ﴾

''ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''

کہیں یہ سفر آخرت کو تباہ نہ کر دے

لہٰذا جس کام کے لئے جا رہے ہو، اس کام کو کرتے وقت اس بات کو مدِنظر رکھو کہ وہ کام کہیں آخرت کے سفر میں رکاوٹ نہ بن جائے اور آخرت کے سفر کو خراب نہ کر دے اور ہمارا انجام برا نہ ہو جائے۔ بہر حال! یہ دعا تین جملوں پر مشتمل ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ٥ وَإِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾(۱)

اگر آدمی ذرا سا ان کو سمجھ کر پڑھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سواری کی یہ نعمت عطاء فرمائی ہے جس کو قابو کرنا میرے بس میں نہیں تھا، اور ایک دن بڑا سفر پیش آنے والا ہے جو یا تو بالآخر ہمارے لئے دائمی عذاب کا ذریعہ ہوگا یا دائمی نعمتوں کا ذریعہ ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس چھوٹے سے سفر میں ہم کوئی ایسا کام کر گزریں جو ہماری آخرت کو تباہ کرنے والا ہو۔

---

(۱) الزخرف: ۱۳۔ ۱۴

لمبے سفر پر جاتے وقت حضورِ اقدس ﷺ کا معمول

یہ تو وہ دعا تھی جو ہر قسم کی سواری کے لئے پڑھی جاتی ہے، چاہے وہ سفر چھوٹا ہو یا بڑا ہو، قریبی مسافت پر جانا ہو یا بعید کی مسافت پر جانا ہو، لیکن اگر کوئی شخص لمبے سفر پر اور اپنے شہر سے باہر دوسرے شہر کی طرف جا رہا ہو تو اس موقع کے لئے حضورِ اقدس ﷺ نے اور عظیم دعائیں تلقین فرمائی ہیں، یہ ایسی دعائیں ہیں کہ کوئی انسان اس طرح مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضورِ اقدس ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب آپ مدینہ منورہ سے باہر کسی سفر پر روانہ ہونے کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے تین مرتبہ تکبیر فرماتے:

((اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ))

اس کے بعد جب سواری پر سوار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ o وَإِنَّآ إِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾(۱)

اس کے بعد ایک عجیب دعا یہ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْأَهْلِ اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَیْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ))(۲)

سفر میں اللہ تعالیٰ کو ساتھی بنالیں

اس دعا میں پہلا جملہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ))

اے اللہ! ہم آپ کو سفر میں اپنا ساتھی بناتے ہیں کہ آپ سفر میں ہمارے ساتھی ہیں۔ کیونکہ ہر انسان کو سفر میں ایک ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے، اور جب سفر میں کوئی دشواری پیش آ جائے تو وہ ساتھی کام دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم سفر پر روانہ ہو رہے ہیں، اس سفر میں ہم

---

(۱) الزخرف: ۱۳۔ ۱٤

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یقول إذا رکب إلی سفر الحج وغیرہ، رقم: ۲۳۹۲، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما یقول إذا خرج مسافرا، رقم: ۳۳٦۰، سنن النسائی، کتاب الإستعاذة، باب الإستعاذة من الحور بعد الکور، رقم: ٥٤۰۳، سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب ما یقول الرجل إذا سافر، رقم: ۲۲۳۱، مسند أحمد، رقم: ٦۰۲۹

آپ کو اپنا ساتھی بناتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ رہئے گا۔ بتائیے! جب سفر میں اللہ تعالیٰ ساتھ ہو جائیں تو کہاں دشواری پیش آسکتی ہے، کہاں پریشانی آسکتی ہے۔ اگر یہ دعا قبول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ واقعی ہمارے ساتھی بن جائیں تو پھر ہر کام آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کو گھر والوں کے لئے نگران بنالیں

دوسرا جملہ ارشاد فرمایا:

((وَالْخَلِيفَةُ فِي الْأَهْلِ))

اس جملے میں عجیب بات ارشاد فرمائی، وہ یہ کہ آپ سفر میں ہمارے ساتھی بھی ہوں اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کے نگہبان بھی ہوں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ہمارے ساتھ ہوگا تو پھر گھر میں وہ نگہبان بن کر نہیں رہے گا، لیکن اے اللہ! آپ ایسے ہیں کہ جو ہر جگہ موجود ہیں، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ سفر میں بھی ہوں اور ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں کے نگران اور نگہبان بھی بن جائیں اور ان کی حفاظت فرمائیں۔

دونوں مشکلات حل ہو گئیں

انسان جب کسی سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کے سامنے دو بڑی فکریں ہوتی ہیں۔ ایک فکر یہ ہوتی ہے کہ میرا سفر آسان ہو جائے، اس میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور میں اپنے سفر کے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ دوسری فکر یہ ہوتی ہے کہ میں گھر سے باہر جا رہا ہوں، میرے پیچھے میرے گھر والوں کا کیا ہوگا؟ وہ کہیں کسی مشکل کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اس دعا میں مسافر کی دونوں مشکلات کو حل فرما دیا کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اپنے سفر کو بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو اور اپنے پیچھے رہنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو۔ اگر مسافر کی یہ دونوں دعائیں قبول ہو جائیں تو پھر مسافر کی کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی۔

اے اللہ سفر آسان فرما دے

پھر تیسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا هٰذَا السَّفَرَ وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَهُ))

”اے اللہ! ہمارے اس سفر کو آسان کر دیجئے اور اس کی دُوری اور فاصلے کو لپیٹ دیجئے“

جب مسافر لمبے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ مسافت بڑی لمبی ہوتی ہے جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، اس لئے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے یہ دعا کرنی چاہئے تاکہ یہ سفر آسان ہو جائے اور اس سفر کی لمبی مسافت سمٹ جائے، یعنی ہمیں پتہ بھی نہ چلے اور ہم منزل تک پہنچ جائیں۔

سفر کی مشقتوں سے پناہ مانگ لیں

اس کے بعد ایک دوسری دعا اور فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ))(۱)

اے اللہ! میں سفر کی مشقت سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے سفر میں مشقتیں اور مصیبتیں پیش آئیں اور اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میرے سامنے کوئی دکھ دینے والا منظر آجائے۔

یعنی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ کوئی حادثہ یا ایکسیڈنٹ ہو جائے یا کوئی تصادم ہو جائے، لہٰذا ایسا منظر جو برا ہو اور تکلیف دینے والا ہو، اے اللہ! میں اس سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

واپسی پر گھر والوں کی خیریت کی اطلاع ملے

پھر فرمایا:

((وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ))

"اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ جب میں واپس لوٹ کر اپنے گھر آؤں تو وہاں آکر کوئی برا منظر دیکھوں"

جب انسان سفر میں ہوتا ہے تو اس کو اس بات کی بھی فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ جب میں واپس گھر جاؤں تو میرے گھر والے خوش وخرم ہوں، ان کو اچھی حالت میں دیکھوں، وہ بیمار نہ ہوں، کسی حادثے کا شکار نہ ہوں اور ان کو اطمینان کی حالت میں پاؤں۔ اس لئے دعا کرلی کہ اے اللہ! میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں گھر والوں کو برے حال میں پاؤں یا اپنے مال کو برے حال میں پاؤں یا

(۱) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب ما یقول إذا رکب إلی سفر الحج وغیره، رقم: ۲۳۹۲، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما یقول إذا خرج مسافرا، رقم: ۳۳٦۰، سنن النسائی، کتاب الإستعاذة، باب الإستعاذة من الحور بعد الکور، رقم: ۵٤۰۳، سنن أبی داؤد، کتاب الجهاد، باب ما یقول الرجل إذا سافر، رقم: ۲۲۳۱، مسند أحمد، رقم: ٦۰۲۹

اپنی اولاد کو برے حال میں پاؤں۔ اے اللہ! جب میں واپس آؤں تو یہ سب اچھی حالت میں مجھے دکھائی دیں۔

اس دعا کی جامعیت

بتایئے! کیا کوئی شخص ایسی دعائیں مانگے گا؟ کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ وہ مسافر ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگے، مسافر کی جتنی ضروریات ہوسکتی ہیں، وہ سب حضورِ اقدس ﷺ نے ان دعاؤں میں جمع فرمادیں۔ ''اللہ اکبر'' کے ذریعہ سفر کا آغاز کیا، جب سواری پر بیٹھے تو یہ دعا پڑھ لے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ o وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

اور اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ کے حوالے کر دیا اور یہ دعا کر لی کہ اے اللہ! ہر قسم کی مشقت اور مصیبت سے بچایئے گا اور خیر وعافیت سے واپس لایئے گا۔ یہ دعائیں کرنے کے بعد سفر شروع کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔

نئی بستی سے گزرتے وقت کی دعا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آپ سفر کے دوران کسی نئی بستی سے گزرتے تو اس موقع پر یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ أَسْئَلُكَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ أَهْلِهَا وَخَیْرَ مَا فِیْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِیْهَا))(۱)

''اے اللہ! جس بستی سے میں گزر رہا ہوں، اس بستی کی بھلائیاں عطاء فرمایئے اور

(۱) مجمع الزوائد، رقم: ۱۷۱۱۷ (۱۰/۱۹۲)، زادالمعاد، فصل فی هدیه صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفره وعبادته فیه (۱/۴۴۴)، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۱۸۳۳۷ (۱۶/۲۱۷) پوری دعا کچھ یوں ہے: ''اللّٰهم رب السموات وما أظللن ورب الأرضین وما أقللن ورب الشیاطین وما أضللن ورب الریاحین وما ذرین أسألك خیر هذه القریة وخیر أهلها وأعوذ بك من شرها وشر أهلها وشر ما فیها'' پوری دعا کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ''اے اللہ! تو آسمانوں اور ان کے نیچے جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے، زمینوں اور زمینوں کے اوپر جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے، تو شیاطین کا بھی رب ہے اور جنہیں وہ گمراہ کرتے ہیں ان کا بھی رب ہے، تو ہواؤں کا بھی رب اور جن چیزوں کو وہ اڑاتی ہیں ان کا بھی رب ہے، میں تجھ سے اس بستی کی اور اس میں رہنے والوں کی خیر کا سوال کرتا ہوں اور اس بستی کی برائی اور اس میں رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں''

اس بستی کے جو اچھے لوگ ہوں، ان سے واسطہ ڈالئے اور اس بستی میں جتنی اچھائیاں ہیں، ان سے میرا واسطہ پڑے۔ اور اے اللہ! میں اس بستی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس بستی کے برے رہنے والوں سے اور اس بستی میں جو برائیاں ہیں، ان سے پناہ مانگتا ہوں، ان سے مجھے بچائیے گا"

یہ دعا حضورِ اقدس ﷺ اس وقت پڑھتے جب کسی نئی بستی سے گزرتے، چاہے وہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

کسی بستی میں داخل ہوتے وقت کی دعا

اور اگر کسی بستی میں ٹھہرنے کا ارادہ ہوتا تو اس بستی میں داخل ہونے سے پہلے حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ حَبِّبْنَا إِلٰى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ أَهْلِهَا إِلَيْنَا))(۱)

"اے اللہ! ہمیں ان بستی والوں کی نظر میں محبوب بنا دیجئے، یعنی ایسا بنا دیجئے کہ یہ ہم سے محبت کریں اور اس بستی کے جو نیک لوگ ہیں ان کی محبت ہمارے دل میں پیدا کر دیجئے"

پہلے جملے میں تو یہ فرمایا کہ اس بستی کے سارے باشندوں کے دل میں ہماری محبت پیدا کر دیجئے، چاہے وہ صالح ہوں یا نہ ہوں، لیکن دوسرے جملے میں یہ فرمایا کہ اس بستی کے جو صالح اور نیک لوگ ہوں، ان کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دیجئے۔ کیونکہ جب آدمی کسی نئی بستی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے کہ معلوم نہیں کہ کونسا شخص میرے ساتھ کیا معاملہ کرے، اس لئے دعا کر لی کہ اے اللہ! ہماری محبت ان کے دلوں میں ڈال دیجئے، اور ان کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دل میں آجائے۔ یہ دعا کرنے کے بعد بستی میں داخل ہوتے اور وہاں قیام فرماتے، اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کی برکت سے ان کے ہر سفر کو کامیاب بنا دیتے تھے۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، رقم: ٦٣٢ (١١/٢٩٤)، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (٧/٤٢٢)، المعجم الأوسط للطبراني، رقم: ٤٩١١ (١٠/٤٦٨)، بستی میں داخل ہونے سے پہلے آپ ﷺ تین مرتبہ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا" کہتے پھر یہ دعا پڑھتے: ((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا إِلٰى أَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ أَهْلِهَا إِلَيْنَا))

خلاصہ

بہر حال! یہ چند دعائیں ہیں جو حضورِ اقدس ﷺ سفر کی حالت میں مانگا کرتے تھے، ہر مسلمان کو ان کے پڑھنے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ اور یہ درحقیقت مسلمان اور کافر میں ایک بہت بڑا امتیاز ہے کہ کافر بھی سوار ہوتا ہے اور مؤمن بھی سوار ہوتا ہے، لیکن کافر غفلت کی حالت میں سوار ہوتا ہے، اور اس کا دھیان اپنے خالق کی طرف نہیں ہوتا، جبکہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کے ساتھ، اس کے ذکر کے ساتھ، اس کے شکر کے ساتھ اور اس کی نعمتوں کے اعتراف کے ساتھ سوار ہوتا ہے، اس کے نتیجے میں اس کا پورا سفر عبادت بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



جنازے کے آداب

اور

چھینکنے کے آداب ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ ((بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَنَصْرِ الضَّعِيْفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ وَافْشَاءِ السَّلَامِ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ))(۱)

ایک مسلمان کے ذمے دوسرے مسلمانوں کے جو حقوق ہیں، ان میں سے دو کا بیان پیچھے ہو چکا:

(۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا

تیسرا حق جو اس حدیث میں بیان فرمایا وہ ہے "اتباع الجنائز" جنازوں کے پیچھے جانا۔ یہ بھی بڑی فضیلت والا کام ہے اور مرنے والے کا حق ہے۔ البتہ یہ حق مردوں پر ہے، عورتوں پر یہ حق نہیں ہے، اور عیادت مریض کا عمل مرد کے لئے بھی ہے اور عورت کے لئے بھی ہے اور عیادت مریض کا جو ثواب مرد کے لئے ہے، وہی ثواب عورت کے لئے بھی ہے۔ لیکن جنازوں کے پیچھے جانا صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے، البتہ خواتین تعزیت کے لئے جا سکتی ہیں، اور "انشاء اللہ" اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ ان کو تعزیت کرنے میں بھی وہی اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا جو مردوں کو جنازے کے پیچھے جانے سے حاصل ہوتا ہے۔

☆ اصلاحی خطبات (۱۲/۱۰۲ تا ۱۲۷) بعد از نماز عصر، جامع مسجد بیت المکرم، کراچی

(۱) صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب افشاء السلام، رقم ۵۷۶۶، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۷۳

جنازے کے پیچھے چلنے کی فضیلت

حضورِ اقدس ﷺ نے جنازے کے پیچھے چلنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا فَلَهٗ قِيْرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتّٰى تُدْفَنَ فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ)) قِيْلَ: وَمَا الْقِيْرَاطَانِ؟ قَالَ: ((مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيْمَيْنِ))(۱)

''جو شخص جنازے کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جانے تک حاضر رہے، اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو شخص دفن تک شریک رہے، اس کو دو قیراط ثواب ملے گا۔ کسی صحابی نے سوال کیا یا رسول اللہ! یہ دو قیراط کیسے ہونگے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ قیراط دو بڑے پہاڑوں کے برابر ہوں گے''

بہر حال، نماز جنازہ پڑھنے اور دفن تک شریک ہونے کا بڑا عظیم ثواب ہے۔

جنازے میں شرکت کے وقت نیت کیا ہو؟

جنازہ کے پیچھے جانے کا عمل ایسا ہے جو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی کوئی شخص ہوگا جو کبھی جنازے کے پیچھے نہیں گیا ہوگا، بلکہ ہر شخص کو اس عمل سے سابقہ پڑتا ہے، لیکن صحیح طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یہ عمل بھی ایک رسمی خانہ پری ہو کر رہ جاتا ہے، مثلاً بعض اوقات جنازہ میں شرکت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر شرکت نہ کی تو لوگ ناراض ہو جائیں گے، یہ نیت اور مقصد غلط ہے۔ اس لئے جنازہ میں شرکت کرتے وقت اپنی نیت درست کرلو اور یہ نیت کرلو کہ میں اس مسلمان کا حق ادا کرنے کے لئے شرکت کر رہا ہوں، اور جنازے کے پیچھے چلنا چونکہ حضورِ اقدس ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ کا حکم ہے، اس لئے میں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں شریک ہو رہا ہوں۔ اس نیت سے جب شرکت کرو گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ عمل بڑے اجر و ثواب کا باعث بن جائے گا۔

جنازے کے ساتھ چلتے وقت کلمہ شہادت پڑھنا

دوسرے یہ کہ جنازہ میں شرکت کرنے کا طریقہ سنت کے مطابق ہونا چاہئے، ناواقفیت اور

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن، رقم: ۱۲۴۰، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها، رقم: ۱۵۷۰، سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب ثواب من صلی علی جنازة، رقم: ۱۹۶۸

بے دھیانی کی وجہ سے ہم بہت سی سنتوں پر عمل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں اور بلاوجہ اجر وثواب ضائع کر دیتے ہیں، ذرا سا دھیان اگر کر لیں گے تو ایک ہی عمل میں بہت سارے ثواب حاصل ہو جائیں گے۔ مثلاً ناواقفیت کی وجہ سے ہمارے یہاں ایک طریقہ یہ چل پڑا ہے کہ جب جنازے کو کندھا دیا جاتا ہے تو ایک آدمی بلند آواز سے نعرہ لگاتا ہے "کلمہ شہادت" اور دوسرے لوگ اس کے جواب میں بلند آواز سے "أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" پڑھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، یہ عمل نہ تو حضور اقدس ﷺ نے کیا، نہ صحابہ کرام نے کیا، اور نہ ہی ہمارے بزرگان دین سے یہ عمل منقول ہے۔ بلکہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ذکر بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے، اور جنازے کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ، خاموش چلے، بلاضرورت باتیں کرنا بھی اچھا نہیں، لہٰذا "کلمہ شہادت" کا نعرہ لگانا یا "شہادت" بلند آواز سے پڑھنا سنت کے خلاف ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

جنازہ اٹھاتے وقت موت کا مراقبہ کریں

اور خاموش چلنے میں حکمت یہ ہے کہ خاموش رہ کر یہ غور کرو اور سوچو کہ جو وقت اس پر آیا ہے، تم پر بھی آنے والا ہے، یہ نہیں کہ اس جنازے کو تو تم لے جا کر قبر میں دفن کر دو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے، لہٰذا خاموش رہ کر اس موت کا مراقبہ کرو کہ ایک دن اسی طرح میں بھی مر جاؤں گا اور میرا بھی جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا اور مجھے بھی قبر میں دفن کر دیا جائے گا اس طرح موت کا مراقبہ کرنے کے نتیجے میں دل میں کچھ نرمی پیدا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا احساس بڑھے گا، اس لئے خاموش رہ کر موت کا مراقبہ کرنا چاہئے، البتہ کوئی ضروری بات کرنی ہو تو کر سکتے ہیں، کوئی ناجائز اور حرام نہیں ہے، البتہ ادب کے خلاف ہے۔

جنازے کے آگے نہ چلیں

ایک ادب یہ ہے کہ جب جنازہ لے جا رہے ہوں تو جنازہ آگے ہونا چاہئے اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلیں، دائیں بائیں چلیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن جنازے کے آگے آگے چلنا ٹھیک نہیں، ادب کے خلاف ہے۔ البتہ کندھا دینے کی غرض سے وقتی طور پر آگے بڑھ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن کندھا دینے کے لئے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جنازے کے آگے دو رویہ لمبی قطار لگا لیتے ہیں، جس کے نتیجے میں جنازہ کے ساتھ چلنے والے تمام لوگ جنازہ سے آگے ہو جاتے ہیں اور جنازہ پیچھے ہو جاتا ہے، یہ طریقہ بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔

جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ

اسی طرح جنازے کو کندھا دینے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میت کے دائیں ہاتھ کی طرف والا پایہ اپنے داھنے کندھے پر رکھیں اور کم از کم دس قدم چلیں، یہ افضل ہے، بشرطیکہ دس قدم چلنے کی طاقت ہو۔ لہٰذا دوسرے لوگوں کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ ابھی ایک نے جنازہ کندھے پر رکھا اور دوسرے شخص نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو لے لیا، ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ اگر کوئی کمزور اور ضعیف آدمی ہے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس سے جلدی لے لیں تا کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ پھر میّت کے دائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے داہنے کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اور پھر میّت کے بائیں ہاتھ کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، پھر میّت کے بائیں پاؤں کی طرف کا پایہ اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور دس قدم چلے، اس طرح ہر شخص جنازے کے چاروں اطراف میں کندھا دے اور چالیس قدم چلے، یہ طریقہ سنت سے زیادہ قریب ہے اور افضل ہے، اگرچہ اس کے خلاف کرنا ناجائز نہیں ہے، لیکن سنت کا ثواب ضائع ہو جائے گا۔

آج کل جنازہ لے جاتے وقت دھکم پیل ہوتی ہے، کندھا دینے کے شوق میں دوسرے مسلمان بھائیوں کو دھکا دیدیا جاتا ہے اور اس بات کا خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم ایذاء مسلم کر کے حرام کا ارتکاب کر رہے ہیں، کندھا دینے کا ثواب ضائع کر کے الٹا گناہ کما رہے ہیں۔ اس لیے ایسا نہ کرنا چاہئے، بلکہ اطمینان سے کندھا دینا چاہئے اور دوسروں کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ دوسرا مسلمان بھائی کندھا دیتے ہوئے دس قدم پورے کر لے، اس کے بعد آپ اس سے لے لیں۔

جنازے کو تیز قدم سے لے کر چلنا

حضور اقدس ﷺ نے ایک حدیث میں جنازہ لے جانے کا یہ ادب بھی بیان فرمایا کہ جب جنازہ لے کر جاؤ تو ذرا تیز تیز قدم بڑھاؤ، آہستہ مت چلو، اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اگر وہ جنتی ہے تو اس کو جنت میں پہنچانے میں کیوں دیر کرتے؟ اس کو جلدی اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچا دو، اور اگر وہ دوزخی ہے۔ معاذ اللہ۔ تو دوزخ والے کو جلدی اس کے ٹھکانے تک پہنچا کر اپنے کندھے سے اس بوجھ کو دور کر دو۔ البتہ اتنی تیزی بھی نہیں کرنی چاہئے جس سے جنازہ حرکت کرنے لگے، ہلنے لگے، بلکہ متوسط انداز کی چال سے چلو اور اس کو جلدی پہنچا دو۔ (۱)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة با لجنازة، (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

جنازہ زمین پر رکھنے تک کھڑے رہنا

اسی طرح ایک ادب اور سنت یہ ہے کہ قبرستان میں جب تک جنازہ کندھوں سے اتار کر نیچے نہ رکھ دیا جائے، اس وقت تک لوگ نہ بیٹھیں بلکہ کھڑے رہیں، البتہ جب جنازہ نیچے رکھ دیا جائے تو اس وقت بیٹھ سکتے ہیں۔ ہاں! اگر کوئی شخص کمزور اور ضعیف ہے، وہ بیٹھنا چاہتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لہٰذا ہر عمل اتباع سنت کا اہتمام کر کے کیا جائے تو پھر ہر ہر موقع پر کیا جانے والا ہر عمل عبادت بن جاتا ہے۔

اسلامی الفاظ اور اصطلاحات

چوتھا حق جس کا حدیث میں ذکر ہے وہ ہے "تشمیت العاطس" یعنی چھینکنے والے کے "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ" کہنے کے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہنا، حضورِ اقدس ﷺ نے اس کو "تشمیت" کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

حضورِ اقدس ﷺ سے جو الفاظ احادیث میں مروی ہیں یا قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں، وہ الفاظ بھی سیکھنے چاہئیں، ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمان چاہے وہ باقاعدہ عالم نہ ہو اور اس نے کسی مدرسہ سے علم دین حاصل نہ کیا ہو، لیکن وہ اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات سے وہ اتنا مانوس ہوتا تھا کہ بہت سے اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات لوگوں کی زبانوں پر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ علماء کی تصانیف، کتابیں، تقاریر، وعظ وغیرہ کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، معاشرے میں ان اسلامی الفاظ اور اسلامی اصطلاحات کا عام رواج تھا، اس کا بڑا فائدہ تھا۔

اسلامی اصطلاحات سے ناواقفی کا نتیجہ

لیکن اب ان اسلامی اصطلاحات سے رفتہ رفتہ ناواقفیت اس درجہ بڑھ گئی ہے اور لوگ اس درجہ ان سے غافل اور لاعلم ہو گئے ہیں کہ اگر عام لفظ بھی ان کے سامنے بولا جائے تو اس طرح حیرت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) رقم:۱۲۳۱، صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، رقم: ١٥٦٨، سنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء فی المشی خلف الجنائز، رقم:٩٣٢، سنن النسائی، كتاب الجنائز باب السرعة بالجنازة، رقم:١٨٨٤، سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، رقم:٢٧٦٧، سنن ابن ماجه، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی شهود الجنائز، رقم:١٤٦٦، مسند أحمد، رقم:٦٩٦٩

چہرہ تکنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں کس زبان کا لفظ بول دیا۔ اس ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ابھی قریب ہی زمانے کی لکھی علماء کی تصانیف، کتابیں، ملفوظات اور مواعظ پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے اور شکایت کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں نہیں آئیں۔ اب آج کے دور کا عام آدمی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو نہیں سمجھتا، اس لئے کہ عام آدمی ان الفاظ سے اور ان اسلامی اصطلاحات سے نابلد ہے، اور نہ ہی ان الفاظ کے سمجھنے کی طرف دھیان اور توجہ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان علماء کی تصانیف اور مواعظ اور ملفوظات کے استفادہ سے محروم رہ جاتا ہے۔

انگریزی الفاظ کا رواج

لہٰذا یہ وبا اور بیماری ہمارے اندر پھیل گئی ہے کہ ''اسلامی اصطلاحات'' ہماری بول چال سے خارج ہو گئی ہیں اور دوسری طرف انگریزی زبان داخل ہو گئی، آج اگر کوئی شخص تھوڑا سا پڑھ لکھ لے اور میٹرک کر لے یا انٹر پاس کر لے تو اب وہ اپنی گفتگو میں آدھے الفاظ انگریزی کے بولے گا اور آدھے الفاظ اردو کے بولے گا، حالانکہ نہ تو اس کو اردو پوری طرح آتی ہے اور نہ انگریزی پوری طرح آتی ہے، تو انگریزی الفاظ بولنے کا اتنا خیال ہے، لیکن اسلامی اصطلاحات سے اتنا بعد اتنی دوری ہے کہ ان کا مطلب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا، حالانکہ ان کو بھی سیکھنے کی فکر کرنی چاہئے۔

آج ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' لکھی ہے، انہوں نے لکھی ہی اس مقصد سے تھی کہ ایک عام آدمی کو آسان انداز میں قرآن کریم کی تفسیر سمجھ میں آجائے۔ لیکن بہت سے لوگ آکر یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو ''معارف القرآن'' سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر اس سے بھی کوئی آسان تفسیر لکھ دیں تو کہیں گے کہ وہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو مانوس کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ ورنہ آج سے پچاس سال پہلے ایک عام آدمی جس نے باقاعدہ علم دین حاصل نہیں کیا تھا، اس کے خطوط میں ایسے بہت سے الفاظ نظر آئیں گے کہ آج کل کا گریجویٹ اور ایم اے بھی اس خط کو نہیں سمجھ سکتا۔ بہر حال! اس کی فکر کرنی چاہئے، اس لئے جب حدیث سنا کریں تو اس کے الفاظ سے بھی اپنے کو مانوس کیا کریں۔

چھینکنے کے آداب

بہر حال! یہ لفظ ''تشمیت'' ہے۔ اس لفظ کو ''س'' سے ''تسمیت'' پڑھنا بھی درست ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والے کو "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہنا چاہئے، اور جو شخص پاس بیٹھا سن رہا ہے اس کو "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہنا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، یہ "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کے الفاظ کہنا ''تشمیت'' ہے۔ یہ عربی ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اس بات کی دعا دیں کہ وہ صحیح راستے پر رہے۔

جمائی سستی کی علامت ہے

حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ چھینکنے والا "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہے اور اس کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ویسے تو ہر فعل اللہ تعالیٰ کے شکر کا متقاضی ہے، لیکن حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالْعُطَاسُ مِنَ الرَّحْمٰنِ))(۱)

یعنی ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہوتی ہے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حصہ ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ''جمائی'' سستی کے وقت آتی ہے اور اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس کو سستی آ رہی ہے، اور ''سستی'' شیطانی اثرات لئے ہوئے ہوتی ہے جو انسان کو بھلائی سے، نیک کاموں سے اور صحیح طرز عمل سے باز رکھتی ہے، اگر انسان اس سستی پر عمل کرتا چلا جائے تو بالآخر وہ ہر طرح کی خیرات سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ اس سستی کو دور کرو، کاہلی کو دور کرو اور جس خیر کے کام میں سستی آ رہی ہے، اس سستی کا مقابلہ کر کے وہ خیر کا کام کر گزرو۔

حضور اقدس ﷺ کا عاجزی اور سستی سے پناہ مانگنا

اسی لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی ہے:

---

(۱) ((اَلتَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّیْطَانِ)) کے لئے دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابلیس وجنوده، رقم: ۳۰۴۶، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب تشمیت العاطس وكراهة التثاؤب، رقم: ۵۳۱۰، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول الله، باب ماجاء ان الله یحب العطاس ویکره التثاؤب، رقم: ۲۶۷۰، مسند أحمد، رقم: ۸۷۹۷، ((وَالْعُطَاسُ مِنَ الرَّحْمٰنِ)) کے الفاظ نہیں مل سکے۔

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ))(۱)

''اے اللہ! میں عاجزی اور سستی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں''

اس لئے کہ یہ سستی بہت خراب چیز ہے، اس سے بچنا چاہئے، اور اگر کسی کو سستی ہوتی ہو تو اس کا اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں کہ اس سستی کا مقابلہ کرے، مثلاً سستی کی وجہ سے دل چاہ رہا ہے کہ گھر میں پڑا رہوں اور کام پر نہ جاؤں، تو اس کا علاج یہ ہے کہ زبردستی کر کے کھڑا ہو جائے اور اس سستی کا مقابلہ کرے۔ اور ''جمائی'' اس سستی کی ایک علامت ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''جمائی'' شیطانی اثرات کی حامل ہے۔

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

اور چھینک کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ چھینک ''رحمٰن'' کی طرف سے ہے، یعنی اللہ جل شانہ کی رحمت کا ایک عنوان ہے۔ ایک چھینک وہ ہوتی ہے جو نزلہ اور زکام کی وجہ سے آنی شروع ہو جاتی ہے اور مسلسل آتی چلی جاتی ہے، یہ تو بیماری ہے، لیکن اگر ایک آدمی صحت مند ہے اور نزلہ زکام کی کوئی بیماری نہیں ہے، اس کے باوجود اس کو چھینک آ رہی ہے تو اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ رحمٰن کی طرف سے رحمت کی علامت ہے۔ چنانچہ اطباء نے لکھا ہے کہ بعض اوقات انسان کے جسم پر کسی بیماری کا حملہ ہونے والا ہوتا ہے تو چھینک اس حملے کو روک دیتی ہے، اس طرح یہ چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا ایک عنوان ہے یہ تو ظاہری رحمت ہے، ورنہ اس کے اندر جو باطنی رحمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ چونکہ چھینک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے عنوان میں سے ایک عنوانات ہے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو ''الحمد للہ'' کہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کو مت بھولو

ان احکام کے ذریعہ قدم قدم پر یہ سکھایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر موقع پر رجوع کرو، اور ہر ہر موقع پر یہ کہا جا رہا ہے کہ اس وقت یہ پڑھ لو، اس وقت یہ پڑھ لو، یہ سب

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب ما یتعوذ من الجبن، رقم: ۲٦۱۱، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من العجز والکسل وغیره، رقم: ٤٨٧٨، سنن النسائی، کتاب الاستعاذة، باب الاستعاذة من البخل، رقم: ٥٣٥٣، سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی الاستعاذة، رقم: ١٣١٧، مسند أحمد، رقم: ١١٦٧٠

اس لئے کہا جارہا ہے تاکہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالی کے ذکر سے معمور ہو جائے اور ہر تغیر کے وقت اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے۔ ساری عبادتوں، سارے زہد، سارے مجاہدوں، ساری ریاضتوں اور سارے تصوف اور سلوک کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنے کی عادت پڑ جائے اور جس سے اللہ تعالی کا تعلق حاصل ہو جائے۔ اس رجوع الی اللہ کی عادت ڈالنے کے لئے حضور اقدس ﷺ نے یہ مختلف طریقے تلقین فرمائے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چھینک آئے تو فوراً کہو ''الحمد للہ''

یہ سنت مردہ ہوتی جارہی ہے

ایک زمانہ وہ تھا کہ جب یہ بات مسلمانوں کے شعائر میں داخل تھی اس کو سکھانے اور بتانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اور اس وقت اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ اگر کسی مسلمان کو چھینک آئے گی تو وہ ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' نہیں کہے گا، بچپن سے تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ اس کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ لیکن اب یہ چیز مٹتی جارہی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ سنت بھی مردہ ہوتی جارہی ہے، اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے جب چھینک آئے تو فوراً کہو ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ''

چھینکنے والے کا جواب دینا واجب ہے

پھر دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ جو شخص چھینکنے والے کے پاس بیٹھا ہے اور اس نے یہ سنا کہ چھینکنے والے نے ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' کہا تو اس سننے والے پر شرعاً واجب ہے کہ جواب میں ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہے، اسی کا نام ''تشمیت'' ہے۔ اور یہ جواب دینا صرف سنت یا مستحب نہیں بلکہ واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کے ذریعہ جواب نہیں دے گا تو اس کو ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ البتہ یہ اس وقت واجب ہے کہ چھینکنے والے نے ''الحمد للہ'' کہا ہو، اور اگر چھینکنے والے نے ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' نہیں کہا تو پھر سننے والے پر ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہنا واجب نہیں۔

البتہ اللہ تعالی نے اس میں اتنی آسانی فرمادی ہے کہ اس کو واجب علی الکفایہ قرار دیا ہے، یعنی واجب علی العین نہیں ہے کہ ہر سننے والے پر جواب دینا ضروری ہو، بلکہ اگر سننے والے دس افراد ہیں اور ان میں سے ایک نے ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' کہہ دیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہوگیا۔ لیکن ساری مجلس میں کسی ایک فرد نے بھی ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' نہیں کہا تو تمام افراد ترک واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔

فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کا مطلب

یہ سب اصطلاحات بھی جاننے کی ہیں اور سیکھنی چاہئیں۔ دیکھئے! ایک ہے ''فرض عین'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام ہر ایک آدمی پر فرض ہے، جیسے نماز ہر ہر آدمی پر علیحدہ علیحدہ فرض ہے، ایک کی نماز سے دوسرے کی نماز ادا نہیں ہوتی، اس کو ''فرض عین'' کہا جاتا ہے۔ دوسرا ہے ''فرض کفایہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بہت سے افراد میں سے ایک دو افراد نے بھی وہ کام کرلیا تو سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، جیسے نماز جنازہ ''فرض کفایہ'' ہے، اگر چند افراد بھی نماز جنازہ ادا کرلیں گے تو سب کی طرف سے وہ فرض ادا ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی بھی نہیں پڑھے گا تو سب گناہ گار ہوں گے۔

مثلاً رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا ''سنت موکدہ علی الکفایہ'' ہے۔ یعنی اگر محلے میں سے کوئی ایک شخص بھی مسجد میں جا کر اعتکاف میں بیٹھ گیا تو تمام اہل محلّہ کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی، لیکن اگر ایک شخص بھی اعتکاف میں نہیں بیٹھا تو سارے محلے والے ترک سنت موکدہ کے گناہ گار ہوں گے۔ اسی طرح چھینکنے والے کا جواب دینا ''واجب علی الکفایہ'' ہے، یعنی اگر مجلس میں ایک شخص نے بھی جواب دیدیا تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو گیا، لیکن اگر کسی نے بھی جواب نہ دیا تو سب کے سب ترک واجب کے گناہ گار ہوں گے۔

یہ مسلمان کا ایک حق ہے

ہم لوگ ذرا جائزہ لیں کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس واجب سے کتنی غفلت برتتے ہیں۔ اول تو چھینکنے والا ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' نہیں کہتا، اور اگر وہ ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' کہے تو سننے والے ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' کے ذریعہ جواب دینے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا اہتمام کرنا چاہئے۔ حضورِ اقدس ﷺ اس حدیث کے ذریعہ یہ بتارہے ہیں کہ ''تشمیت'' کرنا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور اس کے ذمے واجب ہے۔

کتنی مرتبہ جواب دینا چاہئے

البتہ جیسا کہ ابھی بتلایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی یہ فرمادی ہے کہ ایک تو اس حق کو ''واجب علی الکفایہ'' قرار دیا، دوسرے یہ کہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی کو مسلسل چھینکیں آرہی ہیں اور وہ مسلسل الحمدللہ کہہ رہا ہے، اور سننے والا مسلسل ''یَرْحَمُکَ اللّٰہُ'' کہتا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ دوسرے کام چھوڑ کر بس یہی کرتا رہے۔ تو اس کے بارے میں بھی حضورِ اقدس ﷺ نے یہ ادب بتادیا کہ اگر ایک مرتبہ چھینک آئے تو جواب دینا واجب ہے، اور دوسری مرتبہ چھینک آئے تو

جواب دینا سنت ہے، اور تیسری مرتبہ جواب دینا بھی سنت ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ اس کے بعد اگر چھینک آئے تو جواب نہ تو واجب ہے اور نہ سنت ہے البتہ اگر کوئی شخص جواب دینا چاہے تو جواب دیدے، انشاء اللہ اس پر بھی ثواب ملے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مجلس میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" فرمایا، دوسری مرتبہ پھر چھینک آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" تیسری مرتبہ پھر چھینک آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ جواب دیا "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" جب چوتھی مرتبہ ان کو چھینک آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رَجُلٌ مَزْكُومٌ))(۱)

یعنی ان صاحب کو زکام ہے اور اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔

اس حدیث کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسئلہ بتا دیا کہ تیسری مرتبہ کے بعد جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے! شریعت نے ہماری اور آپ کی سہولت کے لئے کن کن باریکیوں کی رعایت فرمائی ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ آدمی بس اسی کام میں لگا رہے اور دوسرے ضروری کام چھوڑ بیٹھے۔

یہ جواب دینا کب واجب ہے؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہے، اگر چھینکنے والے نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" نہیں کہا تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، لیکن جواب دینا اچھا ہے، تاکہ چھینکنے والے کو تنبیہ ہو جائے کہ مجھے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہنا چاہئے تھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب نہ دینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی کو چھینک آئی، انہوں نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہا، آپ نے صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" فرمایا، تھوڑی

(۱) صحیح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب تشميت العاطس و كراهة التثاؤب، رقم: ٥٣٠٩، سنن الترمذی، كتاب الأدب عن رسول الله، باب ما جاء كم يشمت العاطس، رقم: ٢٦٦٧، سنن أبي داود، كتاب الادب، باب كم مرة يشمت العاطس، رقم: ٤٣٨٠، مسند أحمد، رقم: ١٥٩٠٤

دیر کے بعد ایک اور صحابی کو چھینک آئی، لیکن انہوں نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" نہیں کہا، آپ ﷺ نے "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" بھی نہیں کہا۔ ان صحابی نے حضورِ اقدس ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ان صاحب کو تھوڑی دیر پہلے چھینک آئی تھی تو آپ نے ان کو "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کے ذریعہ دعا دیدی تھی اور اب مجھے چھینک آئی تھی تو آپ ﷺ مجھے دعا نہیں دی۔ آپ نے جواب دیا کہ ان صاحب نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہہ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا، اس لئے میں نے ان کے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہا، تم نے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" نہیں کہا، اس لئے میں نے جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" نہیں کہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کے ذریعہ جواب دینا اس وقت واجب ہے جب چھینکنے والا "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہے۔ (۱)

چھینکنے والا بھی دعا دے

پھر تیسری بات یہ ہے کہ جب "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کے جواب میں سننے والے نے "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہا تو اب چھینکنے والے کو چاہئے کہ وہ "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" کہے۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" کہے۔

اس لئے کہ جب سننے والے نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو اب جواب میں چھینکنے والا اس کو یہ دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے سب کام ٹھیک کر دے۔ ان احکام کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کو دعا دینے کی عادت ڈالی جارہی ہے، کیونکہ جب ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دعا کرتا ہے تو اس دعا کو قبولیت کی بہت امید ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ دوسروں کے لئے دعا کیا کرو۔ (۲)

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الحمد للعاطس، رقم:۵۷۵۳، صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب تشمیت العاطس وکراهة التثاؤب، رقم:۵۳۰۷، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول الله، باب ما جاء فی إیجاب التشمیت بحمد العاطس، رقم:۲۶۶۶، سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب فیمن یعطس ولایحمد الله، رقم:۴۳۸۲، سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب تشمیت العاطس، رقم:۳۷۰۳، مسند أحمد، رقم:۷۹۹۶

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب اذا عطس کیف یشمت، رقم:۵۷۵۶، سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول الله، باب ماجاء کیف تشمیت العاطس، رقم:۲۶۶۳: سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی تشمیت العاطس، رقم:۴۳۷۷، سنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب تشمیت العاطس، رقم:۳۷۰۵، مسند أحمد، رقم:۹۲۵، سنن الدارمی، کتاب الاستئذان، باب اذاعطس الرجل مایقول، رقم:۲۵۴۴

ایک چھینک پر تین مرتبہ ذکر

دیکھئے! چھینک ایک مرتبہ آئی، لیکن اس میں تین مرتبہ اللہ کا ذکر ہو گیا، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گیا اور تین دعائیں ہو گئیں۔ اور دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں دعاؤں کا تبادلہ ہوا، اور اس تبادلے کے نتیجے میں ایک دوسرے سے ہمدردی اور خیر خواہی کرنے کا ثواب بھی ملا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بھی قائم ہو گیا۔ یہ وہ نسخہ کیمیا ہے جو حضورِ اقدس ﷺ بیان کر کے تشریف لے گئے۔ بہر حال! ''تشمیت'' کرنا، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے اور واجب ہے۔

کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچواں حق یہ بیان فرمایا:

((نَصْرُ الضَّعِیْفِ))

''کمزور کی مدد کرنا''

اسی کے ساتھ چھٹا حق یہ بیان فرمایا:

((عَوْنُ الْمَظْلُوْمِ))

''مظلوم کی مدد کرنا''

''جو شخص کسی ظلم کا شکار ہے، اس سے ظلم دور کرنے کے لئے اس کی مدد کرنا بھی ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے''

اور یہ انسان کے اندر جتنی استطاعت ہو، اس استطاعت کی حد تک دوسرے مسلمان کی مدد کرنا واجب ہے، اگر ایک مومن قدرت کے باوجود دوسرے مومن کو ظلم سے نہ بچائے یا اس کی مدد نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوگا۔

مظلوم کی مدد واجب ہے

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ))(۱)

''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا ہے''

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے اور تم اس کو روک سکتے ہو، تو ایسے موقع پر اس کو بے یار و مددگار چھوڑنا جائز نہیں، بلکہ اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آجائے گا

بلکہ ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے بڑی سخت وعید بیان فرمائی کہ اگر کچھ لوگ یہ دیکھ رہے ہوں کہ کوئی شخص کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہے، چاہے وہ ظلم جانی ہو یا مالی ہو، اور ان کو اس ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی اور اس شخص کو ظلم سے بچانے کی قدرت ہو، پھر بھی وہ اس ظالم کا ہاتھ نہ پکڑیں، اور اس کو ظلم سے نہ بچائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر اپنا عذاب نازل فرمادے۔

عذاب کی مختلف شکلیں

پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ عذاب اسی قسم کا ہو جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آئے، مثلاً آسمان سے انگارے برسیں، یا طوفان آجائے، یا ہوا کے جھکڑ چل پڑیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب اور عتاب سے محفوظ رکھے۔ آمین ہم دن رات جو دیکھ رہے ہیں کہ ڈاکے پڑ رہے ہیں، چوریاں ہو رہی ہیں، بدامنی اور بے چینی کا دور دورہ ہے، کسی شخص کی جان، کسی کا مال، کسی کی عزت آبرو محفوظ نہیں، ہر شخص بے چینی اور بے اطمینانی کا شکار ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب کے عنوانات ہیں، یہ سب عذاب کی مختلف شکلیں ہیں۔ اب یہ تو دور آگیا ہے کہ اپنی آنکھوں سے ایک انسان پر ظلم ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اور اس کو ظلم سے بچانے کی قدرت بھی ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو ظلم سے بچانے کی طرف توجہ نہیں ہے۔

احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

خاص طور پر جب سے ہمارے یہاں مغربی تہذیب کا سیلاب امڈ آیا ہے اور لوگوں کے پاس دولت آگئی ہے تو اس دولت نے لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیا ہے مروت، انسانیت، شرافت سب کچل کر رہ گیا ہے۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) (۱) صحیح البخاری، کتاب المظالم والغصب، باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، رقم: ۲۲٦۲، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، رقم: ٤٦٧٧، سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول الله، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، رقم: ١٣٤٦، سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب المؤاخاة، رقم: ٤٢٤٨، مسند أحمد، رقم: ٥١٠٣

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لہٰذا ان جدید آلات نے مروت کے احساس کو کچل دیا ہے۔

ایک عبرتناک واقعہ

ایک مرتبہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بہت شاندار کار سڑک پر گزری، جس میں کوئی صاحب بہادر بیٹھے تھے، اور اس کار نے ایک راہ گیر کو ٹکر ماری، وہ سڑک پر گرا اور اس کے جسم سے خون بہنے لگا، مگر ان صاحب بہادر کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کار روک کر دیکھ لے کہ کتنی چوٹ آئی، صرف اتنا ہوا کہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا کہ ایک شخص زمین پر گرا ہوا ہے، بس یہ دیکھ کر وہ روانہ ہو گیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس دولت نے اور اس مغربی تہذیب نے ہمیں اس درجہ پر پہنچا دیا کہ کسی آدمی کی جان مکھی اور مچھر سے زیادہ بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے، آج کا انسان انسان نہیں رہا۔

مسلمان کی مدد کرنے کی فضیلت

واقعہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ محمد ﷺ کی سنت پر عمل نہ کرے، آپ کی سنت یہ ہے کہ آدمی ضعیف کی مدد کرے اور مظلوم کے ساتھ تعاون کرے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بھی ارشاد فرمائی ہے:

((وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ))(۱)

یعنی جب تک مسلمان کسی معاملے میں اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کرتا رہتا ہے اور اس کے کام بناتا رہتا ہے۔

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا

ایک حدیث میں حضورِ اقدس ﷺ نے بڑا اچھا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث کے بارے میں محدثین کے یہاں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم کسی محدث کے پاس حدیث پڑھنے جاتا ہے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر و الدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر، رقم: ۴۸۶۷، سنن الترمذی، کتاب الحدود عن رسول الله، باب ما جاء فی الستر علی المسلم، رقم: ۱۳۴۵، سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب فی المعونة للمسلم، رقم: ۴۲۹۵، سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، رقم: ۲۲۱، مسند أحمد، رقم: ۷۱۱۸

تو استاذ اس طالب علم کو سب سے پہلے یہ حدیث سناتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ))(۱)

''رحم کرنے والوں پر ''رحمٰن'' رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا''

اور جو آدمی زمین والوں پر رحم کرنا نہیں جانتا، اس کو آسمان والے سے بھی رحمت کی توقع مشکل ہے۔ بہرحال! ضعیف کی مدد کرنا اور مظلوم کی اعانت کرنا اسلامی تعلیمات کا اہم شعار ہے۔

قسم کھانے والے کی مدد کرنا

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق ہیں، ان میں سے ساتواں حق جو حدیث میں بیان فرمایا: وہ ہے:

((اِبْرَارُ الْمُقْسِمِ))

اس کا مطلب ہے ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی قسم کھالی ہے اور اب وہ اس قسم کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسے مسلمان کی مدد کرنا تاکہ وہ اپنی قسم پوری کرلے، یہ بھی مسلمان کے حقوق میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



(۱) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول الله، باب ما جاء فی رحمة الناس، رقم:۱۸۴۷، سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرحمة، رقم: ۴۲۹۰

مصیبت کے وقت کی دعا☆

بعد از خطبۂ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۝﴾(۱)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! گزشتہ تقریباً ایک سال سے مسنون دعاؤں کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے، اب چند دعائیں باقی ہیں، انشاء اللہ ان کی تشریح کر کے اس سلسلے کو مکمل کرنے کا ارادہ ہے، اللہ جل شانہ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

دنیا میں کوئی تکلیف سے خالی نہیں

جب آدمی صبح کے وقت کاروبارِ زندگی میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر اس کو ہر قسم کے حالات اور واقعات سے سابقہ پیش آتا ہے کوئی انسان اس روئے زمین پر ایسا نہیں ہے جس کو ان حالات اور واقعات سے کبھی بھی تکلیف نہ پہنچتی ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار، بڑے سے بڑا دولت مند، بڑے سے بڑا حاکم، بڑے سے بڑا صاحبِ اقتدار، یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، اگر انسان ہے اور وہ اس دنیا میں ہے تو اس کو کبھی نہ کبھی تکلیف ضرور پہنچے گی، اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

مؤمن اور کافر میں فرق

لیکن تکلیف پہنچنے پر ایک کافر کے رویہ میں اور ایک مسلمان کے رویہ میں زمین و آسمان کا فرق

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۳۳۰ تا ۳۳۸)

(۱) المؤمن: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ”مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے“

ہے۔ جب کافر کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس تکلیف کا زبان سے اظہار کرتا ہے، بعض اوقات روتا چلاتا ہے، بعض اوقات شکوہ کرتا ہے، بعض اوقات وہ تقدیر کا گلہ کرنے لگتا ہے اور "نعوذ باللہ" اللہ تعالیٰ سے گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔

تکلیف کے وقت کی دعا

مگر حضورِ اقدس ﷺ نے ایک مؤمن کو یہ تلقین فرمائی کہ جب کبھی تمہیں کوئی تکلیف کی بات پیش آئے تو یہ کلمات پڑھو:

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾(۱)

اور اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَحْتَسِبُ عِنْدَكَ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَأْجُرْنِیْ فِيْهَا وَأَبْدِلْنِیْ خَيْرًا مِّنْهَا))(۲)

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تکلیف پہنچنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی بڑی مصیبت آجائے بلکہ اگر چھوٹی سی تکلیف پہنچے تو بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب چراغ گل ہو گیا تو حضورِ اقدس ﷺ نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔(۳)

"إِنَّا لِلّٰهِ" کا مطلب

یہ جملہ درحقیقت بڑا عجیب جملہ ہے، اگر انسان اس جملے کو سوچ سمجھ کر زبان سے ادا کرے تو دنیا کی کوئی مصیبت اور کوئی تکلیف ایسی نہیں ہے جس پر یہ جملہ ٹھنڈک نہ ڈال دیتا ہو۔ اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ "ہم سب اللہ تعالیٰ کے ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کی مملوک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں" اور جب یہ کہا "انا للہ"

---

(۱) البقرہ: ١٥٦

(۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللّٰه، باب منه، رقم: ٣٤٣٣، سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی الاسترجاع، رقم: ٢٧١٢، سنن ابن ماجه، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی الصبر علی المصيبة، رقم: ١٥٨٧، مسند أحمد، رقم: ١٥٧٥٠، دعا کا ترجمہ یہ ہے: "اے اللہ! میں اپنی اس مصیبت میں تجھ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں، مجھے اس کا اجر عطا فرما اور مجھے اس سے بہتر عطا فرما"

(۳) تفسیر القرطبی (١٧٥/٢)، تسلية أهل المصائب (١٣/١)، تفسير الثعالبی (١٢٣/١)

کہ ہم تو ہیں ہی اللہ کے بندے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ہمارا خالق اور مالک ہے، لہٰذا اگر ہمیں کوئی تکلیف پہنچی ہے تو یقیناً اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

دیکھنے میں یوں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمیں تکلیف پہنچی ہے، ہمیں پریشانی لاحق ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں اللہ جل شانہ کی حکمت اس میں حاوی ہے اور یہ کام اس کی حکمت کے بغیر نہیں ہوسکتا، جو تصرف ہماری ذات میں چل رہا ہے، وہ سب حکمت پر مبنی ہے اور اس پر کسی کو گلہ شکوہ کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

"وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" کا مطلب

دوسرا جملہ ہے:

﴿وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾

اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یعنی یہ تکلیف جو پہنچی ہے، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں، ایک وقت آئے گا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اگر ہم نے اس مصیبت پر صبر کیا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا تو اس کے نتیجے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے پاس اجر حاصل ہوگا۔

دوسری دعا کا مطلب اور ترجمہ

اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَحْتَسِبُ عِنْدَكَ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَأْجُرْنِیْ فِیْهَا وَأَبْدِلْنِیْ خَیْرًا مِنْهَا))

اے اللہ! میں اس مصیبت میں آپ سے ثواب طلب کرتا ہوں، یعنی یہ تکلیف جو مجھے پہنچی ہے، آپ کی رحمت سے مجھے اُمید ہے کہ اس مصیبت کے عوض آپ مجھے آخرت میں ثواب عطاء فرمائیں گے، لہٰذا آپ مجھے اس پر اجر عطاء فرمائیے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی کہ اے اللہ! جو تکلیف پہنچنی تھی وہ پہنچ گئی اور چونکہ وہ تکلیف آپ کی طرف سے آئی ہے، اس لئے میں اس پر راضی ہوں، لیکن ساتھ ہی آپ سے یہ التجاء ہے کہ اس مصیبت کے بدلے مجھے آخرت میں اجر عطاء فرمائیے۔

مصیبت کا بدل مانگئے

اب اس پر کسی کو یہ خیال ہوسکتا تھا کہ جب تم مصیبت پر راضی ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت پر اجر بھی مانگ رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مصیبت باقی رہے، لیکن سرکارِ دو عالم ﷺ نے اگلا جملہ ارشاد فرما کر اس خیال کی تردید فرمادی، چنانچہ فرمایا کہ یہ کہو کہ اے اللہ! مجھے اس مصیبت کے بدلے کوئی بہتر چیز عطاء فرمادیجئے۔ یعنی میں اگرچہ آپ کے فیصلے پر راضی ہوں اور آپ کے فیصلے پر مجھے کوئی گلہ اور شکوہ نہیں ہے اور نہ اعتراض ہے، لیکن اے اللہ! میں کمزور ہوں، میں مصیبت کا تحمل نہیں کرسکتا، اس لئے آپ میری کمزوری پر رحم فرمایئے اور آپ مجھ سے یہ مصیبت دور فرمادیجئے اور اس کے بدلے میں مجھے اچھی حالت عطا فرمادیجئے۔

مصیبت دور ہونے کی دعا کیجئے

لہٰذا اس دعا میں ایک طرف تو جو مصیبت اور تکلیف پہنچی ہے، اس تکلیف اور مصیبت پر گلہ اور شکوہ کوئی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا اعلان ہے، دوسری طرف اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کہ اے اللہ! میرے اندر اس مصیبت اور تکلیف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر یہ مصیبت مزید جاری رہے تو میں بے صبری کا شکار ہوجاؤں، اس لئے اے اللہ! میں آپ سے دعا یہی کرتا ہوں کہ مجھ سے یہ مصیبت اور تکلیف دور فرمادیجئے۔ اس دعا میں حضورِ اقدس ﷺ نے دونوں چیزوں کو جمع فرمادیا۔

میرے والد ماجد اور بیماری

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ، شدید تکلیف میں مبتلا تھے، ایک طرف دل کی تکلیف، دوسری طرف بواسیر کا پھوڑا نکل آیا، تیسری طرف جسم پر ہرپیز کی پھنسیاں نکل آئی تھیں جو شدید تکلیف دہ ہوتی ہیں، ڈاکٹروں کا کہنا یہ تھا کہ ان پھنسیوں میں ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی نے آگ کا انگارہ جسم پر رکھ دیا ہو۔ اسی حالت میں جوان بیٹے کے انتقال کی خبر آگئی اور بیماری کی وجہ سے بیٹے کے جنازے میں بھی شرکت کے متحمل نہیں تھے، اس حالت میں زبان سے یہ کلمہ نکلا: یا اللہ! رحم فرما، یا اللہ! رحم فرما، یا اللہ! رحم فرما۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے کہ یہ میں نے کیا جملہ زبان سے نکال دیا، ''یا اللہ رحم فرما'' اس جملے کا کہیں یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ گویا اللہ تعالیٰ اب تک رحم نہیں فرمارہے تھے۔ ارے ہم تو اللہ تعالیٰ کے رحم میں جی رہے ہیں،

یہ تھوڑی سی تکلیف ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی ہر وقت بارش ہورہی ہے۔ لہٰذا اب میں یہ دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! اس تکلیف کی نعمت کو راحت کی نعمت سے تبدیل فرمادیجئے۔ یعنی یہ تکلیف بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اس لئے کہ اس تکلیف پر اللہ تعالیٰ نے جو اجر و ثواب رکھا ہے، وہ بڑا عظیم الشان ہے، لہٰذا یہ تکلیف بھی نعمت ہے، لیکن ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے اور اپنے ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے اس نعمت کو نعمت نہیں سمجھتے، لہٰذا اے اللہ! اس تکلیف کی نعمت کو راحت کی نعمت سے بدل دیجئے۔

یہ تکالیف بھی نعمت ہیں

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو جتنی بھی تکلیفیں پیش آتی ہیں، چاہے وہ صدمہ ہو یا رنج ہو، کوئی فکر ہو، کوئی تشویش ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہیں۔ اس لئے نعمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب تکلیفیں اپنی حکمت سے مؤمن کے اوپر ڈالی ہیں اور یہ سب مؤمن کے لئے ثواب اور ترقیٔ درجات کا ذریعہ بن رہی ہیں اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ لیکن ہم اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس کے بجائے ہمیں راحت کی نعمت عطاء فرمایئے اور اس پر شکر کی توفیق عطاء فرمایئے۔

تکلیف میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

حضورِ اقدس ﷺ نے اس حدیث میں یہی دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس مصیبت کے بدلے اس سے بہتر کوئی ایسی چیز عطاء فرمادیجئے جس کو میں برداشت کرسکوں اور جو میری کمزوری کے مطابق ہو۔ لہٰذا جب بھی انسان کو کوئی صدمہ، تکلیف، مصیبت پیش آئے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور کہے: یا اللہ! یہ مصیبت پیش آگئی ہے، آپ اس پر مجھے ثواب دیجئے اور اس کے بدلے مجھے راحت عطاء فرمادیجئے۔ جب یہ دو کام کرلیے تو یہ مصیبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انشاء اللہ نعمت بن جائے گی اور رحمت کا ذریعہ بن جائے گی۔

یہ نسخہ بظاہر دیکھنے میں چھوٹا سا ہے لیکن اس پر عمل کرکے دیکھیں۔ لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی تکلیف بھی پہنچے یا چھوٹے سے چھوٹا صدمہ بھی پیش آئے، بس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے یہ بات کہہ دو، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کہاں سے کہاں پہنچاتے ہیں اور کیسے تمہارے درجات میں ترقی عطاء فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

صحت کی دعا کرنا سنت ہے ☆

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ. أَمَّا بَعْدُ!

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا:

''اب پروردگارِ عالم ساتھ ایمان کے بلالیں، بلا بصارت زندگی بیکار ہے، تلاوت و مواعظ وغیرہ سے محرومی کا سخت رنج ہے''(۱)

ان صاحب کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی اور بینائی کا چلے جانا بلاشبہ سخت مصیبت کی چیز ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حفاظت میں رکھے۔ خاص طور پر وہ شخص جو اچھا بھلا دیکھنے والا اور مطالعہ کرنے والا ہو، اگر اس کی بینائی جاتی رہے تو بڑی سخت تکلیف کی بات ہے۔ اس تکلیف پر انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ بس اب تو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ اپنے پاس بلالیں، کیونکہ جب آنکھ ہی نہ رہی تو اب زندگی سے کچھ فائدہ نہیں، اب تو قرآن کریم کی تلاوت بھی نہیں کرسکتے، مواعظ بھی نہیں پڑھ سکتے، ان سب سے محرومی ہوگئی ہے۔

صحت کی دعا عبدیت کی علامت ہے

حضرت والا نے جواب میں لکھا:

''صحت کی دعا تو سنت ہے اور علامت ''عبدیت'' کی ہے، مگر یہ کہنا کہ اب پروردگارِ عالم ساتھ ایمان کے بلالیں، بلا بصارت زندگی بیکار ہے'' یہ نہایت بے ادبی ہے اور بعید از ''عبدیت'' ہے، ہم کو رائیں لگانے کا کیا حق ہے، حضرت حق سے جو پیش آئے خیر ہے، تلاوت و کتب بینی میں ثواب اور رضا منحصر نہیں، اوّل تو صحت کی حالت میں تطوّع پر مداومت کرنے والے کو مرض میں بدون عمل کیے بھی ثواب عمل سابق کا ملتا رہتا ہے۔ دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا

☆ اصلاحی مجالس (۳/۲۸۰ تا ۳۰۵)، بعد از نمازِ ظہر، رمضان المبارک، جامع مسجد دارالعلوم کراچی۔

(۱) انفاسِ عیسیٰ، ص: ۷۸

ہے، البتہ بینائی کی دعا خود رائی نہیں، اس کی اجازت ہے، دعا مانگے اور دل سے مانگے اور ساتھ میں یہ سمجھے کہ اگر اس کے خلاف واقع ہوا وہ بھی خیر ہے، اس پر بھی راضی رہے''(۱)

بیماری میں دعا کرنے کا ثبوت

دو باتیں الگ الگ ہیں، دونوں کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے، پہلی بات تو یہ کہ جب آدمی بیمار ہو یا تکلیف میں ہو تو اس بیماری کی حالت میں صحت مانگنا کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرما دے، یہ دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ سنت ہے، اس لئے یہ دعا مانگنی چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ))(۲)

''اے اللہ! میں آپ سے صحت، عفت، امانت، حسنِ اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کرتا ہوں''

اور ایک مرتبہ جب حضورِ اقدس ﷺ تکلیف کے عالم میں تھے تو آپ ﷺ نے ان الفاظ سے دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُكَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِكَ وَصَبْرًا عَلٰی بَلِیَّتِكَ وَخُرُوْجًا مِنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِكَ))(۳)

اس دعا میں صرف یہ نہیں کیا کہ عافیت مانگ رہے ہیں، بلکہ جلدی مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ! جلدی سے عافیت دے دیجئے اور مصیبتوں پر صبر عطا فرمائیے۔ لہٰذا تعجیلِ عافیت کی دعا مانگنا بھی سنت ہے اور اس میں ثواب بھی ہے۔ اور عبدیت اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے تکلیف کے ازالے کی دعا کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا مظاہرہ کرنا اچھی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) انفاسِ عیسیٰ، ص: ۷۸

(۲) کنزالعمال، رقم: ۳٦٥۰ (۲/۱۸۳)، شعب الإیمان، رقم: ۱۹٥ (۱/۲۱۷)، الأدب المفرد، رقم: ۳۰۷ (۱/۱۱٥)، مجمع الزوائد، رقم: ۱۷۳٦۷ (۱۰/۲۷٤)

(۳) کنزالعمال، رقم: ۳٦۹۸ (۲/۲۸٦)، المستدرك للحاکم، رقم: ۱۸۷۲ (٤/٤٦٥)، صحیح ابن حبان، رقم: ۲۰۳ (۳/۱۹۸)، دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! میں آپ سے عافیت کا جلدی حصول، مصیبت پر صبر اور دنیا سے آپ کی رحمت کی طرف روانگی مانگتا ہوں''

کے سامنے عبدیت، شکستگی، عاجزی کا مظاہرہ کرنا مطلوب ہے، یہ نہ ہو کہ سینہ تان کر کہیں کہ اور بیماری لاؤ، ہم تو برداشت کریں گے، یہ عبدیت کا تقاضا نہیں۔ عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب بیماری آئے تو اللہ تعالیٰ سے صحت مانگے کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرمادے، جیسے حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾(۱)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ﴾(۲)

''میں مصیبت اور پریشانی میں ہوں ہوں میری مدد فرما''

بہر حال، صحت مانگنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ بیمار ہو گئے، دوسرے بزرگ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، انہوں نے جا کر دیکھا کہ وہ بیمار بزرگ تکلیف میں ہیں، لیکن اس تکلیف کے عالم میں ''الحمد للہ، الحمد للہ'' کا ورد کر رہے ہیں، نہ تو آپ آہ کر رہے ہیں اور نہ ہی صحت کی دعا کر رہے ہیں۔ جو بزرگ عیادت کرنے کے لئے گئے تھے، انہوں نے کہا کہ دیکھو بھائی! اگر تم نے اس طرح ''الحمد للہ'' کا ورد جاری رکھا تو صحت حاصل نہیں ہوگی، اگر صحت چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو تھوڑا ہائے ہائے کرو، اور اللہ تعالیٰ سے صحت مانگو اور کہو کہ یا اللہ! میں عاجز اور کمزور ہوں، مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی، آپ مجھ سے اس تکلیف کو دور فرما دیجئے اور صحت عطا فرما دیجئے۔ بہر حال، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور شکستگی کا اظہار کرنا مطلوب ہے، نہ یہ کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری کا اظہار کرے۔

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں

ہمارے بڑے بھائی تھے، محمد ذکی کیفی صاحب، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین شعر بہت اچھے کہتے تھے، ایک شعر میں انہوں نے یہی بات بیان فرمائی ہے، فرمایا کہ۔

اس قدر بھی ضبطِ غم اچھا نہیں
توڑنا ہے حسن کا پندار کیا؟

---

(۱) الأنبیاء: ۸۳، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: ''اور ایوب کو دیکھو! جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ: ''مجھے تکلیف لگ گئی ہے اور تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے'' (۲) القمر: ۱۰

ضبطِ غم ویسے تو اچھی چیز ہے، لیکن اس قدر بھی ضبطِ غم نہ ہو کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادر بن جائے، کیا اللہ تعالیٰ کا پندار توڑنا چاہتے ہو کہ آپ مجھے کتنی بھی تکلیف دیں، لیکن میں بڑا بہادر ہوں، میں سب برداشت کروں گا۔ یاد رکھو! یہ بندگی کا تقاضا نہیں ہے، بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگے کہ یا اللہ! مجھے صحت عطا فرما دیجئے۔

بھوک کی وجہ سے ایک بزرگ کا رونا

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ بیٹھے رو رہے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! کیوں رو رہے ہیں؟ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ بھوک لگ رہی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا ہوں کہ یا اللہ! بھوک لگ رہی ہے، کھانا کھلا دیجئے۔ کسی نے کہا کہ آپ تو بچوں کی طرح رو رہے ہیں! انہوں نے فرمایا کہ اللہ میاں نے مجھے اسی لئے بھوک دی ہے تاکہ میں رو رو کر اس سے مانگوں اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کروں۔

بیماری میں ہائے ہائے کرنا

بہرحال، بیماری کی حالت میں صحت کی دعا کرنا تو سنت ہے، بشرطیکہ وہ ایسے طریقے سے نہ ہو کہ اس میں شکوہ پنہاں ہو، معاذ اللہ۔ بیماری کی حالت میں ہائے ہائے کرنے میں کوئی حرج نہیں، تکلیف کے اظہار میں کوئی حرج نہیں، لیکن تکلیف کا اظہار ایسے الفاظ سے نہ ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا شکوہ ہو، کیونکہ یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یا اللہ! فیصلہ آپ ہی کا برحق ہے، مشیت آپ ہی کی درست ہے، لیکن میں کمزور ہوں، عاجز ہوں، اس تکلیف کو برداشت نہیں کر پا رہا ہوں، اے اللہ! اس تکلیف کو دور فرما دیجئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تکالیف پر صبر

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کو دیکھا کہ آپ کو شدید دل کی تکلیف تھی، اس کے ساتھ ساتھ پاؤں میں نقرس کا درد، اور پھر اس کے علاوہ جسم پر پھنسیاں بھی نکل آئیں، جس کو ڈاکٹر ہرپیز کی پھنسیاں کہتے ہیں، جو ڈاکٹر اور اطباء آکر ان پھنسیوں کو دیکھ رہے تھے، وہ بتاتے تھے کہ یہ پھنسیاں ایسی ہیں کہ جب جسم پر نکل آتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم پر کسی نے انگارہ رکھ دیا ہو، اور پوری ٹانگ ان پھنسیوں سے بھری ہوئی تھی اور سینے پر بھی نکلی ہوئی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ اس دوران حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے کے لئے چھ سات بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر

آئے جن میں حکیم سعید صاحب بھی تھے، جب یہ حضرات دیکھ کر باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس پر حیرت ہے کہ مفتی صاحب کیسے اس کی تکلیف برداشت کر رہے ہیں، اس لئے کہ یہ پھنسیاں تو بالکل انگاروں کی طرح تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

رحم کی دعا پر استغفار

ابھی اپنی ان تکالیف کے اندر مبتلا تھے کہ اسی حالت میں ہمارے بڑے بھائی صاحب ''بھائی ذکی کیفی مرحوم'' کے انتقال کی خبر آئی، جو جوان اور محبوب بیٹے تھے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ ایک طرف دل کی تکلیف، دوسری طرف نقرس کا درد، تیسرے ہر پیز کی پھنسیاں، اور چوتھے جوان بیٹے کے انتقال کی خبر۔ اس وقت بے ساختہ زبان پر یہ الفاظ آئے: یا اللہ! فضل فرما، یا اللہ! رحم فرما۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد فرمایا کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا کہ یا اللہ! رحم فرما، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم نہیں ہو رہا ہے، یہ تو معاذ اللہ شکوہ کی بات ہوگئی، اس میں شکوہ کا شائبہ پیدا ہوگیا، حالانکہ ہم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش میں زندگی گزار رہے ہیں، یا اللہ! میں ان الفاظ پر آپ سے استغفار کرتا ہوں، استغفر اللہ، استغفر اللہ، استغفر اللہ۔ پھر یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! یہ بیماری بھی آپ کی نعمت ہے، لیکن یا اللہ! ہم کمزور ہیں، عاجز ہیں، اس نعمت کو برداشت کرنے کی طاقت ہمارے اندر نہیں ہے، اے اللہ! اس بیماری کی نعمت کو صحت کی نعمت سے تبدیل فرما۔

دعا میں شکوہ کا رنگ نہ ہو

آپ اندازہ لگائیں کہ جس شخص پر یہ تکالیف اور پریشانی گزر رہی ہو، اس وقت ذہن کا اس بات کی طرف جانا کہ میرا یہ جملہ ''یا اللہ! رحم فرما'' کہیں غلط نہ ہوگیا ہو، یہ اسی شخص کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے جس کا رابطہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوا ہو، ہر کس و ناکس کا ذہن اس طرف نہیں جاسکتا۔ اس کے ذریعہ ادب سکھا دیا کہ صحت کی دعا مانگو، لیکن اس طرح نہ مانگو کہ اس میں شکوہ کا رنگ پیدا ہوجائے، بلکہ اپنی کمزوری اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے صحت کی دعا کرو، اپنی شکستگی کا اظہار کرتے ہوئے مانگو، پھر انشاء اللہ اس دعا پر اللہ تعالیٰ ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔ اسی لئے اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحت کی دعا تو سنت ہے اور علامت ''عبدیت'' کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توصیف کے کلمات

یاد رکھئے! انسان کا اعلیٰ ترین مقام جس سے اعلیٰ مقام کوئی اور نہیں ہوسکتا، وہ ''عبدیت'' کا

مقام ہے، یعنی انسان اللہ کا بندہ بن جائے۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضورِ اقدس ﷺ کا ذکر کتنے عنوانات سے فرمایا کہ تعریف اور توصیف کا کوئی کلمہ نہیں چھوڑا۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝﴾(۱)

''اے نبی ہم نے آپ (ﷺ) کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾(۲)

''یعنی تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، مؤمنین کے ساتھ بڑے شفیق مہربان ہیں''

مختلف عنوانات سے اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس ﷺ کی توصیف فرمائی ہے، کہیں ''یَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ'' فرما رہے ہیں، اور کہیں ''یَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ'' فرما رہے ہیں، کہیں ''کملی والے'' کہہ کر خطاب کر رہے ہیں، کہیں ''چادر والے'' کہہ کر خطاب کر رہے ہیں، محبت اور پیار کا اور تعظیم و تکریم کا کوئی عنوان نہیں چھوڑا۔

معراج کے تذکرے میں ''عبد'' کا لفظ لانا

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے معراج کے موقع پر آپ کو قرب کا سب سے اعلیٰ مقام عطا فرمایا، جہاں پر آپ ﷺ کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور اس مقام پر پہنچایا کہ جبرائیل امین بھی وہاں نہ جا سکے، تو قرآن کریم میں جہاں اس بلند مقام کے عطا کرنے کا ذکر فرمایا، وہاں آپ ﷺ کے لئے صرف ایک لفظ ''عبد'' کا ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾(۳)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے لے گئی''

اب یہاں پر نہ ''شاھدا'' کا لفظ ارشاد فرمایا، نہ ''مبشرا'' نہ ''نذیرا'' لائے، یہاں صرف

(۱) الأحزاب: ۴۵ (۲) التوبة: ۱۲۸ (۳) بنی اسرائیل: ۱

"بعبدہ" کا لفظ لائے کہ اپنے بندے کو لے گئے، اس سے اشارہ اس طرف فرمادیا کہ "بندگی" سے زیادہ اُونچا کوئی دوسرا مقام نہیں ہوسکتا، چاہے کوئی انسان کتنا ہی آگے بڑھ جائے، لیکن اس کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جائے۔ لہٰذا انسان کا اعلیٰ ترین مقام "عبدیت" ہے، اور یہ "عبدیت" اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے، گڑگڑائے، شکستگی اور عاجزی کا اظہار کرے۔

یہ بے ادبی کے الفاظ ہیں

بہر حال! حضرت والا نے فرمایا کہ "صحت کی دعا کرنا تو سنت ہے اور علامت عبدیت کی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اب پروردگارِ عالم ساتھ ایمان کے بلالے، بلا بصارت زندگی بیکار ہے، یہ نہایت بے ادبی ہے۔ یہ الفاظ اکثر و بیشتر لوگوں کی زبان پر آجاتے ہیں کہ اب تو اللہ میاں ایمان کے ساتھ اُٹھالے، اب تو زندگی بیکار ہے۔ ان الفاظ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہت بے ادبی کی بات ہے اور عبدیت سے بہت بعید ہے۔ ارے ہم کو رائے قائم کرنے کا کیا حق ہے کہ ہم زندگی کے بارے میں یہ رائے قائم کریں کہ اب تو زندگی بیکار ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فضول زندہ رکھا ہے، معاذ اللہ۔

یہ تکلیف تمہیں کس بلند مقام پر پہنچارہی ہے

تمہیں کیا معلوم کہ تمہارے لئے زندگی بہتر ہے یا موت بہتر ہے، کیا معلوم کہ اس آنے والی زندگی میں کوئی ایک عمل ایسا ہوجائے جس سے بیڑہ پار ہوجائے، کیا معلوم کہ یہ تکلیف جس کی وجہ سے تم کراہ رہے ہو اور یہ تمنا کر رہے ہو کہ مجھے موت آجائے تو بہتر ہے، یہی تکلیف تمہیں معلوم نہیں کس بلند مرتبے پر پہنچارہی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہاں معاملات بڑے عجیب ہوتے ہیں، کوئی ان کو سمجھ نہیں سکتا۔

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست
کسے چراں و چوں نہ رسد در قضاء ما

یعنی ہم دشمنوں کو پالتے ہیں اور دوستوں کو ماردیتے ہیں، کسی کو ہمارے فیصلے میں چوں وچرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ اچھے خاصے دشمنِ خدا اور دشمن دین کو ڈھیل دی جارہی ہے، وہ چاند پر جھنڈے گاڑ رہے ہیں، اور جو اپنے پیارے اور محبوب ہیں، ان کو آروں سے چروایا جارہا ہے۔

ایک حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی خاص مقام تک پہنچانا چاہتے ہیں، لیکن وہ شخص اپنے اعمال کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہنچ سکا تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی تکلیف میں مبتلا کردیتے ہیں، کبھی جسم میں، کبھی جان میں، کبھی خیالات میں، کبھی

جذبات میں تکلیف دے دیتے ہیں، پھر اس تکلیف کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں۔

ایک مسلمان اور ایک یہودی کا قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شہر میں ایک یہودی تھا اور ایک مسلمان تھا، دونوں بسترِ مرگ پر مرنے کے قریب تھے، یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی کہ کاش کہ کہیں سے مچھلی مل جائے تو کھاؤں اور مسلمان کے دل میں زیتون کا تیل کھانے کا دل چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے سے فرمایا کہ فلاں شہر میں ایک یہودی ہے، اس کا مچھلی کھانے کو دل چاہ رہا ہے، تم ایسا کرو کہ ایک مچھلی پکڑ کر اس کے گھر کے اندر جو تالاب ہے اس میں ڈال دو، تاکہ وہ مچھلی وہاں سے نکلوا کر کھالے۔ اور ایک فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ فلاں مسلمان کو زیتون کھانے کا دل چاہ رہا ہے اور اس کے گھر کی الماری میں زیتون موجود ہے، تم جا کر وہ زیتون ضائع کردو۔ چنانچہ وہ دونوں فرشتے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کے لئے روانہ ہوگئے۔

فرشتوں نے اپنا اپنا کام کرلیا

راستے میں دونوں فرشتوں کی ملاقات ہوگئی، ایک فرشتے سے دوسرے نے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ایک یہودی کا مچھلی کھانے کو دل چاہ رہا ہے، اس کے تالاب میں مچھلی ڈال دوں، تاکہ وہ اس کو کھالے۔ دوسرے فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ فلاں مسلمان کو زیتون کا تیل کھانے کو دل چاہ رہا ہے، تم جا کر اس کے تیل کو ضائع کردو، تاکہ وہ اس کو نہ کھاسکے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تو بہرحال حکم ہے، اس کو ماننا ضروری ہے، چنانچہ دونوں فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنا اپنا کام کرلیا۔

یا اللہ! بات سمجھ میں نہیں آئی

جب وہ دونوں فرشتے اپنا اپنا کام کرکے واپس ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے اور عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ ایک طرف یہودی ہے جو کافر ہے، اس کی خواہش تو آپ اس طرح پوری کرارہے ہیں کہ اس کے تالاب میں مچھلی موجود بھی نہیں تھی، اس کے باوجود اس کی خواہش پوری کرنے کے لئے اس کے تالاب میں مچھلی ڈلوادی۔ دوسری طرف مسلمان ہے جس

کے گھر میں زیتون کا تیل موجود تھا، اس کے باوجود آپ نے اس کے تیل کو ضائع کرادیا، تاکہ وہ اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

کافروں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو غیر مسلم اور کافر ہیں ان کے ساتھ میرا معاملہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں، مثلاً کوئی صدقہ خیرات کردیا، دوسرں کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آگئے، کوئی خیراتی کام کردیئے وغیرہ، میں یہ چاہتا ہوں کہ ان کے اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا جائے، اور جب یہ میرے پاس آئیں تو ان کی اچھائیوں کا حساب دنیا میں صاف ہو چکا ہو، اور میرے ذمے آخرت میں ان کی نیکی کا بدلہ کوئی نہ ہو، اس لئے میں ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں دیتا رہتا ہوں۔ یہ یہودی بھی بہت سے اچھے کام کرتا تھا، ان تمام اچھے کاموں کا بدلہ میں دنیا میں دے چکا تھا، صرف ایک اچھے کام کا بدلہ اس کو دنیا میں نہیں ملا تھا، اور اب یہ یہودی ہمارے پاس آنے والا تھا، اس لئے ہم نے چاہا کہ اس کی یہ آخری خواہش اور پوری کردی جائے تاکہ اس کے نتیجے میں اس کا حساب کتاب برابر ہوجائے، لہٰذا اس کی اس خواہش کو پورا کرکے ہم نے اس کا حساب کتاب برابر کردیا، اب یہ ہمارے پاس آئے گا تو ہمارے ذمے اس کی کسی نیکی کا بدلہ دینا باقی نہیں ہوگا۔

مسلمانوں کے ساتھ دوسرا معاملہ ہے

اور مسلمانوں کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں گناہ کرتا ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا حساب دنیا ہی میں بیباق ہوجائے، تاکہ جب وہ ہمارے پاس آئے تو گناہ کا کوئی حساب اس کے کھاتے میں نہ ہو اور ہمیں اس کو عذاب دینے کے لئے جہنم میں نہ بھیجنا پڑے۔ لہٰذا اگر کسی مسلمان کے ذمے کوئی گناہ باقی ہوتا ہے تو ہم تکلیفوں کے ذریعہ اور بیماریوں کے ذریعہ اس کے گناہ ختم کردیتے ہیں۔ اسی طرح اس مسلمان کے اور سارے گناہ تو معاف ہوگئے تھے، صرف ایک گناہ باقی رہ گیا تھا، ہم نے چاہا کہ اس کا یہ گناہ بھی باقی نہ رہے، تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئے تو پاک صاف ہوکر ہمارے پاس آئے، اس لئے جب اس کے دل میں زیتون کا تیل کھانے کی خواہش ہوئی تو ہم نے اس کا زیتون کا تیل ضائع کرادیا اور اس کے دل پر ایک چوٹ اور لگادی اور اس کے نتیجے میں اس کا وہ گناہ بھی ختم ہوگیا، اور اب وہ ہمارے پاس دھلا دھلایا پاک صاف ہوکر آئے گا۔ لہٰذا کہاں تک انسان اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا ادراک کرے گا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو نوازنے کا انداز

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا، اتفاق سے کسی کتاب میں نہیں دیکھا، اور تلاش بھی کیا لیکن نہیں ملا، آپ حضرات بھی تلاش کیجئے گا، مل جائے تو مجھے اس کا حوالہ بتادیں۔ وہ قصہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنی تکلیف کا اظہار کر رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تمہاری تکلیف جان لیوا تکلیف ہے، تم اب بچو گی نہیں، اسی بیماری میں تمہارا انتقال ہو جائے گا۔[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رحیم و کریم تھے، بڑے شفیق اور مہربان تھے، اور پھر عام لوگوں کو بھی یہ حکم ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لئے جائے تو جا کر اس کو تسلی دے، نہ یہ کہ اس کو یہ کہے کہ تم اس بیماری میں مرجاؤ گے، پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، اور بیوی بھی ایسی ہمدرد اور غمگسار تھیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر ان کو یاد فرمایا۔ ایسی بیوی سے آپ نے یہ جملہ کیسے فرما دیا کہ تم اس بیماری میں بچو گی نہیں، بلکہ مرجاؤ گی۔

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء کرام نے اس کے بارے میں فرمایا کہ بات دراصل یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو آخرت میں جنت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا تھا، لیکن اعمال کے ذریعہ وہ ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچ سکی تھیں، اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت میں اپنے ساتھ رکھنے کی خاطر یہ عمل کیا کہ ان کے سامنے ایسے الفاظ کہے، تاکہ اس کے ذریعہ ان کے دل پر چوٹ لگے اور اس چوٹ لگنے کے نتیجے میں ان کے درجات بلند ہو جائیں اور آخرت میں یہ میرے پاس آجائیں۔

---

(۱) روایات میں آتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرض الوفاۃ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "اے خدیجہ! آپ کی تکلیف دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے تکلیف میں بہت سی بھلائی رکھی ہے، کیا آپ جانتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرا نکاح آپ کے ساتھ بھی کر دیا ہے اور آپ کے ساتھ ساتھ مریم بنت عمران، موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثوم اور فرعون کی بیوی آسیہ سے بھی کر دیا ہے؟" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے واقعی ایسا کر دیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں، اللہ نے ایسا کر دیا ہے" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "پھر تو میں اللہ کی اس تقدیر پر راضی ہوں" المعجم الکبیر، رقم: ۱۸۵۳۱ (۳۱۱/۱۶)، مجمع الزوائد (۱۹۳/٤)، تاریخ دمشق (۱۱۹/۷۰) اس واقعہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خدیجہ کی وفات کی طرف اشارہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔

تکالیف پر رضامندی، درجات کی بلندی کا ذریعہ

بہرحال! یہ تکلیف اور یہ بیماری جو تمہیں دنیا میں پہنچ رہی ہے، تمہیں کیا معلوم کہ یہ تمہارے حق میں فائدہ مند ہے یا نقصان دہ ہے، لیکن حقیقت میں ان کے آخرت میں فائدہ مند ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں، بشرطیکہ تم اس پر راضی رہو۔ لہٰذا اپنی طرف سے یہ کہنا کہ اب تو زندگی بیکار ہے، یہ بہت غلط بات ہے اور بے ادبی کا جملہ ہے۔ اسی وجہ سے موت کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارے کیا معلوم کہ اگر وہ موت جس کو تم مانگ رہے ہو، وہ ابھی آ گئی، اور مرنے کے بعد سیدھے مقامِ غضب میں پہنچ گئے، تو بتایئے موت آنے کا کیا نتیجہ ہوا؟

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

موت اس وقت قابلِ محبت ہے جب اس کے ذریعے سے اللہ جل شانہ کا مقامِ رضا حاصل ہو، اس وقت بیشک موت محبوب چیز ہے، لیکن تمہیں کیا معلوم کہ مرنے کے بعد کہاں پہنچو گے، اس لئے موت کی تمنا مت کرو۔

موت کی دعا کے بجائے یہ دعا کریں

جناب رسول اللہ ﷺ نے جو دعا تلقین فرمائی، وہ تو یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ))(۱)

''اے اللہ! آپ کے علمِ غیب کا واسطہ دے کر اور مخلوق پر آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ یا اللہ! جب تک آپ کے علم میں میرے لئے زندگی بہتر ہو، مجھے زندہ رکھئے، اور جب میرے حق میں موت بہتر ہو، اس وقت مجھے موت دیدیجئے''

یہ دعا کرنی چاہئے، نہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ بس اب تو مجھے موت ہی آ جائے تو اچھا ہے، اب تو زندگی سے دل بیزار ہو گیا ہے، اب تو بس اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلا لے۔ یہ سب بے ادبی کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی رائے چلانا ہے۔

---

(۱) سنن النسائی، کتاب السهو، باب، رقم: ۱۲۸۸، مسند أحمد، رقم: ۱۷٦۰۵، صحیح ابن حبان، رقم: ۱۹۷۱ (۳۰٤/٥)، کنزالعمال، رقم: ۳٦۱۱ (۱۷٤/۲)، پوری دعا یوں ہے: اللهم بعلمك الغيب وقدرتك على الخلق أحيني ما علمت الحياة (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

تین سبق

بہرحال، اس ملفوظ سے تین سبق ملے، پہلا سبق یہ ملا کہ صحت کی دعا کرنا سنت ہے، دوسرا سبق یہ ملا کہ ایسے انداز سے دعا نہ کرے جس میں شکوہ و شکایت کا انداز ہو، تیسرا سبق یہ ملا کہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے یا بیماری کے طول کی وجہ سے یہ دعا کرنا کہ مجھے موت آجائے، یہ دعا کرنا درست نہیں۔ دعا وہ کرے جو حضورِ اقدس نبی کریم ﷺ نے فرمائی کہ یا اللہ! جب تک زندگی بہتر ہو، اس وقت تک زندہ رکھئے، اور جب میرے حق میں موت بہتر ہو، اس وقت موت عطا فرمادیجئے۔ یا پھر حضورِ اقدس ﷺ کی مانگی ہوئی یہ دعا کرے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ تَعْجِيْلَ عَافِيَتِكَ وَصَبْرًا عَلٰى بَلِيَّتِكَ وَخُرُوْجًا مِنَ الدُّنْيَا إِلٰى رَحْمَتِكَ))(۱)

''اے اللہ! میں آپ سے جلدی کی عافیت اور مصیبت پر صبر اور دنیا سے آپ کی رحمت کی طرف خروج کا سوال کرتا ہوں''

لہٰذا یہ دعا کرنی چاہئے اور براہِ راست موت کی دعا نہیں کرنی چاہئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خيرا لی وتوفنی إذا علمت الوفاة خيرا لی وأسألك خشيتك فی الغيب والشهادة وأسألك كلمة الحق فی الرضا والغضب وأسألك القصد فی الفقر والغنی وأسألك نعيما لا ينفد وأسألك قرة عين لا تنقطع وأسألك الرضاء بعد القضاء وأسألك برد العيش بعد الموت وأسألك لذة النظر إلى وجهك والشوق إلى لقائك فی غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة اللهم زيّنا بزينة الإيمان واجعلنا هداة مهتدين)) پوری دعا کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! آپ کے علمِ غیب کا واسطہ دے کر اور مخلوق پر آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ یا اللہ! جب تک آپ کے علم میں میرے لئے زندگی بہتر ہو، مجھے زندہ رکھئے، اور جب میرے حق میں موت بہتر ہو، اس وقت مجھے موت دے دیجئے۔ اے اللہ! میں آپ سے خفیہ اور ظاہری طور پر آپ کی خشیت کا سوال کرتا ہوں، میں آپ سے ناراضگی اور خوشی دونوں حالتوں میں حق بات کہنے کا سوال کرتا ہوں، میں آپ سے فقر اور غنی میں میانہ روی کا سوال کرتا ہوں، میں آپ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو، میں آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو کبھی زائل نہ ہو، میں تیرے فیصلوں پر رضامندی کا سوال کرتا ہوں، میں موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک مانگتا ہوں، میں تیرے چہرے کے دیدار کی لذت کے حصول کا سوال کرتا ہوں، میں بغیر کسی نقصان دینے والی مصیبت اور کسی ہولناک فتنے کا شکار ہوئے بغیر آپ کی ملاقات کے شوق کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما، اور ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت کے لوگوں میں شامل فرما''

(۱) كنز العمال، رقم:۳۶۹۸ (۲۸۶/۲)، المعجم الأوسط للطبرانی، رقم:۹۸۲ (۴۸۱/۲)، المستدرك للحاكم، رقم:۱۹۱۷ (۷۰۳/۱)، صحيح ابن حبان، رقم:۲۰۳ (۱۹۸/۳)

اپنی طرف سے تجویز مت کرو

بہرحال، ان صاحب نے خط میں یہ لکھا تھا کہ رنج اس بات کا ہے کہ آنکھ جاتی رہی، اب تلاوت نہیں کرسکتا، مواعظ نہیں پڑھ سکتا، اس کا بڑا سخت رنج ہے۔ اس کے جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ تلاوت اور کتب بینی میں ثواب اور رضا منحصر نہیں، تم نے اپنی طرف سے تجویز کرلیا کہ مجھے تو ثواب تلاوتِ قرآنِ کریم ہی کے ذریعہ حاصل ہوگا، اور چونکہ اب آنکھیں نہ رہیں تو اب میں ثواب سے محروم ہوگیا۔ ارے یہ تو اللہ جل شانہ کے ساتھ بدگمانی ہے، یہ بدگمانی مت کرو، البتہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہو، اسی پر اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائیں گے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بڑے قاری صاحب حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ساری عمر مجسم تلاوت تھے، روئیں روئیں میں قرآن کریم بسا ہوا تھا ان کی کیفیت بالکل اس دعا کے مطابق تھی:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجِلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ"(۱)

اے اللہ! قرآنِ عظیم کو میرے دل کی تازگی، میری آنکھوں کے لئے نور، میرے غم اور پریشانی کو دور کرنے کا سبب بنا دیجئے۔ اگر قاری صاحب کو دیکھا نہ ہوتا تو یقین نہ آتا کہ ایسا انسان بھی دنیا میں ہوسکتا ہے، قرآنِ کریم ان کی زندگی میں رچا بسا ہوا تھا، اور رگ و پے میں سرایت کیا ہوا تھا، ہر وقت سراپا تلاوت تھے، کوئی لمحہ تلاوت سے خالی نہیں ہوتا تھا۔

لیکن آخر میں فالج کا حملہ ہوا، اور زبان بند ہوگئی، اب وہ شخص جس کی زبان ہر وقت تلاوت سے تر رہتی تھی، اس کی زبان بند ہوگئی، جب میں ان کو اس حالت میں دیکھتا تو کبھی کبھی بڑا دل دکھتا اور صدمہ ہوتا کہ یا اللہ! جس نے ساری عمر تلاوتِ قرآن میں گزاری، اب اس کی زبان بند ہوگئی، یہ بھی

---

(۱) مسند أحمد، رقم: ۳۵۲۸، الدر المنثور (۶۱۶/۳)، زادالمعاد (۱۸۰/۴)، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (۸۹/۱۲)۔ پوری دعا کچھ یوں ہے: "اللهم إني عبدك وابن عبدك وابن أمتك ناصيتي بيدك ماض في حكمك عدل وفي قضاء ك أسألك بكل اسم هولك سميت به نفسك او علّمته احدا من خلقك او أنزلته في كتابك أو استأثرت به في علم الغيب عندك ان تجعل القرآن ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي" اس دعا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت یا پریشانی میں اس دعا کو پڑھ لے اللہ تعالیٰ اسے راحت اور عافیت عطا فرما دیتے ہیں۔

نہیں ہوسکتا کہ اب آخری وقت میں لیٹے لیٹے تلاوت ہی کرتے رہیں۔ بہرحال، ان کو دیکھ کر بڑی حسرت ہوتی تھی، لیکن فوراً میرے دل میں دوسرا خیال آیا کہ درحقیقت اللہ جل شانہ اس کے ذریعے یہی تو دکھانا چاہتے ہیں کہ نہ تلاوت میں کچھ رکھا ہے، اور نہ ترکِ تلاوت میں کچھ رکھا ہے، ہم جس حالت میں رکھیں، بندے کے لئے اسی میں خیر ہے۔ جب ان کو تلاوت کا شوق تھا اور زبان سے ہر وقت تلاوت جاری تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ تلاوت کے ذریعہ ان کے درجات بلند فرمارہے تھے، اور اب جبکہ تلاوت جزوِ زندگی بن گئی تو ان کی زبان بند کردی گئی، اب ان کو اس خاموشی پر اور زبان بندی پر وہی اجر مل رہا ہے جو تلاوت پر مل رہا تھا، بلکہ شاید تلاوت سے زیادہ اب اجر مل رہا ہے، اس لئے کہ تلاوت میں تو ان کو لذت آنے لگی تھی، اور اب تو تلاوت کے لئے زبان بند کردی گئی، اب تلاوت کے لئے دل چاہ رہا ہے اور حسرت ہورہی ہے، مگر زبان نہیں کھلتی، تو اب تلاوت کا ثواب ان کو الگ مل رہا ہے اور تلاوت نہ کرنے پر حسرت کا ثواب الگ مل رہا ہے، اس طرح ہم نے ان کے درجات کی بلندی کا ڈبل سامان کردیا۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے ہورہے ہیں، کون اس میں دخل دے سکتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چونکہ برمیخت ببندد بستہ باش
چوں کشاید چابک و برجستہ باش

یعنی جب اللہ تعالیٰ تمہیں کہیں باندھ کر ڈال دیں تو بندھے پڑے رہو، تمہاری عبادت یہی ہے، اس لئے کہ یہ ان کی طرف سے ہے۔

ہمارا حکم اور ہمارا فیصلہ ہی سب کچھ ہے

لہٰذا تمہارے دل میں یہ جو خیال پیدا ہورہا ہے کہ مجھ سے تلاوت نہیں ہورہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا شوق پورا نہیں ہورہا ہے، اس لئے اس کا صدمہ ہورہا ہے۔ ارے اگر مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے تو پھر تلاوت بند ہونے کے وقت بھی وہی رضا حاصل ہوگی جو رضا تلاوت کے وقت حاصل تھی، اس لئے یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کس عمل سے خوش ہیں۔ حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ میں بڑی عبرت ہے، میں ان کو دیکھ کر یہ سوچتا کہ یہ شخص جس نے ساری عمر قرآنِ کریم کی تلاوت میں گزاری، لیکن آج اللہ تعالیٰ یہ جلوہ دکھارہے ہیں کہ دیکھو! وہ شخص جو ہمارے کلام کا ایسا عاشق تھا، میں نے اس کی زبان بند کردی کہ قرآن کا ایک لفظ نہ پڑھ سکے۔ یہ سب اس لئے کیا تاکہ دنیا کو دکھادیں کہ کسی چیز میں کچھ نہیں رکھا، سب کچھ ہمارے حکم اور ہمارے فیصلے میں ہے، ہم جو فیصلہ کریں اور جو حکم دیں حقیقت میں وہ دین ہے۔

بیماری میں سابقہ عمل کا ثواب ملتا رہتا ہے

آگے فرمایا:

"اوّل تو صحت کی حالت میں تطوع پر مداومت کرنے والے کو مرض میں بدون عمل کیے بھی ثواب عملِ سابق کا ملتا رہتا ہے، دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے"

یعنی ایک شخص صحت کی حالت میں ایک نفلی عبادت کا عادی ہے، مثلاً وہ روزانہ ایک پارہ تلاوتِ قرآن کرتا ہے، اب بیمار ہوگیا اور بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرسکتا، تو جتنے دن بیماری کی وجہ سے تلاوت نہیں کرے گا تو اس کو روزانہ ایک پارہ تلاوت کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، دوسرے بعض اوقات صبر کا اجر عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے، مثلاً ایک شخص عمل کرنے کا اتنا عادی ہوگیا کہ وہ عمل اس کی زندگی کا جز بن گیا کہ اس کی رگ و پے میں سما گیا، اب اللہ تعالیٰ نے کوئی مجبوری ایسی پیدا کردی کہ اب وہ اس عمل کو نہیں کرسکتا، تو اب وہ شخص عمل نہ ہوسکنے پر جو صبر کررہا ہے، اس صبر کا اجر اصل عمل کے اجر سے بڑھ جاتا ہے، چنانچہ خود تلاوت کرنے پر اس کو اتنا اجر نہ ملتا جتنا اس کو صبر کرنے پر مل رہا ہے۔

بینائی کی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ "البتہ بینائی کی دعا خود رائی نہیں" یعنی یہ دعا کرنا کہ یا اللہ! بینائی عطا فرمادیجئے، اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی اجازت ہے۔ لہٰذا دعا مانگے اور دل سے مانگے اور ساتھ میں یہ سمجھے کہ اگر اس کے خلاف واقع ہوا وہ بھی خیر ہے، اس پر بھی راضی رہے" یعنی دعا کرنے کے باوجود بینائی نہ ملی تو یہ سمجھے کہ میرے لئے بہتری اسی میں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور فہم دین

اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دین کی جو فہم عطا فرمائی تھی، جس کے نتیجے میں دین کی ایک ایک بات واضح فرمادی، حقیقت یہ ہے کہ اب ان جیسی فہم کا آدمی نظر نہیں آتا، انہوں نے تجزیہ کرکے چھان پھٹک کر ایک ایک چیز الگ کردی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرکے چلے گئے اور صدیوں کے لئے راستہ واضح کردیا۔ اب اسی ملفوظ کے اندر دیکھئے کہ ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن اس میں کتنے سبق سکھا دیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سوتے وقت کی دعائیں اور اذکار ☆

بعد از خطبہ مسنونہ!

أَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ٥﴾(۱)

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! کچھ عرصہ سے نبی کریم ﷺ کی ماثور دعاؤں کا بیان چل رہا ہے اور ان میں سے بہت سی دعاؤں کی تشریح اور وضاحت آپ حضرات کے سامنے پچھلے بیانات میں پیش کی گئیں، آج یہ اس سلسلے کی شاید آخری کڑی ہے اور یہ آخری کڑی ان دعاؤں پر مشتمل ہے جو نبی کریم ﷺ سے سونے سے پہلے پڑھنا ثابت ہے، آج ان کا تھوڑا سا بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق بیان کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

سونے سے پہلے ''استغفار''

یوں تو سونے سے پہلے ایک مسلمان کے لئے مختصر مختصر بہت سے کام ہیں جن کو انجام دینا بہت مناسب اور ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب آدمی رات کو بستر پر سونے کے لئے جاتا ہے تو ایک دن کی تمام کاروائیوں کا اختتام بستر پر ہوتا ہے، اس وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ رات کو سونے سے پہلے مناسب یہ ہے کہ آدمی سارے دن کی کاروائیوں پر ایک طائرانہ نظر ڈال لے کہ جب آج صبح میں بیدار ہوا تھا، اس وقت سے لے کر سونے تک میں نے کتنے کام کیے، ان میں سے کتنے کام اچھے تھے اور کتنے کام برے تھے، اور پھر اجمالی طور پر انسان اللہ تعالیٰ سے استغفار کر لے کہ یا اللہ! میں نے

☆ اصلاحی خطبات (۱۳/۳۴۱ تا ۳۵۲)

(۱) المؤمن: ۶۰، آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ: ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''

آج کا جو دن گزارا ہے، اس میں نہ جانے مجھ سے کتنی غلطیاں ہوئی ہوں گی، نہ جانے کہاں کہاں میرے قدم صحیح راستے سے پھسلے ہوں گے، کہاں کہاں میری نگاہ بہکی ہوگی، کہاں کہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہوگا، اے اللہ! اب میں دن ختم کر رہا ہوں، اس وقت میں آپ سے سارے دن کی خطاؤں کی معافی مانگتا ہوں:

((أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ))(۱)

اگلا دن ملے یا نہ ملے

لہٰذا رات کو سوتے وقت دن بھر کے گناہوں سے توبہ استغفار کر لے، اس لئے کہ رات کی نیند بھی ایک قسم کی چھوٹی موت ہے، آدمی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے، اور نہ جانے کتنے واقعات پیش آتے ہیں کہ آدمی رات کو سویا اور پھر بیدار نہ ہوا، لہٰذا یہ معلوم نہیں کہ اگلا دن ملتا ہے یا نہیں، اگلے دن کے آنے سے پہلے ہی اپنی پچھلی ساری زندگی کا حساب و کتاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صاف کر لے اور توبہ استغفار کر لے۔

توبہ کا مطلب

توبہ کا مطلب یہ ہے کہ جتنے گناہ یاد آ رہے ہیں، ان پر ندامت کا اظہار کرے اور ان کو آئندہ نہ کرنے کا عزم کر لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر لے۔ بس یہ کام کر لے تو پھر اللہ تعالیٰ سے یہ اُمید ہے کہ دن بھر کی جتنی غلطیاں اور کوتاہیاں اور گناہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمادیں گے۔

سوتے وقت کی دو دعائیں

سوتے وقت پہلی دعا جو حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے وہ یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَحْيٰ وَبِكَ أَمُوْتُ))(۲)

"اے اللہ! میں آپ ہی کے نام سے زندہ ہوں اور آپ ہی کے نام سے مروں گا"

اس کے بعد ایک دوسری دعا سونے سے پہلے حضورِ اقدس ﷺ سے پڑھنا ثابت ہے، وہ

(۱) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، رقم: ۱۲۹۶، مسند أحمد، رقم: ۱۰۶۵۲

(۲) صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا نام، رقم: ۵۸۳۷، سنن الترمذي، كتاب الدعوات عن رسول الله، باب منه، رقم: ۳۳۳۹، مسند أحمد، رقم: ۲۰۴۰۴

بہترین دعا ہے وہ یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِيْ وَأَنْتَ تَوَفَّاهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا إِنْ أَحْيَيْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ وَإِنْ أَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا))(۱)

یہ لمبی دعا ہے لیکن مسنون دعاؤں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، یاد کر لینے سے انشاء اللہ یاد ہو جائے گی۔ اور جب تک اس دعا کے عربی الفاظ یاد نہ ہوں، اس وقت تک اُردو ہی میں یہ دعا مانگ لی جائے، انشاء اللہ اس کا بھی فائدہ ہوگا۔

نیک بندوں کی طرح زندگی کی حفاظت

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! آپ ہی نے مجھے پیدا کیا اور آپ ہی مجھے موت دیں گے، یعنی زندگی بھی آپ ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور زندگی کا خاتمہ بھی آپ ہی کے ذریعہ ہوگا۔ میری زندگی اور موت سب آپ کے ہاتھ میں ہے، اے اللہ! اگر آپ مجھے دوبارہ زندہ کریں، یعنی سونے کے بعد دوبارہ بیداری عطاء فرمائیں تو پھر میری اسی طرح حفاظت کریں جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی میں سونے کے لئے جارہا ہوں، یہ بھی عارضی موت ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ دوبارہ بیدار ہوں گا یا نہیں، لیکن اگر آپ نے مجھے دوبارہ زندگی عطاء فرمائی تو وہ زندگی اسی وقت فائدہ مند ہے جب آپ مجھے اس طرح اپنی حفاظت میں لے لیں جس طرح آپ اپنے نیک بندوں کو حفاظت میں لیتے ہیں۔

فاسقوں اور فاجروں کی حفاظت کیوں؟

کیونکہ حفاظت تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ فاسقوں اور فاجروں کی بھی کرتے ہیں، کافروں اور غیر مسلموں کی بھی حفاظت کرتے ہیں، چنانچہ اس حفاظت کی وجہ سے بعض اوقات شبہ ہوتا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں اور فاسق و فاجر ہیں، وہ دنیا میں خوب پھل پھول رہے ہیں، اگر ان کو دنیا میں کوئی خطرہ پیش آتا بھی ہے تو وہ اس خطرہ سے نکل آتے ہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ دنیا علیم و حکیم کا کارخانہ ہے، جس کا کہنا یہ ہے کہ۔

ما پروریم دشمن و ما میکشیم دوست
کس را چرا و چوں نہ رسد در قضاءِ ما

(۱) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ٤٨٨٧، مسند أحمد، رقم: ٥٢٤٥، کنز العمال، رقم: ٤١٢٩٢ (٣٣٧/١٥)

یعنی بعض اوقات ہم دشمن کو پالتے ہیں اور اس کو پروان چڑھایا جاتا ہے اور اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور دوست کو مار دیا جاتا ہے۔

کافروں کو ڈھیل دی جاتی ہے

دیکھئے! بڑے بڑے کافر، فرعون، نمرود، ہامان، قارون، جنہوں نے ''انا ولا غیری'' کے نعرے لگائے، لیکن اس کے باوجود ایک عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ نے ان کی رسّی دراز کی اور ان کو ڈھیل دی اور ان کی حفاظت کرتے رہے، جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو آروں سے چروا دیا گیا۔ لیکن یہ سب کام انہی کی حکمت سے ہو رہے ہیں، دشمنوں کو ایک وقت تک ڈھیل دی جاتی ہے، جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ پکڑ لیتے ہیں، فرعون نے ایک وقت تک خدائی کے دعوے کیے، لوگوں پر ظلم وستم کے شکنجے کسے، لیکن بالآخر اس کا یہ انجام ہوا کہ سمندر میں غرق ہوا۔

اچانک ان کی گرفت ہوگی

لہٰذا حفاظت تو ان کافروں کی بھی ہو رہی ہے اور دشمنوں کی بھی ہو رہی ہے، چنانچہ آج کے حالات کو دیکھ لیں کہ کس طرح عالمِ اسلام ابتری کا شکار ہے اور دشمنانِ اسلام نے بظاہر قوت حاصل کی ہوئی ہے اور برتری حاصل کیے ہوئے ہیں اور ان کی حفاظت کی جارہی ہے۔ لیکن یہ حفاظت ایک وقت تک ہوگی، جب اللہ تعالیٰ ان کو پکڑنے کا ارادہ فرمائیں گے تو اچانک سخت گرفت میں پکڑ لیں گے۔

﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾(۱)

''تیرے پروردگار کی گرفت بڑی سخت ہے''

سامری کی پرورش حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک ''سامری'' جادوگر تھا جو کافر تھا اور جس نے ایک بچھڑا بنا کر لوگوں کو کہا کہ اس کی پوجا کرو۔ اس ''سامری'' کی پرورش کا بھی عجیب وغریب واقعہ ہے، وہ یہ کہ چونکہ یہ بھی بنی اسرائیل میں سے تھا، اور فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بچوں کے قتل کا حکم دے دیا تھا، اس لئے جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرح اس کو تابوت میں رکھ کر دریا میں یہ سوچ کر ڈال دیا تھا کہ اگر اس کی زندگی ہوگی تو بچ جائے گا، ورنہ کم از کم میری آنکھوں کے سامنے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۱) البروج: ۱۲

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا میں ایک تابوت کے اندر ایک بچہ ہے، اس کو نکالو اور پہاڑ کی چوٹی پر جو غار ہے، اس کے اندر رکھ دو، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس کو اُٹھا کر غار کے اندر رکھ دیا، اور پھر اس کی اس طرح پرورش کی روزانہ دودھ اور شہد لا کر اس کو چٹایا کرتے تھے، اس ''سامری'' کا نام بھی موسیٰ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ذریعہ

جس موسیٰ کی پرورش حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی وہ تو اتنا بڑا بت پرست نکلا کہ بنی اسرائیل کے اندر بت پرستی کا بانی بن گیا، جبکہ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ذریعہ کرائی، فرعون کے گھر میں جس موسیٰ کی پرورش ہوئی وہ پیغمبر بنے اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جس موسیٰ کی پرورش ہوئی وہ کافر ہوا اور بت پرست ہوا۔ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کا کارخانہ ہے، کسی انسان کی عقل اور فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اسی بات کو ایک عربی شاعر نے ایک شعر میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

وَ مُوْسَى الَّذِي رَبَّاهُ جِبْرِيْلُ كَافِرٌ
وَمُوْسَى الَّذِي رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

یعنی وہ موسیٰ جس کی پرورش جبرائیل علیہ السلام نے کی، وہ کافر نکلا اور وہ موسیٰ جس کی پرورش فرعون نے کی، وہ رسول بنا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا کارخانہ ہے۔

سوتے وقت حفاظت کی دعا کرنا

بہر حال! اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق حفاظت تو کافروں اور فاسقوں اور فاجروں کی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا سوتے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

''اے اللہ! جب میں بیدار ہوں تو میری حفاظت فرمائیے، لیکن جیسے آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح حفاظت فرمائیے''

یعنی جب میں صبح کو بیدار ہوں اور زندگی کے کارزار میں داخل ہوں تو پھر میری حفاظت فرمائیے کہ میرے قدم گناہ کی طرف نہ بڑھیں اور معصیت کی طرف نہ بڑھیں بلکہ آپ کی اطاعت کی طرف بڑھیں۔

اگر موت آجائے تو مغفرت

آگے یہ جملہ ارشاد فرمایا:

((وَإِنْ أَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا))

''اے اللہ! اگر میرے مقدر میں یہ ہے کہ اس نیند کے بعد میں بیدار نہ ہوں بلکہ مجھے موت دینی مقصود ہے تو اے اللہ! میری مغفرت فرمایئے اور مجھ پر رحم فرمایئے''

لہٰذا رات کو سوتے وقت زندگی اور موت دونوں کے بارے میں یہ دعا حضور اقدس ﷺ نے تلقین فرمادی۔ بتایئے! اگر انسان کی یہ دعا قبول ہوجائے یعنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت مل جائے، اور مرنے کے بعد مغفرت اور رحمت مل جائے ـــــ اور اس کو کیا چاہئے۔

سوتے وقت کے دوسرے اذکار

روایات میں آتا ہے کہ اگر انسان رات کو سوتے وقت سورۃ بقرہ کے آخری رکوع اور سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی تلاوت کرلے تو یہ بھی بڑی فضیلت کی چیز ہے۔[1] اس کے علاوہ رات کو سوتے وقت سورۃ ملک کی تلاوت کرنا ایسا عمل ہے جو انسان کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھتا ہے۔[2] اس کے علاوہ توبہ اور استغفار کرلے۔

اور آخری دعا جس کے بارے میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اس دعا کے بعد کوئی اور کلمہ زبان سے نہ نکالے بلکہ دعا کے بعد فوراً سو جائے، یہ وہ دعا ہے جو حضورِ اقدس ﷺ نے ایک صحابی کو تلقین فرمائی کہ جب تم رات کو سوتے وقت بستر پر داہنی کروٹ پر لیٹو تو اس وقت یہ دعا پڑھو:

---

(۱) قال النبی صلی اللہ علیه وسلم: "من قرأ بالآیتین من آخر سورة البقرة فی لیلة کفتاه" صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، رقم: ٤٦٢٤، سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، باب ماجاء فی آخر سورة البقرة، رقم: ٢٨٠٦، عن عثمان بن عفان قال: "من قرأ آخر آل عمران فی لیلة کتب له قیام لیلة" سنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل آل عمران، رقم: ٣٢٦٢

(۲) قال عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنه: "من قرأ تبارک الذی بیده الملک کل لیلة منعه اللہ بها من عذاب القبر وکنا فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نسمیها المانعة" الترغیب والترهیب، رقم: ٢٤٥٣ (٢/٢٩٤)، عمل الیوم واللیلة، باب الفضل فی قراءة تبارک الذی بیده الملک، رقم: ٧١١ (١/٤٣٣)، السنن الکبری للنسائی، رقم: ١٠٥٤٧ (٦/١٧٩)

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْلَمْتُ نَفْسِیْ إِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ إِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِیْ إِلَیْکَ وَالْجَأْتُ ظَھْرِیْ إِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ إِلَّا إِلَیْکَ اَللّٰھُمَّ آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ أَرْسَلْتَ))(۱)

اے اللہ! میں نے اپنی جان آپ کے حوالے کر دی اور میں نے اپنا چہرہ آپ کی طرف کر دیا اور میں نے اپنے سارے معاملات آپ کے سپرد کر دیئے۔

تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد

دیکھئے! انسان کے ساتھ ہزاروں حاجتیں اور ہزاروں ضرورتیں لگی ہوئی ہیں، چنانچہ سوتے وقت بھی اس کے دماغ میں یہ خیالات آتے ہیں کہ کل کو کیا ہوگا؟ کس طرح کماؤں گا؟ پیسے کہاں سے آئیں گے؟ بچوں کا کیا ہوگا؟ اس طرح کے بہت سے خیالات انسان کے دل پر مسلط ہوتے ہیں، لیکن اب رات کا وقت ہے، سونے کے لئے بستر پر لیٹا ہوا ہے، کچھ نہیں کر سکتا، اس لئے اس وقت یہ دعا کر لو کہ اے اللہ! میں نے اپنے سارے معاملات آپ کے سپرد کر دیئے، جو واقعات مجھے کل پیش آنے ہیں، وہ سب آپ کے سپرد ہیں، اے اللہ! ان میں آپ میرے لئے بہتری پیدا فرما دیجئے۔

بیداری کے آخری الفاظ

آگے فرمایا:

''اے اللہ! میں نے اپنی پشت آپ کے آگے رام کر دی، اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو آپ نے نازل کی ہے۔ یعنی قرآن کریم، اور جو نبی ﷺ آپ نے دنیا میں بھیجے، میں ان پر ایمان لاتا ہوں''

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ الفاظ تمہاری بیداری کے آخری الفاظ ہونے چاہئیں، اس کے بعد سو جاؤ اور زبان سے کوئی کلمہ نہ نکالو۔ تو اس کے نتیجے میں ان شاء اللہ یہ ساری نیند بھی نور اور عبادت بن جائے گی اور اگر اس حالت میں موت آگئی تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ سیدھے جنت میں لے جائیں گے۔

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب إذا بات طاھرا وفضله، رقم: ۵۸۳٦، صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب ما یقول عند النوم وأخذ المضجع، رقم: ۴۸۸۵، سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول الله، باب ما جاء فی الدعاء إذا أوٰی الی فراشه، رقم: ۳۳۱٦، مسند أحمد، رقم: ۱۷۷۸۲، سنن الدارمی، کتاب الإستئذان، باب الدعاء عند النوم، رقم: ۲٥٦۷

اگر نیند نہ آئے تو یہ پڑھے

اگر آدمی سونے کے لئے بستر پر لیٹ گیا اور اس کو نیند نہیں آرہی ہے تو اس موقع پر حضورِ اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ غَارَتِ النُّجُوْمُ وَھَدَأَتِ الْعُیُوْنُ وَأَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ أَھدِءْ لَیْلِیْ وَأَنِمْ عَیْنِیْ))(۱)

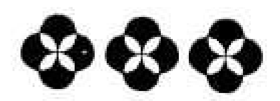
''یا اللہ! ستارے چھپ گئے اور آنکھیں پُرسکون ہوگئیں، آپ حی و قیوم ہیں۔آپ کو نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند، اے حی و قیوم میری رات کو پُرسکون بنا دیجئے اور میری آنکھ کو نیند عطاء فرما دیجئے''

یہ کلمات پڑھ لوگے تو ان کلمات کی برکت سے اللہ تعالیٰ شیاطین کے شر سے محفوظ فرمائیں گے۔ بہرحال! یہ چند اعمال اور چند دعائیں سوتے وقت کی حضورِ اقدس ﷺ سے منقول ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اختتامی کلمات

ادعیہ ماثورہ کا بیان جو کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اب میں اس کو ختم کرتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو اب دوسرے موضوعات پر بیان کروں گا۔خلاصہ یہ ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں قدم قدم پر ہمارا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے رابطہ مستحکم کرنے کے لئے یہ مسنون دعائیں تلقین فرمائیں، ان میں سے ہر ہر دعا ایسی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوجائے تو دنیا و آخرت میں انسان کا بیڑہ پار ہوجائے۔اس لئے ہر مسلمان کو ان دعاؤں کا اہتمام کرنا چاہئے اور ان کو یاد کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور صحیح وقت پر ان دعاؤں کو دھیان کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوگا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان دعاؤں کے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



(۱) المعجم الکبیر، رقم: ٤٦٨٣ (٣٣/٥)، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (٣٩٧/٤)، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (٤٢٥/٣)